

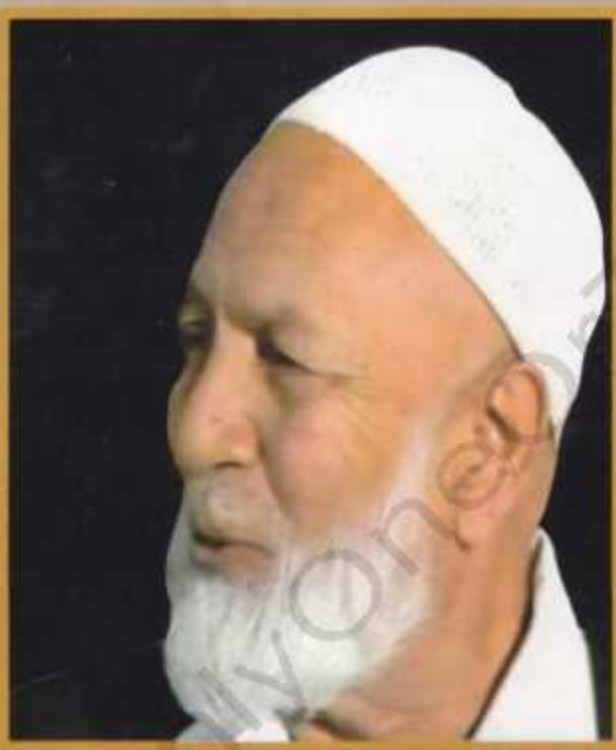
SHEIK-AHMED-DEEDAD

یہودیت، عیسائیت

اور

اسلام

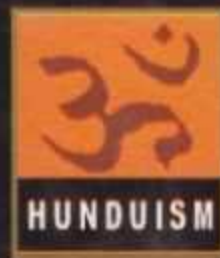
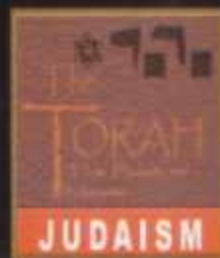
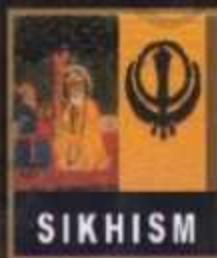
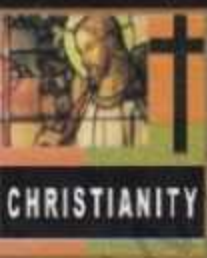
شیخ احمد دیدات



یہودیت، عیسائیت اور اسلام

شیخ احمد دیدات

عجل اللہ تعالیٰ فرجه



یہودیت، عیسائیت اور اسلام

پس منظر..... اہم معلومات..... سنسنی خیز حقائق..... اور تقابلی

اس کتاب میں مشہور و معروف محقق، عظیم اسلامی اسکالر، عالم تقابلی ادیان شیخ احمد ديدات رحمۃ اللہ علیہ کی عالمی شہرت یافتہ کتاب ”تقابل الادیان السماویہ“ کا با محاورہ اردو ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے

مصنف

شیخ احمد ديدات رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تحقیق

مفتی محمد وسیم اکرم القادری

ترجمہ

مصباح اکرم

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عَبْدُ اللَّهِ كَيْدِي

الکسیم ہارکیت اردو بازار دلاہن

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

ناشر: مشتاق احمد

اہتمام: سلمان منیر

نام کتاب	—	یہودیت، عیسائیت اور اسلام
مصنف	—	شیخ احمد دیدات رحمہ اللہ
ترجمہ	—	مصباح اکرم
ترتیب جدید	—	علامہ مفتی محمد وسیم اکرم القادری
اشاعت	—	2010ء
مطبع	—	آر۔ آر۔ پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
کمپوزنگ	—	گل گرافکس
قیمت	—	روپے

استدعا

پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق
کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم
مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ
کے بے حد مشکور ہوں گے۔ شکریہ۔ (ناشر)

www.only1or3.com,
www.onlyoneorthree.com

انتساب

عمدة الاصفیاء، عظیم واعظ و مقرر، عالم تقابل ادیان۔ کتاب ہذا کے مؤلف

شیخ احمد دیدات رحمہ اللہ

کے نام

جنہوں نے جس بھی موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

فہرست

☆	عرض مترجم	21
☆	پیش لفظ	23
☆	مقدمۃ الکتاب	25
☆	مطالعہ تقابلی ادیان	25
☆	دین اور اس کا مفہوم	25
☆	مطالعہ تقابلی ادیان اور اس علم کی اہمیت	27
☆	مذہب ارتقاء اور الہام کی نظر میں	33
☆	دو نظریے	33
☆	ارتقائی نظریہ	33
☆	مذہب کا الہامی نظریہ	37
☆	مذہب عالم بنیادی اور نسلی تقسیم کی نظر میں	39
☆	مذہب کی بنیادی اقسام	39
☆	مذہب کی نسلی تقسیم	39
☆	الہامی و غیر الہامی مذاہب	41
☆	تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہب	42
☆	حصہ نمبر: 1	44

- ☆ دین یہود ----- 44
- ☆ مذہب یہود کا ابتدائی تعارف ----- 45
- ☆ بنی اسرائیل اور یہود ----- 45
- ☆ خالص توحیدی مذہب ----- 45
- ☆ دین یہود کی تعریف ----- 46
- ☆ جامع ترین تعریف ----- 47
- ☆ تعلیمات کے دو ماخذ ----- 47
- ☆ دین یہود کی ارتقائی منازل ----- 48
- ☆ آبائی وطن ----- 48
- ☆ مصر میں رہائش اور بادشاہت ----- 49
- ☆ بادشاہت سے غلامی کا سفر ----- 49
- ☆ آزادی اور حصول حکومت ----- 49
- ☆ حضرت سلیمان علیہ السلام اور دو حکومتوں کی بنیاد ----- 49
- ☆ بخت نصر اور اسرائیلی ----- 50
- ☆ بنی اسرائیل ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں کے زیر نگیں ----- 50
- ☆ پندرہویں صدی میں یہودیوں پر ہونے والے مظالم ----- 50
- ☆ مخالفت الگ قومیت کی بقاء کا سبب ----- 51
- ☆ تحریک زیونزم ----- 51
- ☆ پہلی جنگ عظیم اور جرمنی کے مظالم ----- 52
- ☆ ملک اسرائیل کا قیام ----- 52
- ☆ قدیم دین یہود ----- 52
- ☆ بنی اسرائیل کی اقامت پذیری اور مشرکانہ عقائد ----- 52
- ☆ خاندانی دیوتا ----- 53
- ☆ حجر پرستی ----- 54

- ☆ قومی دیوتا ----- 54
- ☆ یہوداہ بطور قومی دیوتا ----- 55
- ☆ تعارف سیدنا موسیٰ علیہ السلام ----- 62
- ☆ ذکر فی القرآن المجید ----- 62
- ☆ دو فرعون ----- 62
- ☆ مصر میں سکونت ----- 63
- ☆ ولادت و رضاعت موسیٰ ----- 63
- ☆ موسیٰ نام ----- 64
- ☆ قتل قبلی اور ہجرت مدین ----- 64
- ☆ مصر واپسی اور فرعون سے مناظرہ ----- 65
- ☆ ثابت قدمی اور معجزات ----- 66
- ☆ دوبارہ آزمائش ----- 66
- ☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کا رویہ ----- 66
- ☆ تبلیغی مشن کا آغاز ----- 67
- ☆ نو واضح ترین معجزات ----- 67
- ☆ فرعون کی ممی ----- 68
- ☆ بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت ----- 68
- ☆ طلب شرک ----- 69
- ☆ جہاد سے منہ موڑنا ----- 69
- ☆ انعامات اور احقرانہ مطالبہ ----- 70
- ☆ نزول تورات اور عہد و میثاق ----- 70
- ☆ حضرت ہارون ----- 71
- ☆ خدا کو دیکھنے کا مطالبہ ----- 72
- ☆ کوہ طور کا اٹھنا ----- 72

- ☆ 72 موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت
- ☆ 73 انبیاء بنی اسرائیل کی اصلاحات
- ☆ 73 شرک کی تلاش
- ☆ 73 انبیائے بنی اسرائیل کی تبلیغ اور قوم کا رد عمل
- ☆ 74 موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ اصلاحات
- ☆ 79 کتاب اللہ میں تحریف
- ☆ 79 حضرت سموئیل علیہ السلام
- ☆ 81 حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام
- ☆ 81 حضرت الیاس و الیسع
- ☆ 82 عاموس اور یوشع نبی
- ☆ 83 یحییٰ اور یرمیاہ نبی
- ☆ 84 حضرت عزیر علیہ السلام
- ☆ 84 حضرت یحییٰ علیہ السلام
- ☆ 85 حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- ☆ 89 خلاصہ گفتگو
- ☆ 89 دین یہود کا مذہبی لٹریچر
- ☆ 89 بنیادی کتب
- ☆ 90 بائبل مقدس
- ☆ 91 عہد نامہ قدیم
- ☆ 91 تورات مقدس
- ☆ 94 انبیاء کی کتب
- ☆ 94 متفرق کتابیں
- ☆ 95 تالمود
- ☆ 97 منشاء

98	☆ گمارا
99	☆ یہودی لٹریچر تنقید و تحقیق کی نظر میں
99	☆ عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت
101	☆ عہد قدیم میں تحریف کی داخلی اور خارجی شہادت
103	☆ عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں
105	☆ موجودہ بائبل کے انبیاء کرام علیہم السلام پر الزامات
108	☆ دین یہود عقائد اور رسومات کے تناظر میں
108	☆ عمل، ایمان اور اخلاق رذیلہ
108	☆ مذہبی رسوم، کفر اور تبلیغ یہودیت
109	☆ سیاسی، سماجی اور معاشرتی قوانین
109	☆ فرائض خمسہ اور بنیادی عقائد
110	☆ یہودی احکام عشرہ
111	☆ بائبل کے معاشرتی احکام
116	☆ یہودی معبد
118	☆ یوم سبت کی تعطیل
118	☆ تحریک صہونیت
118	☆ فلسطین پر قبضہ
118	☆ شمالی و جنوبی فلسطین کی ریاست اور بخت نصر
119	☆ ہیکل کی از سر نو تعمیر
119	☆ ہیکل اور شہر کی دوبارہ تباہی
119	☆ دو ہزار سال سے مذہبی دعا
119	☆ بچے اور فلسطین کی حکومت کا حصول
119	☆ سازشی لوگ
'20	☆ باغی ذہن

- ☆ دو طبقات ----- 120
- ☆ ہٹلر اور یہودیوں کی بیخ کنی ----- 120
- ☆ روس اور یہودی ----- 120
- ☆ جمعیت عشاق صہیون ----- 120
- ☆ وجہ تسمیہ ----- 121 www.only1or3.com
- ☆ اتحاد کی وجہ ----- 121 www.onlyoneorthree.com
- ☆ تحریک کا باقاعدہ قیام ----- 121
- ☆ قیام تحریک کے مقاصد ----- 121
- ☆ فلسطین کی طرف ہجرت ----- 122
- ☆ ہجرت اول اور ہجرتی تنظیموں کا قیام ----- 122
- ☆ عظیم یہودی مصلح ----- 122
- ☆ متعینہ پروگرام کی تکمیل کے طریقے ----- 123
- ☆ الین بائی کی یونیورسٹی ----- 123
- ☆ مجوزہ علاقے کا مخصوص نام ----- 123
- ☆ عالمی جیوری ----- 123
- ☆ فلسطین میں نوآبادیاں ----- 124
- ☆ ہجرت ثانیہ ----- 124
- ☆ سلطان عبدالحمید خان کی حمیت ----- 124
- ☆ بال کانفرنس کا پیدا کردہ جذبہ ----- 125
- ☆ جرمنی سے معاملہ اور ناکامی ----- 125
- ☆ انگلستان سے مدد اور حصول مقصد میں کامیابی ----- 125
- ☆ یہودی اور عرب مسلمان ----- 126
- ☆ تحریک کا دوسرا دور ----- 126
- ☆ تقسیم فلسطین ----- 126

- ☆ 126 یہودیوں کی درماندگی اور ریاست اسرائیل کا قیام
- ☆ 127 مسلسل ملک کی توسیع کی کوششیں
- ☆ 127 سپر پاور امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر اور اسرائیل
- ☆ 128 حصہ نمبر 2:
- ☆ 128 دین مسیح
- ☆ 129 ابتدائی تعارف
- ☆ 129 ایک معاشی قوت
- ☆ 129 بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب
- ☆ 129 یہودیت اور عیسائیت کا باہم تعلق
- ☆ 129 یہود کا انبیاء سے سلوک
- ☆ 130 یہودی علماء کی تحریف
- ☆ 130 ظہور عیسائیت کے وقت کے سیاسی حالات
- ☆ 130 انسانیت کی اپاہجی کا زمانہ
- ☆ 131 دیگر مذاہب اور اجتماعی قوانین
- ☆ 131 یہودی کی آرزوئیں اور خوش خیالیاں
- ☆ 132 سیرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- ☆ 132 نام اور القاب
- ☆ 133 قرآن اور مقدس کتب
- ☆ 142 حیات عیسیٰ بائبل اور عیسائی روایات کی روشنی میں
- ☆ 156 قدیم دین مسیح
- ☆ 156 توحید کی تعلیم
- ☆ 157 خدا کی صفات
- ☆ 158 حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے رسول
- ☆ 161 توبہ کی تلقین

- ☆ نجات اعمال پر ہے 161
- ☆ گناہ جہنم میں دخول کا موجب 162
- ☆ اخلاقی تعلیمات 163
- ☆ معاشرتی تعلیمات 164
- ☆ دین موسوی کا کلمہ 167
- ☆ رسالت فطربی اسرائیل کے لیے 167
- ☆ جدید دین مسیح 167
- ☆ موجودہ عیسائیت کا بانی اور اس کے تغیرات 168
- ☆ عقیدہ تثلیث 168
- ☆ عقیدہ تثلیث کا رد 172
- ☆ عقیدہ کفارہ 176
- ☆ عقیدہ کفارہ کا رد از روئے قرآن و انجیل 180
- ☆ پاپائیت 187
- ☆ تحریک اصلاح مذہب، مارٹن لوتھر اور اس کے جانشین 191
- ☆ کلیسائے انگلستان 195
- ☆ دستاویز مغفرت 197
- ☆ دین مسیح کا مقدس دینی ادب 200
- ☆ حیات مسیح اور اناجیل 200
- ☆ تعلیمی کتابیں 204
- ☆ کتاب مکافہ 205
- ☆ حواری اور ان کی کتب 206
- ☆ پیٹر کے حالات زندگی اور تعلیمات 207
- ☆ پولوس کے مختصر حالات زندگی اور تعلیمات 209
- ☆ یوحنا کے حالات زندگی اور تعلیمات 212

- ☆ یہود اسکریپتوری 213
- ☆ برتاؤ کے حالات زندگی اور تعلیمات 214
- ☆ مسیحی لٹریچر تنقید و تحقیق کی نظر میں 215
- ☆ اولین کسوٹی 215
- ☆ کلام انسانی اور الہامی کلام میں فرق 215
- ☆ جاہل اور کلام الہی 216
- ☆ کلام ربانی میں انسانی مداخلت 216
- ☆ اناجیل اربعہ، دیگر صحف، تنقیدی تجزیہ اور عیسائی 216
- ☆ اناجیل اربعہ کی ترتیب اور انجیل یوحنا 217
- ☆ عہد نامہ جدید کو پرکھنے کے لیے چند قابل توجہ امور 218
- ☆ عیسائی علماء کا اعتراف 220
- ☆ لا حاصل کوششیں 220
- ☆ انجیل متی اور دیگر اناجیل میں رد و بدل 221
- ☆ الہامی یا خود ساختہ 221
- ☆ مصنفین کا اقرار 221
- ☆ باہمی اختلاف 221
- ☆ محاسبہ اور تنقید 222
- ☆ ٹرنٹ کی کونسل 222
- ☆ دین مسیح کے مختلف فرقے 223
- ☆ عیسائیت کی ابتداء اور صحت عقیدہ 223
- ☆ حضرت عیسیٰ کی حیثیت کا تعین 224
- ☆ نصرانی 224
- ☆ دویش 225
- ☆ آریوسی 227

- ☆ اپولی نیرین 228
- ☆ نسطوری 229
- ☆ وحدت الفطری فرقہ 230
- ☆ آئی کونولاسٹک 230
- ☆ فرقوں کے عقائد کا مطالعہ اور باہمی اختلاف کی وجہ 231
- ☆ دین مسیح رسومات کے تناظر میں 232
- ☆ رسم پتسمہ 232
- ☆ عشاء ربانی 233
- ☆ تیوہار 234
- ☆ کرسمس 235
- ☆ ایسٹر 235
- ☆ حصہ نمبر 3: 236
- ☆ دین اسلام 236
- ☆ اسلام سے قبل دنیا کے عالمی حالات 237
- ☆ انسانیت کا پست ترین دور 237
- ☆ پیغمبروں کی تعلیمات اور باقی ماندہ اہل ایمان کا طرز عمل 237
- ☆ اہل دنیا سے ساز باز 237
- ☆ عوام کی حالت زار 238
- ☆ عالمی تنزلی 238
- ☆ چھٹی صدی عیسوی اور حکومتی تنزل 238
- ☆ یہودیوں کی حالت زار 239
- ☆ عیسائیت 239
- ☆ ہندوستان کی حالت 239
- ☆ چین کی حالت 239

- ☆ 239 جاپان کی حالت
- ☆ 240 قبل از اسلام دنیا کے عرب کے حالات
- ☆ 240 بین الاقوامی مذہب اور تعداد
- ☆ 240 قدیم و جدید مذہب
- ☆ 240 عربوں کا رہنا سہنا
- ☆ 241 اولاد زینہ اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا
- ☆ 241 رشتے داریوں کو پھیلانا اور دیگر مصروفیات
- ☆ 241 تمدن و سیاست اور طرز حکومت
- ☆ 242 فوجی نظام
- ☆ 242 عقائد و عبادت گاہیں
- ☆ 242 خاندانی اور عائلی زندگی
- ☆ 243 عربوں کے عقلی اور علمی کارنامے
- ☆ 243 نسب دانی اور شاعری
- ☆ 243 کہانت و عرافت
- ☆ 244 بدشگونی کا تصور
- ☆ 244 منخوسیت کا تصور
- ☆ 244 جادوگری کا پیشہ اور ریاضتیں
- ☆ 244 بت پرستی اور بت کدے
- ☆ 245 ستارہ اور چاند پرستی
- ☆ 245 عرب میں موجود ادیان اور ان کا منسوخ ہونا
- ☆ 246 رسول اللہ ﷺ کا مختصر تعارف
- ☆ 246 بچپن کا دور
- ☆ 247 جوانی کا پاکیزہ دور
- ☆ 248 مکی دور..... دعوت دین

- ☆ 253 مدینہ کی جانب ہجرت
- ☆ 253 مدنی دور..... انقلابی دور
- ☆ 254 تیس سالہ انقلابی زندگی
- ☆ 254 اسلام کی مقبولیت
- ☆ 256 اسلام پیغمبر اسلام کے بعد
- ☆ 258 اسوۂ رسول ﷺ
www.onlyoneorthree.com
- ☆ 263 مقدس دینی کتاب
- ☆ 263 قرآن مجید کا نام قرآن مجید میں
- ☆ 267 نام یا پیش گوئی
- ☆ 267 نزول قرآن
- ☆ 270 اسماء القرآن
- ☆ 277 قرآن مجید کے بارے میں اہم معلومات
- ☆ 285 چند قرآنی اصطلاحات
- ☆ 290 قرآن مجید کا مختصر تعارفی خاکہ
- ☆ 293 قرآن مجید خود اپنی نظر میں
- ☆ 301 قرآن مجید کمپیوٹر اور ریاضی کی روشنی میں
- ☆ 301 القرآن
- ☆ 302 کلام الہی
www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com
- ☆ 304 عصری سائنس کی شہادت
- ☆ 307 ریاضی اور کمپیوٹر کی شہادت
- ☆ 310 انیس کا ہندسہ
- ☆ 318 نتیجہ گفتگو
- ☆ 319 حفاظت..... قرآن اور دیگر مذہبی کتب کا تقابل
- ☆ 324 دلائل اعجاز

- ☆ 334 سنت رسول ﷺ و فقہ کی اہمیت
- ☆ 334 مآخذ دوم..... اجمال قرآن کی تشریح
- ☆ 334 حجیت حدیث و سنت
- ☆ 337 کتابت و حفاظت حدیث
- ☆ 339 فقہ و اجتہاد
- ☆ 341 تعلیمات اسلام
- ☆ 341 اسلام کی اہم ترین ایمانی تعلیمات
- ☆ 341 ایمانیات
- ☆ 342 عقیدہ توحید پر ایمان اور اس کے تقاضے
- ☆ 345 رسالت پر ایمان اور اس کے تقاضے
- ☆ 348 فرشتوں پر ایمان
- ☆ 349 کتابوں اور صحیفوں پر ایمان
- ☆ 350 قضاء و تقدیر پر ایمان
- ☆ 350 آخرت پر ایمان اور اس کے تقاضے
- ☆ 359 دین
- ☆ 360 تصویر عبادت
- ☆ 361 نصب العین
- ☆ 362 اسلام کی اہم ترین اخلاقی تعلیمات
- ☆ 362 ۱۔ اخلاقی تعلیمات اپنانے کا حکم
- ☆ 368 ۲۔ اخلاق مذمومہ سے بچنے کی تاکید
- ☆ 373 اسلام کی اہم ترین سیاسی تعلیمات
- ☆ 373 اسلام کا تصور کائنات
- ☆ 374 حاکمیت اللہیہ
- ☆ 377 مقام رسول ﷺ

- ☆ خلافت 378
- ☆ ریاست اور اس کی ذمہ داریاں 381
- ☆ بنیادی حقوق 384
- ☆ اسلامی ریاست کی خصوصیات 388
- ☆ اسلام کی اہم ترین معاشی تعلیمات 390
- ☆ اسلام کی اہم ترین معاشرتی تعلیمات 396
- ☆ اسلام میں عورتوں کے حقوق 401
- ☆ حقوق اولاد 432
- ☆ اسلامی صلہ رحمی 433
- ☆ آج کے مسلم معاشرے میں قرآنی نظام کے آثار 435
- ☆ اسلام اور عصر حاضر 437
- ☆ جدت پسندی اور اسلام 437
- ☆ علوم جدید اور اسلام 443
- ☆ اسلام اور سائنس 444
- ☆ اسلام اور فلسفہ 450
- ☆ اسلام کی امتیازی خصوصیات 455
- ☆ دین اسلام کی دیگر اہم ترین خصوصیات 462
- ☆ توحید 462
- ☆ اخوت اسلامی 463
- ☆ مساوات انسانی 464
- ☆ اعتدال اور توازن 465
- ☆ ابدی اور دائمی مذہب 466
- ☆ اصلاحی اور انقلابی دین 467
- ☆ حصہ نمبر 4 470

- ☆ 470 یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا تقابل
- ☆ 471 **الجزء الاول:**
- ☆ 471 یہودیت اور اسلام کا تقابل
- ☆ 471 یہودیت ابتدائاً انتہا
- ☆ 471 دینی کتب
- ☆ 475 دینی رہنما
- ☆ 477 عقیدہ آخرت
- ☆ 481 فرشتوں اور کتابوں پر ایمان
- ☆ 481 قوم و نسل کا تصور
- ☆ 482 حقوق نسواں
- ☆ 483 نظام عدل و مساوات
- ☆ 485 **الجزء الثانی:**
- ☆ 485 عیسائیت اور اسلام کا تقابل
- ☆ 485 عیسائیت کا مختصر تعارف
- ☆ 485 توحید و شرک
- ☆ 488 عقیدہ کفار قرآن مجید اور اناجیل کی روشنی میں
- ☆ 490 اسلام اور عیسائیت میں ذریعہ نجات
- ☆ 491 بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا عیسائیت اور اسلام کی رو سے
- ☆ 492 یسوع مسیح کی موت اسلام اور عیسائیت کی رو سے
- ☆ 495 تصور شریعت عیسائیت اور اسلام کی روشنی میں
- ☆ 496 تصور رہبانیت اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں
- ☆ 497 پاپائیت اور مذہبی اجارہ داری اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں
- ☆ 498 محفوظ سیرت..... عیسائیت کے نبی کی یا اسلام کے
- ☆ 498 محفوظ ترین کتاب..... عیسائیت کی یا اسلام کی؟

- ☆ 499 دین و دنیا..... اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں
- ☆ 500 مکمل ضابطہ حیات..... عیسائیت یا اسلام؟
- ☆ 501 عالمگیر دین..... عیسائیت یا اسلام؟
- ☆ 504 **الجزء الثالث:**
- ☆ 504 بائبل مقدس اور قرآن مجید کا سائنسی تقابل
- ☆ 504 بائبل کی اہم ترین سائنسی اغلاط
- ☆ 527 قرآن مجید کے سائنسی معجزات
- ☆ 527 قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کے جوابات
- ☆ 556 قرآن مجید کے تاریخی معجزے
- ☆ 560 بائبل اور قرآن میں تضادات
- ☆ 561 دہریے کے لیے قرآن مجید کے سائنسی دلائل
- ☆ 590 قرآن مجید کا امتیاز
- ☆ 595 اعجاز قرآن اور غیر مسلم فضلاء
- ☆ 606 **الجزء الرابع**
- ☆ 606 پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر بانیان مذاہب کا تقابل
- ☆ 615 بانیان مذاہب میں رسول اللہ ﷺ کی امتیازی خصوصیات

☆☆☆.....

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عرض مترجم

ہماری تہذیب میں لاتعداد مذاہب اور اخلاقی نظام موجود ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام ایسے مذاہب ہیں جو کہ دنیا کے کونے کونے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ تینوں مذاہب آفاقی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بنی نوع انسان نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی تخلیق کا مقصد جان سکے اور کائناتی اشیاء میں اپنا رتبہ متعین کر سکے۔ آرنلڈ ٹائن بی نے انسانیت کے مختلف ادوار کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا تحقیقی کام دس جلدوں میں تصنیف کیا ہے اور وہ اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

”مذہب تاریخ انسانی میں درمیان میں کھڑا نظر آتا ہے۔“

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں اور نہ ہی ان کی کتب کسی تعارف کی محتاج ہیں۔ ان کی تحریر انگریزی میں بھی وہی شیفنگی لیے ہوتی ہے جیسی شیفنگی ان کی مادری زبان عربی کی تحریر میں ہوتی ہے۔

چند ماہ پہلے شیخ احمد دیدات کی مشہور و معروف کتاب ”تقابل الادیان السماویہ“ پڑھنے کا موقع ملا۔ نام سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک قابل قدر اور علمی کتاب ہے۔ جوں جوں کتاب پڑھتا جاتا دل کے درپے کھلتے جاتے۔ میں مسلمان ہوں اور ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ ہمارا گھر انہ ایک مذہبی گھر انہ ہے لیکن ایسے دلائل کبھی سننے پڑھنے میں نہ گزرے تھے جیسے اس کتاب میں پڑھنے کے لیے ملے۔ کتاب جب اختتام کو پہنچی تو میں اسلام کے صحیح تصور سے روشناس ہو چکا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ و عقائد کیا ہیں اور اسلام کو ان پر کیا برتری حاصل ہے۔

میرے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ اس علم تقابل ادیان کی روشنی اپنے دوسرے اردو دان بھائیوں تک پہنچاؤ جو عربی سے نا بلد ہیں۔ اسی دوران مشتاق بک کارنر کے مالک محمد سلمان صاحب سے اسی کتاب کے بارے میں بات ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ کر میرے جوش و ولولے کو

اور زیادہ کر دیا:

”بھائی! دیر کس بات کی۔؟ آپ اس کتاب کا ضرور بالضرور ترجمہ کریں۔ ہم اشاعت کے لیے تیار ہیں۔“

اسی دوران شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ ”مجلس الاسلام“ کے سیکرٹری نشر و اشاعت شیخ محمد ولید عبدالرحمن القاضی کا ای میل میسر آ گیا۔ مجلس سے باقاعدہ اجازت کے بعد اس کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا اور بالآخر میں چار ماہ کے قلیل عرصہ میں اسے اردو جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ کہیں کوئی ابہام نہ رہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نظر آئے تو اس سے درگزر کریں۔ واللہ! یہ کی میری ہی طرف سے رہی ہوگی، مصنف قبلہ شیخ احمد دیدات اس سے بری الذمہ ہیں۔

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کی چند ایک مشہور و معروف کتب پر بھی کام شروع ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ! عنقریب وہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہوں گی۔ انشاء اللہ!

شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے بلند پائے کے عالم تھے۔ آپ تقابل ادیان کے عالم و معلم تھے۔ آپ نے مصر میں ”الحافظ“ یونیورسٹی قائم کی ہے۔ آپ کی قائم کردہ مجلس الاسلام علماء پر مشتمل ہے۔ آپ نے کئی علماء یہود و نصاریٰ سے مناظرے کیے اور دین اسلام کی دیگر ادیان پر فوقیت کو واضح کیا۔ چند سال پہلے (2007 میں) آپ کا وصال ہوا اور آپ کو الحافظ یونیورسٹی کے اس کمرے میں دفن کیا گیا جو آپ نے عبادت کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!



پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام

على خاتم النبیین وعلى جميع الانبياء والمرسلین

اما بعد:

الحمد لله! ثم الحمد لله! میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔! آج سے دس سال پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں مشہور تین آسمانی ادیان ”یہودیت، عیسائیت اور اسلام“ کا تقابل المل جہاں کے سامنے بصورت کتاب پیش کروں گا۔ پھر کیا تھا کہ بس کام شروع کر دیا۔ دن رات، صبح و شام، اٹھتے بیٹھتے اور اہل علم کی محافل میں بس اسی کا تذکرہ ہوتا۔ حتیٰ کہ ان دس سال کے خطبات جمعہ و عیدین میں بھی اسی موضوع پر تقاریر کیں۔ یہ موضوع دل میں رچ بس گیا کہ ہر وقت اسی کی گفتگو ہوتی اور اسی پر سوچتا۔ مطالعہ کا تو حال ہی نہ پوچھیں کہ دس سال پڑھا تو بس تینوں مذاہب کی کتب کو ہی۔

قارئین کرام! یہ کتاب میری دس سال کی سعی کا نچوڑ ہے۔ آج اس کتاب کا ابتدائیہ لکھتے ہوئے میری آنکھیں اشک بار ہیں۔ یہ آنسو اس نعمت کا تشکر ادا کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عدل و حق کے ساتھ تقابل کی توفیق مرحمت فرمائی۔

میرا دل چاہتا تھا کہ اس کا نام رکھو:

”دیگر ادیان سماویہ پر اسلام کی برتری“

لیکن میں نے سوچا کہ کہیں کوئی اس نام سے چڑکھا کر اسے تقابل کے بجائے ذاتی رائے والی کتاب نہ سمجھے۔ اس لیے میں نے اس کتاب کا نام رکھا:

”تقابل الادیان السماویہ“

”آسمانی ادیان کا تقابل“

اس کتاب کو میں نے ایک مقدمہ اور چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

مطالعہ تقابلی، مذہب کا ارتقائی اور الہامی نظریہ اور مذاہب عالم

مقدمہ:

کی تقسیم۔

حصہ نمبر 1: دین یہود اور اس کے تعلقات۔

حصہ نمبر 2: دین مسیح اور اس کے تعلقات۔

حصہ نمبر 3: دین اسلام اور اس کے تعلقات۔

حصہ نمبر 4: تینوں آسمانی ادیان کا تقابلی۔

☆☆☆

مقدمۃ الكتاب

الجزء الاول:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

مطالعة تقابل ادیان

دین اور اس کا مفہوم

دین اور مذہب میں فرق:

دین کی جمع ادیان ہے۔ عام گفتگو میں دین اور مذہب کے الفاظ ہم معنی الفاظ کے طور پر بولے جاتے ہیں۔ ”دین“ مذہب کے لئے اسلامی اصطلاح ہے اور یہ مذہب سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

دین کسے کہتے ہیں:

دین سے مراد جامع نظام زندگی اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس طرح دین ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔ اس میں تمام شعبہ ہائے زندگی، عقائد و عبادات، اخلاقی معاشرت، معیشت اور سیاسی امور شامل ہیں۔ دین کا مقصد انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح ہے۔

انبیاء کا دین:

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی دین ”دین اسلام“ کے داعی تھے۔ دوسری اقوام نے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے تاکہ اصلی ہدایت دوبارہ انسانوں تک پہنچائی جائے۔ یہ دین اپنی آخری اور تکمیلی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور آج بھی اپنی

اصل شکل میں موجود اور محفوظ ہے۔

”دین“ اطاعت و جزاء کا مجموعہ:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تالیف ”مفردات“ لکھتے ہیں:

”الطاعة والجزاء“

”دین اطاعت اور جزاء ہے۔“

اس کی تائید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع بخاری میں بیان کی ہے۔ صحیح بخاری میں

ہے:

”الدِّينُ الْجَزَاءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ“

”دین سے مراد اچھائی اور برائی کا بدلہ ہے۔“

قرآن مجید میں استعمال:

علاوہ ازیں قرآن مجید میں دین کا کلمہ غلبہ و استیلاء، اطاعت و بندگی، ضابطہ و طریقہ، نیز محاسبہ اور جزاء و سزا کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

دین کے اجزائے ترکیبی:

دین ایک کامل نظام زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

- 1: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ۔
- 2: اس حاکمیت الہی کی اطاعت و فرمانبرداری۔
- 3: ایک مکمل نظام میں فکر و عمل جو اس حاکمیت کے تابع ہو۔
- 4: جزا و سزا جو اس نظام کی اطاعت یا نافرمانی کے بدلہ میں دی جائے۔

خالص اسلامی اصطلاح:

اس طرح ”دین“ خالص قرآنی اور اسلامی اصطلاح ہے جو مذہب کی اصطلاح سے کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ الغرض دین سے مراد ایسا کامل اور جامع نظام زندگی ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرے، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اس کے قواعد و ضوابط کے مطابق زندگی بسر کرے۔ نیز اس کی اطاعت پر عزت و سرفرازی اور انعام کا امیدوار ہو، اور اس

کی اس نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ اقتدار اعلیٰ کا یہ مرتبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اسلام ہی وہ دین ہے جو اس اقتدار کی اساس پر قائم ہے۔

اسلام ایک مکمل دین:

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے درست طریقہ زندگی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 3)

”آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اسلام کو تمہارے لئے دین پسند کیا۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 99)

”بے شک اللہ کے نزدیک تو اصل دین ”دین اسلام“ ہے۔“

سورت آل عمران میں ارشاد ہے:

”وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ“

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 85)

”اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کرے گا اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔“

مطالعہ تقابلی ادیان اور اس علم کی اہمیت

تقابل ادیان کی غرض:

تقابل ادیان سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے مشہور مذاہب اور معروف ادیان کی تعلیمات کا غیر متعصبانہ تقابل اور غیر جانبدارانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز تمام مذاہب کی خوبیوں کا

کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔ تقابل ادیان سے مراد مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا ایسا ناقدانہ اور عادلانہ جائزہ ہے جس سے ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت، خوبیاں اور خامیاں پوری طرح روشن ہو جائیں۔ مطالعہ تقابل ادیان کے دوران اگر کسی دین کی خوبی سامنے آتی ہے تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔ نیز اگر کوئی خامی ہے تو اسے دلیل اور برہان سے رد کیا جائے تاکہ حق تک رسائی ممکن ہو۔ دین اسلام کی فضیلت کو دلائل عقلیہ اور اس کی حقانیت کو تاریخی شواہد سے ثابت کیا جائے تاکہ نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ اس پر شعوری ایمان لائے، اسے شرح صدر سے قبول کرے اور نتیجتاً وہ اپنی زندگیوں میں مطلوبہ پسندیدہ تبدیلیاں لائے۔

تقابل مشکل ترین کام:

ادیان کا مطالعہ اور تقابل درحقیقت ایک بہت مشکل کام ہے۔ انسان جس عقیدے اور رائے پر ایمان رکھتا ہو اس کے مخالف عقائد و آراء کے ساتھ بہت کم انصاف کر سکتا ہے۔ یہ کمزوری انسانی طبائع میں بہت عام ہے مگر خصوصیت کے ساتھ مذہبی گروہوں میں تو اس نے تعصب و تنگ نظری کی بدترین شکل اختیار کر لی ہے۔

تقابل یا تنقید:

ایک مذہب کے پیرو جب دوسرے مذاہب پر تنقید کرتے ہیں تو ہمیشہ ان کے تاریک پہلو ہی تلاش کرتے ہیں اور روشن پہلو کو یا تو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے یا اگر دیکھ بھی لیتے ہیں تو اسے دیدہ و دانستہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہبی تنقید سے ان کا مدعا دراصل حق کی تلاش نہیں ہوتا بلکہ محض اس رائے کو جسے وہ تحقیق سے پہلے اختیار کر چکے ہیں درست ثابت کرنا ان کا مدعا ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے تقابل ادیان کے تمام فوائد زائل ہو جاتے ہیں اور خود اس مذہب کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کی تائید میں یہ گمراہ کن طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر تقابل مقصد حق کی تحقیق اور اس کے احقاق کے سوا کچھ اور نہیں ہے تو یقیناً اس مقصد کے حصول کا بھی یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آدمی پہلے سے دوسرے مذاہب کے متعلق ایک مخالفانہ رائے قائم کرے اور ان کا مطالعہ صرف اس نیت سے کرے کہ ان کی خوبیوں پر پردہ ڈالنا ہے اور ان کی برائیوں کو تلاش کر کے ان سے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنی ہے۔ اس قسم کی بددیانتی اور

فریب کاری سے کسی مذہب کو نہ تو فی الحقیقت برتری کا اثبات ہوگا، نہ ایسی کامیابی کسی دین کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے اور نہ ہی نہ حق و صداقت کی نظر میں ایسے مذہب کو کوئی وقعت حاصل ہو سکتی ہے۔

اگر اس طرح دھوکا کھا کر کوئی شخص اس کی حقانیت کا معتقد ہو جائے تو یہ اعتقاد بالکل ناقابل اعتماد ہوگا کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ہوگی۔ ان مفاسد سے احتراز کر کے تقابل ادیان کی بحث کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تقابل کے چند اصول طے کر لئے جائیں اور پھر ان کی سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

تقابل ادیان کے چار اہم ترین اصول:

تقابل ادیان کے درج ذیل اصول ہونے چاہئیں:

1: ایک مذہب کی تعلیم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو کلیۃً غلط ثابت کیا جائے۔

2: یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مذہب میں حق و صداقت کے موجود ہونے سے دوسرے مذاہب میں اس کا عدم لازم آئے۔ حق ایک کلی حقیقت ہے جس کے افراد خواہ کہیں ہوں بہر حال اسی ایک کلی کے فرد رہتے ہیں۔ حال و مقام کے بدلنے سے ان کی حقیقت و اصلیت نہیں بدلتی جو حق ہمارے مذہب میں پایا جاتا ہے اس کا دوسرے مذہب میں پایا جانا دونوں میں سے کسی مذہب کے نقص کی دلیل نہیں ہے کہ اس پر خواہ مخواہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے بلکہ دراصل وہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کسی ایک مشترک چشمہ حق سے ماخوذ ہیں جس کا فیض دونوں کے پاس محفوظ رہا ہے۔ پس حق کا جتنا اور جیسا فیضان جہاں کہیں بھی موجود ہے اس کا مستحق ہے کہ اس کی قدر کی جائے نہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے بے قدر ثابت کرنے پر زور صرف کیا جائے۔

3: جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حق اس کے مذہب کے سوا کہیں اور موجود ہی نہیں ہے وہ دوسرے مذہب پر نہیں خود حق پر بھی ظلم کرتا ہے۔ حق و صداقت کی روشنی کم و بیش سب جگہ موجود ہے۔ البتہ اگر باب تحقیق جب کسی ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ میں وہ مذہب تجلیات حقیقت کا مظہر اتم ہوتا ہے۔ پس تقابل ادیان کے کسی محکم کو کبھی یہ پیشگی فیصلہ کر کے نہ بیٹھ جانا چاہئے کہ اس کے مرغوب مذہب کے سوا تمام مذاہب حق

کی روشنی سے خالی ہیں۔ اسے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سامنے حق اور باطل دونوں ملے جلے آئیں گے اور اس کا کام یہ ہوگا کہ اپنی عقل اور قوت تمیز سے کام لے کر حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور ان کو ایک دوسرے سے خلط ملط نہ ہونے دے۔

4: مذہبی تحقیقات میں اس امر کا خاص اہتمام کرنا چاہئے کہ کسی مذہب کے متعصب مخالفین اور خالی متبعین دونوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے۔ ابتدائی تحقیقات میں اس قسم کے لوگوں کی تصنیفات کے مطالعہ سے ایک ناظر کبھی صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ زیر تحقیق مذہب کے اصلی چہرے کو دیکھنے سے پہلے ہی اس کے اصلی رنگ کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ اگر اس تحقیقات کو کسی صحیح نتیجہ پر پہنچانا ہو تو یہ ضروری ہے کہ کسی مذہب کو اس حیثیت سے نہ دیکھا جائے کہ دوسرے اس کو کس شکل میں دیکھتے ہیں بلکہ اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وہ خود اپنے آپ کو کس شکل میں دکھاتا ہے۔ اس کے لئے حتی الامکان ہر مذہب کے مأخذِ اصلیہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور ان کو پڑھ کر خود اپنی عقل سے فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ مذہب کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہے۔ پھر جب آدمی خود ایک رائے قائم کر لے تو اس کے بعد دوسروں کی آراء و افکار کا مطالعہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس وقت وہ حق و باطل میں باسانی امتیاز کر سکے گا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

مطالعہ تقابلی ادیان کے فوائد:

مطالعہ تقابلی ادیان سے ہمارے مطالعہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جن سے رواداری، تحمل اور مخالف نقطہ نظر کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نیز پتہ چلتا ہے کہ مختلف مذاہب میں بعض مشترک تعلیمات پائی جاتی ہیں جو آزی اور ابدی انسانی اقدار ہیں اور فی الحقیقت یہی صداقتیں اور اقدار پائیدار ہیں جو ہر زمانے اور مذہب میں موجود رہی ہیں۔ اس طرح ہم تقابلی ادیان کے مطالعہ سے تمام مذاہب کی خوبیوں سے آشنا ہوتے ہیں اور عملاً انہیں اپنا سکتے ہیں جس سے بلند کرداری، فکری بلندی اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں مطالعہ مذاہب سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہادیان مذاہب عموماً عالی ہمت، راست گو، مستقل مزاج اور نسل انسانی کا بہترین گروہ تھا جو ہم سب کے لئے قابلِ فخر طبقہ ہے۔ اس کے برعکس ان کے مخالفین کینہ پرور، خود غرض، دنیا پرست، کم ہمت، بے صبرے اور گھٹیا کردار کے حامل تھے۔ لہذا ہمیں رذائل اخلاق سے پرہیز اور فضائل اخلاق کو اپنانا چاہئے۔

مطالعہ تقابل ادیان سے ہمیں حق و باطل کے مابین اس کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو ازل سے خیر و شر اور انسان و شیطان میں برپا ہے۔ مطالعہ مذاہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں ہادیانِ برحق آتے رہے جو نوعِ انسانی کو خالقِ حقیقی کی عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن انسانوں کی اکثریت ہمیشہ بے شمار باطل معبودوں اور فطری مناظر کے سامنے سجدہ ریز رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیوی زندگی حق و باطل کی رزم گاہ ہے اور اس میں حق پرستوں کے لئے مخالفت، ابتلاء اور آزمائش لازمی ہے۔ نیز انسانوں کی اکثریت ہمیشہ حق پر نہیں ہوتی۔

مذاہب کی تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں نہ صرف اس زمانے یا علاقے کے لوگوں کی ثقافتی اور تمدنی حیثیت کے تعین میں مدد ملتی ہے بلکہ فی الحقیقت اس عہد کے انسان کی ذہنی، علمی اور فکری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا مذہبی عقائد کی روشنی میں نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی عقائد کا تمدن اور تہذیب کے ساتھ تعلق بھی گہرا ہوتا جاتا ہے۔ پھر مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔

تقابل ادیان سے نہ صرف ہماری دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ علم و استدلال کی نئی راہ کھلتی ہے۔ ہر مذہب کا اپنا فلسفہ اور علم الکلام ہوتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے درست اور نادرست خوب اور خوب تر کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمارا دین بفضلِ تعالیٰ عقل و خرد کا دین ہے جو عقلی معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس طرح تقابل ادیان سے غیر شعوری ایمان کو شعوری اور عقائد کو مستحکم بنانے میں مدد ملتی ہے۔ نیز قوتِ استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور تنقیدی نظر کو جلا ملتی ہے۔ نیز تعصب و تنگ نظری کا خاتمہ ہوتا ہے۔

مذاہبِ عالم کے مطالعہ میں ہم ہادیانِ مذاہب کے کارناموں کا ذکر پڑھتے ہیں جو انہوں نے فلاحِ فرد اور فلاحِ انسانیت کے لئے انجام دیئے اور معلمانہ انداز سے روحانی، اخلاقی، سیاسی اور اجتماعی انقلاب برپا کرنے میں سخت مصائب اٹھائے۔ اس کے ساتھ ہی ہم گزشتہ اقوام کا کردار اور ان کے عروج و زوال کی داستانیں پڑھتے ہیں، جن کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جن اقوام نے نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کی انہوں نے فلاح و سعادت پائی اور جو قومیں ظلم، عدوان، بغاوت اور سرکشی کرتے ہوئے شیطان کی راہ پر چلیں وہ اپنی مادی قوت اور اقتصادی خوشحالی کے باوجود تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔

مطالعہ مذاہب سے ہمیں موعظت و عبرت کے اسباق ملتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ“

”دیکھو! جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔“

تقابل ادیان کے مطالعہ سے مختلف اقوام میں پھیلی ہوئی حکایات، روایات اور مذہبی کتب میں مذکور مواد میں جو غلط اجزاء شامل تھے ان میں رطب و یابس، صحیح و غلط کے امتیاز کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پیروان مذہب اپنی خوش عقیدگی اور لاعلمی سے شعوری طور پر اپنے مذاہب میں ترمیم اور اضافے کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مختلف مذاہب میں حقیقی اور افسانوی معلومات میں تمیز کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ الغرض مطالعہ تقابل ادیان متعدد فوائد کا حامل ہے۔

☆☆☆

www.OnlyOneOrThree.com

الجزء الثاني:

مذہب ارتقاء اور الہام کی نظر میں

دو نظریے

مذہب کے آغاز کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی نظریہ اور دوسرا الہامی نظریہ۔ ذیل میں ہم ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

ارتقائی نظریہ

ڈارون اور جولین ہکسلے:

ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے متاثر ہو کر مغربی محققین اور مستشرقین کی اکثریت نے مذہب کا ارتقائی نظریہ پیش کیا ہے۔ جدید ماہرین کو چونکہ ہر چیز میں ارتقاء کی کارفرمائی نظر آتی ہے لہذا انہوں نے یہ نظریہ بڑی شد و مد سے پیش کیا ہے۔

مذہب کے ارتقائی نظریہ کی رو سے انسان کی ابتداء جہالت اور گمراہی سے ہوئی۔ بعد ازیں اس نے بتدریج مشرکانہ خدا پرستی اپنائی۔ ان ارتقائی مراحل کی تفصیل میں کافی اختلاف ہے۔ مثلاً: بعض محققین کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتداء اکابر پرستی سے ہوئی جب کہ دوسروں کی رائے میں ابتداء مظاہر پرستی سے ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتداء میں اپنی کم فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی کیونکہ ابتدا میں اس کی زندگی و موت کا انحصار کافی حد تک ان پر تھا۔ مثلاً: سیلاب، طوفان، زلزلے اور آتش فشاں وغیرہ، لیکن جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیا اور جہالت دور ہوتی گئی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ مظاہر فطرت خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ ابتدا میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنالیا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد میں کمی ہونے لگی حتیٰ کہ آخر میں صرف ایک خدا رہ گیا۔

جولین بکسلے پہلا مغربی مفکر ہے جس نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو مذاہب کی تاریخ پر چسپاں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

”پہلے جادو پیدا ہوا پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لے لی۔ پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا بعد ازیں خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔“

مذہب کے ارتقائی نظریہ کے حامیوں نے انسان کے مذہبی ارتقاء کے درج ذیل مراحل بیان کئے ہیں۔ جن کی ہم قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں۔

پری انی میزم:

پری انی میزم سے مراد مظاہر پرستی سے قبل کا دور ہے یعنی لامذہبیت۔ ماہرین کا خیال ہے کہ مذہبی لحاظ سے انسان کی ابتداء گمراہی اور جہالت سے ہوئی۔ جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل نا آشنا تھا۔ اسے مذہب اور مذہبی عبادات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ بالکل سادہ زندگی گزارتا تھا اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے سوا اس کے سامنے اور کوئی مقصد حیات نہ تھا۔

انی میزم:

دوسرا مرحلہ مظاہر پرستی تھا کہ جب انسان نے مختلف مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی۔ اس کی ابتداء زمین کی پرستش سے شروع ہوئی۔ سوسائٹی کا اولین نظم اُمہاتی نظم تھا اور مرد کے مقابل عورت کو زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ چونکہ زمین جس پر انسان رہائش پذیر تھا ایک ماں کی طرح اس کی پرورش کرتی تھی۔ لہذا اول زمین کی پرستش ہوئی اور دھرتی ماتا (Mother Land) کا تصور پیدا ہوا۔

بعد ازاں جب سوسائٹی میں مرد کو فوقیت حاصل ہوئی تو ابوی نظام کو ترجیح دی جانے لگی۔ اسی لیے سورج اکثر مشرق قوموں کا دیوتا اور معبود رہا ہے اور اب بھی ہے۔ بھارت میں سورج دیوتا، مصر میں ہورس، ایرانیوں کے ہاں ”ہور“ یا ”خور“ سورج دیوتا کے مختلف نام تھے۔ سورج پرستی نے ستارہ پرستی کو بھی جنم دیا۔ جس سے علم نجوم کی بنیاد پڑی اور کائنات کی گردش کو سیاروں کی گردش سے منسلک کر دیا گیا حتیٰ کہ قسمت کو لوگ آج بھی ستارہ کہتے ہیں۔ ستاروں میں سب سے زیادہ اہمیت ”قطب ستارے“ کو حاصل تھی کیونکہ وہ آسمان کا مرکز تھا اور سارے ستارے اس کے گرد

گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصر قدیم کے دیوتا ہورس کا کہنا ہے:
 ”میں ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشیں ہوں اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری
 طاقتیں ہیں۔“

مختلف قوموں نے پہاڑوں کی بھی پرستش کی ہے اور ان کے تقدس اور پاکیزگی کے راگ
 الاپے ہیں۔ مثلاً: ہندوؤں میں کیلاش پر بت جس کی طرف بارش اور زمین کی زرخیزی کو منسوب
 کیا جاتا ہے۔

آگ کے متعلق تو ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ زمانہ قدیم سے آتش پرستوں کی معبود رہی ہے اور
 ہندوستان میں آج بھی دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ آگنی دیوتا بھی دیدوں کا معبود رہا ہے۔ قدیم
 ہند میں آریہ لوگ آگنی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ پارسی قدیم زمانے سے آتش پرست رہے
 ہیں۔ یونان کے ہر بڑے شہر میں ایک بڑا آتش کدہ ہوتا تھا جہاں دن رات آگ روشن رہتی تھی۔
 پانی کی پوجا کا تصور بھی قدیم ہے۔ آگ کے بعد پانی کی سب سے زیادہ پرستش کی گئی۔ مصر
 میں دریائے نیل کی پوجا ہوتی تھی۔ ہندوستان میں گنگا اور جمنا کے پانی کو مقدس خیال کیا جاتا تھا۔
 نیز دریائے سرسوتی کی دیوی علوم و فنون کی سرپرست خیال کی جاتی تھی۔ دریاؤں کو خوش کرنے
 کے لئے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی اور مصر میں ہر سال ایک دو شیزہ لڑکی کو دریائے نیل کی نذر
 کیا جاتا تھا۔

ہوا کو ویدک دور میں ”وابود یوتا“ کا لقب دیا گیا اور قدیم ہند میں اس کی پوجا کی گئی۔
 جنسی اعضاء بھی پوجے جاتے رہے ہیں جو انسانی گراوٹ کی انتہا ہے۔ ہندوؤں میں
 شنو کی پوجا مشہور ہے۔ ہندوستان کے علاوہ یونان، روم، مصر اور عراق بھی جنسی اعضاء کی پرستش
 کے مرکز رہے ہیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ٹوٹم ازم:

مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ انسان نے بعض جانوروں کی بھی پرستش کی ہے مثلاً: یونان میں
 سانڈ، ایران میں گھوڑا، ہندوستان و مصر میں گائے کی پرستش ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہندوستان
 میں تقدس سے گائے کو ”گائے ماتا“ کہا جاتا ہے۔ بلکہ ہندوؤں نے تو ہر جانور کی پرستش کی
 ہے۔ جن میں بچھو، سانپ، کھجوا، ہاتھی اور حشرات الارض شامل ہیں۔ شمالی امریکہ میں حیوان پرستی

کو ٹوٹم پرستی کہا جاتا ہے۔ قدیم چین اور جاپان میں بھی حیوان پرستی رائج رہی ہے۔

اکابر پرستی:

اس کے بعد کا دور اجداد پرستی یا اکابر پرستی کا دور کہلاتا ہے۔ اس کا سبب انسان کا یہ تجسس تھا کہ موت کیا چیز ہے؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے خیال کیا کہ شاید مرنے والوں کو وفات کے بعد اگلے جہان میں آرائش و زیبائش اور دوسری ضروریات زندگی کی ضرورت ہوتی ہوگی لہذا اس نے ضروریات زندگی کو بھی مردوں کے ساتھ دفن کرنا شروع کر دیا۔ پھر اسے خیال ہوا کہ اگر ہم نے مردوں کی چھوڑی ہوئی اشیاء کو استعمال کیا تو وہ کہیں ناراض ہو کر ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ خوف اور اعزاز کی محبت اکابر پرستی کا سبب بنی اور لوگوں نے اپنے اکابرین، بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کے لئے مقدس اور خود ساختہ عبادات اور مراسم کا نظام قائم کیا۔ غرضیکہ دنیا کے ہر خطے میں کسی نہ کسی شکل میں اکابر پرستی کا رواج رہا ہے۔

فرضی دیوتاؤں کی پرستش:

پانچواں دور غیر مرنے والوں اور خود ساختہ اور موہوم دیوتاؤں کا دور ہے۔ یونان، روم، مصر، ایران اور عراق میں کئی فرضی خدا اور موہوم دیوتا گھڑ لئے گئے اور ان کی پوجا ہونے لگی۔ عرب جاہلیت میں ایسے دیوتاؤں کی کمی نہ تھی۔ ان فرضی دیوتاؤں کو بعض صفات سے متصف کیا گیا اور بعض کو تو ہر لحاظ سے کامل معبود کا درجہ دیا گیا۔ اس لئے اس دور کو مغربی مفکرین توحید کا ناقص دور بھی کہتے ہیں۔

توحید الہی کا دور:

انسان مظاہر پرستی، اکابر پرستی اور شرک پرستی سے ہوتا ہوا آخر خالص توحید کی منزل تک پہنچتا ہے۔ اسلام نے توحید الہی کا کھرا، صاف ستھرا اور بے لاگ تصور پیش کیا ہے اور یہ انسانیت کی بلوغت کا اعلان ہے۔ بقول مولانا محمد علی جوہر مرحوم:

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا

تو زندگی کے لئے آخری پیام آیا

مغربی مفکرین کے ارتقائی نظریے کے مطابق انسان نے اپنی ابتداء جہالت، لاعلمی اور

گمراہی سے کی تھی۔ پھر انسان مختلف مراحل طے کرتا ہوا توحید خالص تک پہنچا تھا لیکن اب دنیا پر دہریت اور لامذہبیت کی طرف رواں دواں نظر آتی ہے۔ سوشلزم، کمیونزم اور نیچریت اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ انسان آخر کار اپنی کم فہمی، کوتاہی اور کم عقلی کے باعث پھر عملاً جاہلیت کی طرف لوٹ آیا ہے، جہاں سے اس نے اپنے مذہبی سفر کا آغاز کیا تھا۔

مذہب کا الہامی نظریہ

روز اول سے حق شناسی:

الہامی اور ارتقائی دونوں نظریات آپس میں متصادم ہیں۔ مذہب کا الہامی نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس دنیا میں بھیجا تو اول روز سے ہی ان کی تمام مادی ضروریات کی طرح ان کی روحانی ضروریات یعنی دینی ہدایت کا بھی سامان کیا۔

انسان اول معلم توحید الہی:

اس طرح انسان اول پوری طرح ہدایت یافتہ تھا۔ وہ نہ صرف توحید پرست تھا بلکہ توحید الہی کا پیغامبر تھا۔ اس نظریے کی رو سے ابتدائے آفرینش سے انسان کا اصلی مذہب توحید رہا ہے۔ شرک اس وقت پیدا ہوا جب انسانی آبادی میں اضافہ اور پھیلاؤ ہوا اور انبیاء کی تعلیم دھندلی پڑ گئی۔

بعثت انبیاء:

انسانیت کو صراطِ مستقیم اور توحید خالص سکھانے کے لئے وقفے وقفے سے ہر زمانے اور ہر قوم کی طرف رسول بھیجے گئے۔

نظریہ ارتقاء کا ابطال:

اس اعتبار سے توحید قدیم اور شرک جدید ہے۔ یہی بات ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ تاریخ خود اس نظریے کا ابطال کرتی ہے۔ مسیح علیہ السلام سے ڈھائی ہزار برس قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام خالص توحید کے پرستار تھے اور مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس بعد آج بھی نوع انسانی میں کروڑوں آدمی شرک کے پرستار ہیں۔

تین بڑے مذاہب:

اس وقت دنیا میں جو بڑے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت اور اسلام پائے جاتے ہیں، ان کے داعی اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغمبر تھے۔ ان کی تعلیمات جزوی فرق سے خالص توحید پر مبنی تھیں۔ بعد ازاں عیسائیت اور یہودیت کے پیروکاروں نے اپنے مذاہب میں من مانی ترامیم اور تحریفات کر لیں۔

ارتقائی نظریہ کی بنیاد کنی اور مغربی مفکرین:

علم اور انسان کی جدید تحقیق سے اکثر مغربی مفکرین بھی اب ارتقائی نظریہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور الہامی نظریہ کو ماننے لگے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شٹ نے اپنی کتاب The Origin and Growth of Religion میں لکھا ہے:

”علم شعوب و قبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ نشوونما کی کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جو ان مذاہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا۔ اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔“

(The Origin and Growth of Religion، صفحہ 242)

بھولے بسرے نظریے:

الغرض ڈارون کا نظریہ ارتقاء اب ایک بھولا بسر نظریہ ہے اور مذاہب کے ارتقاء کے بارے میں جو لین بکسلے اور دیگر مغربی مفکرین کے نظریات بے وزن، بے سرو پا اور بے حقیقت ہیں۔ جدید تحقیقات نے اس کا مکمل ابطال کر دیا ہے۔



الجزء الثالث:

مذہب عالم بنیادی اور نسلی تقسیم کی نظر میں

مذہب کی بنیادی اقسام

بنیادی طور پر مذہب کی دو اقسام ہیں:

1: سامی مذہب

2: غیر سامی مذہب

مذہب کی نسلی تقسیم

نسلی بنیاد پر موجودہ عالمی مذہب تین نسلی گروہوں میں منقسم ہیں:

1: سامی مذہب

2: آریائی مذہب

3: منگول مذہب

ان نسلوں کی آبادی کے لحاظ سے وہ مختلف جغرافیائی خطوں میں پائے جاتے ہیں ان کی قدرے تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

سامی مذہب:

ان میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت داخل ہیں لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ان مذہب اور خصوصاً اسلام کا عقیدہ صرف سامی نسل کے لوگوں تک محدود رہا یا سامی نسل کی برتری پر مبنی ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے:

”انما المؤمنون اخوة“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 27، سورۃ الحجرات)

”مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”لَيْسَ لِلْعَرَبِيِّ فَضْلٌ“ عَلَى الْعَجَمِيِّ وَلَا لِلْعَجَمِيِّ فَضْلٌ عَلَى الْعَرَبِيِّ كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ“

(اصح البخاری)

”کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔“

اسلام کی تعلیم سامی نسل کی تخصیص یا برتری کے بجائے اصول مساوات کی آئینہ دار ہے۔ ان مذاہب کے سامی النسل ہونے کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ اس کا آغاز سامی اقوام میں ہوا۔ ورنہ! یہ تینوں سامی مذاہب آج عالمگیر اور دنیا کے ہر براعظم میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے عیسائیت اور اسلام دنیا کے ہر حصے میں آج بھی زبردست سیاسی طاقت ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا پر حکمران ہیں۔ اس طرح نسل انسانی کی تاریخ کے اہم اور بنیادی دور میں صرف سامی نسل ہی دنیا کی قیادت کرتی رہی ہے۔ اس عالمی قیادت کے نیچے اثر کر بھی یہ بات نمایاں ہے کہ غیر سامی اقوام سامی اقوام کے برخلاف کبھی اپنے مرکز سے باہر نمایاں اور با اثر نہیں رہیں۔ مشرق وسطیٰ کے علاقے یا افریقہ، یورپ اور نئی دنیا کے کسی علاقے میں کبھی ان کی عملداری نہیں رہی۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

آریائی مذاہب:

ان مذاہب میں ہندومت، جین مت، زرتشتی اور سکھ مت شامل ہیں۔ بعض لوگ بدھ مذہب کو بھی آریائی سمجھتے ہیں لیکن یہ امر نزاعی ہے کیونکہ ساکھیا منی (گوتم بدھ) جس علاقہ کے رہنے والے تھے وہ تاریخی طور پر کبھی آریہ کا حصہ نہیں رہا اور نہ اس علاقے کے لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ منگولی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ نیپال اور اس کا زیریں علاقہ سرحدی ہے۔ اس لئے آریائی نسل اور تہذیب کے اثرات بھی اس سنگم میں پائے جاتے ہیں لیکن نسلی، ثقافتی اور مذہبی حیثیت سے منگولی نسل اور چینی تہذیب و ثقافت کے اثرات بھی آریائی نسل اور ہندو ثقافت کے اثرات پر غالب ہیں۔ محض اس ایک وجہ سے بدھ مذہب کے آریائی ہونے کی تردید ہوتی ہے لیکن اور بھی دیگر قومی قرآن اس کی تائید کرتے ہیں کہ بدھ مت آریائی نہیں بلکہ

منگولی ہے۔ چنانچہ بدھ مت کے موجودہ پیروؤں کی تعداد کا بیشتر حصہ منگولی نسل اور وطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ محض کوئی اتفاق نہیں کہ بدھ مت اپنی توسیع کے دور میں شمال میں بھوٹان، نیپال، تبت و چین اور مشرق میں جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک برما، سیام، جزیرہ نمائے ملایا اور انڈونیشیا میں پھیلا جو منگول نسل کے علاقے ہیں۔

منگولی مذاہب:

ان مذاہب میں کنفیوٹی مت، تاؤ مت، اسلاف پرستی، شننومت اور اغلباً بدھ مت بھی داخل ہے۔ یہ سب کے سب مذاہب آریائی مذاہب ہی کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ اشکال ہیں اور باہم ایک دوسرے کا متمہ و ضمیمہ ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کا مجموعہ عقائد موجودہ دور کے معاشرہ کی ہمہ جہتی اور مکمل ضروریات کا کفیل ہو سکے۔ دراصل یہ سارے منگول مذاہب ایک مشترکہ خاندان ہے جس کا ابوالعالمہ خاندان ”کنفیوٹی مت“ اور جس کا مرشد یاروحانی گرو ”تاؤ مت“ ہے۔

الہامی و غیر الہامی مذاہب

الہامی اور غیر الہامی میں فرق:

مذاہب عالم کو الہامی اور غیر الہامی میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ الہامی سے مراد وہ ادیان ہیں جو خدا، اس کے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیر الہامی سے مراد وہ ہیں جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو خدائے وحدہ لا شریک کی معین ہدایت کے تابع نہیں سمجھتے۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام، جبکہ غیر الہامی میں بقیہ مذاہب آتے ہیں۔ الہامی مذاہب سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر الہامی مذاہب کاسامی نسل سے کوئی تعلق نہیں۔

الہامی و غیر الہامی مذاہب کا تقابل:

- 1: الہامی مذاہب اصلاً ایک خدا کے تصور پر مبنی ہیں جبکہ غیر الہامی اس کے پابند نہیں۔ یہاں تک کہ بعض سرے سے خدا کے تصور سے بھی عاری ہیں۔
- 2: الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں، غیر الہامی نہیں۔

3: الہامی مذاہب کا اصل منبع و سرچشمہ سماوی ہیں، غیر الہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں۔

4: الہامی مذاہب سبھی مشرق وسطیٰ کے ایک محدود خطے میں پیدا ہوئے لیکن غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے۔

5: الہامی مذاہب سامی اقوام کے تاریخی حلقہ اثر میں پیدا ہوئے لیکن باہر بھی پھیلے مگر غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے اور کبھی الہامی مذاہب کے دائرہ اثر میں شائع نہیں ہوئے۔

6: الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں اور غیر الہامی اپنی اصلی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

7: الہامی مذاہب کی تعلیمات معین اور واضح ہیں۔ لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات غیر معین اور چکدار ہیں۔

8: الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی ہیں اور اپنی اصل کی بنا پر دینی اور دنیوی زندگی پر کم و بیش حاوی ہیں، لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات جزوی ہیں یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق ہیں جیسے تاؤ مت یا پھر دنیوی زندگی سے متعلق ہیں جیسے کنفیوشس مت۔

تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہب

چھ بڑے مذاہب:

مذاہب کی اس اصولی تقسیم میں سر تھامس آرنلڈ اپنی کتاب ”دعوت اسلام“ میں لکھتے ہیں: ”پروفیسر میکس ملر نے مسیحی مشعوں کی دعا کے جلسے میں (جو دسمبر 1973ء میں ویسٹ منسٹر ایسی میں منعقد ہوا تھا) لیکچر دیا۔ جس میں انہوں نے کہا: ”دنیا کے چھ بڑے مذاہب تبلیغی اور غیر تبلیغی مذاہبوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ قسم آخر میں یہودی، براہمنی اور زرتشتی مذاہب داخل ہیں۔ قسم اول میں بدھ مت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔“

نوٹ: یہ تقسیم قابل قبول نہیں کیونکہ اگر اس تقسیم کی بنیاد متعلقہ مذاہب کی تعلیمات ہیں تو یہ غلط ہے۔ بدھ مذہب اپنی تعلیمات اور عیسائیت انجیل کی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

چنانچہ شواہد سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عیسائیت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خود انجیل کی شہادت یہ ہے:

”عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش کے لئے آیا ہوں۔“

نیز اپنے حواریوں سے فرمایا:

”تم غیر قوموں کے پاس نہ جانا اور نہ سامریوں کے شہر میں داخل ہونا بلکہ پہلے بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف جانا۔“

کنعان سے ایک عورت اپنی قوم کے لیے ہدایت طلب کرتی ہوئی مسیح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے تو آپ انکار کرتے اور فرماتے ہیں کہ ”یہ ٹھیک نہیں کہ بچوں کی روٹی لے کر کتوں کے آگے ڈال دی جائے۔“

بدھ مت:

بدھ مت کی تعلیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی بدھ مت تبلیغی نہ تھا۔ البتہ تیسری کنسل کے بعد مہاراجہ اشوک کے عہد میں جب بیرونی ممالک میں مشینری بھیجی گئی تو پھر اس نے عملاً تبلیغی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی اور اسی لحاظ سے اس کو تبلیغی سمجھا جانے لگا۔

الغرض عیسائیت اور بدھ مت کی ابتدائی تاریخ کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مذاہب تبلیغی نہیں، لیکن اگر اس تقسیم کی بنیاد متعلقہ مذاہب کی تعلیم اور ابتدائی تاریخ کی بجائے پیروان مذاہب کا عملی رویہ ہے تو پھر دنیا کے تمام مذاہب آج کل کم و بیش تبلیغی ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

حصہ نمبر: ۱

دین یہود

پس منظر، تعارف، بانی، کتاب، عقائد، اہم ترین معلومات اور حقائق

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

مذہب یہود کا ابتدائی تعارف

بنی اسرائیل اور یہود

عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔ آگے اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عیسوا اور دوسرے چھوٹے کا نام یعقوب تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کا دوسرا نام اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل ہی بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے سب سے بڑے کا نام یہودا تھا اور سب سے چھوٹے کا نام بن یامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصے کا نام یہودیہ پڑ گیا۔ یہودا کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ لفظ یہود و بنی اسرائیل ایک ہی نسل کے لئے استعمال ہونے لگے۔ بعد ازیں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔

خالص توحیدی مذہب

یہودی مذہب کو عقیدہ توحید کی ایک خالص صورت کہا جاتا ہے۔ یہودی مذہب عرصہ دراز سے ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کی فکر اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ وہ مذہب ہے جس کی تلقین ابتداء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی۔ یہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں سب سے قدیم مذہب ہے۔ کہا جاتا ہے:

”یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب ”اسلام اور عیسائیت“ کا پیشرو ہے جو کرۂ ارض کے بیشتر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دارومدار ہے۔“

ابراہیم اے نیومن کتاب:

”The Great Religions of the Modern World“ کے صفحہ

نمبر 224 میں یہودیت پر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

”یہودیت ایک ایسا مذہب ہے جس پر ایک چھوٹی قوم (یہودی قوم) اعتقاد رکھتی ہے جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے اپنی عددی ترقی کی انتہا پر تھی۔ ان کی تعداد ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور اب گھٹ کر ایک کروڑ یا ایک کروڑ دس لاکھ ہو گئی ہے جو ایک مجنون ٹولی کا نتیجہ ہے جو اس مذہب اور یہودی قوم کا کامل صفایا کرنا چاہتی تھی۔“

دین یہود کی تعریف

1: انسائیکلو پیڈیا آف ریجز اینڈ آئیٹھیکس کا مقالہ نگار اپنے مقالہ کی جلد نمبر 1، صفحہ

نمبر 581 پر لکھتا ہے:

”یہودیت کی کوئی معین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کس چیز کا اقرار ضروری ہے۔ تاہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے۔ خدا کی واحدانیت اور بنی اسرائیل کا پسندیدہ اور محبوب امت ہونا۔ یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا (شرک) کو مسترد کرتی ہے۔ وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے۔“

2: اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کے مقالہ نگار کی رائے یہ ہے:

”یہودیت کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو توحید خالص پر اعتقاد رکھتا اور اس عقیدہ کے زندگی پر عملی اثر کو تسلیم کرتا ہے۔“

(انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 105)

3: انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”مذہب یہودیت عالم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اچھی جگہ ہے۔ انسان تکمیل ذات کا اہل اور اپنے ارادے کا مختار ہے۔ اس لئے وہ اپنے افعال کا جواب دہ ہے۔ وہ کسی درمیانی واسطے نیز بدی کی طاقت کا بھی منکر ہے۔ یہودی مذہب کہتا ہے کہ انسان آزاد ہے۔ وہ شیطان کا تابع نہیں اور زندگی کی مادی نعمتیں بذات خود بدی نہیں۔ اس لئے دولت ایک نعمت بھی ہو سکتی ہے اور لعنت بھی۔ انسان خدا کی

صورت پر بنایا گیا ہے اس لئے وہ دیگر خدائی تخلیقات سے معزز اور محترم ہے۔ نیز اسی وجہ سے تمام انسان مثالی طور پر بھائی بھائی ہیں کیونکہ وہ ابتداء (ازل) میں متحد تھے، وہ ابد میں بھی باہم متحد ہو جائیں گے اور اسرائیل کی مدد سے آسمانی بادشاہت میں ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ یہودی مذہب کا منصب یہ ہے کہ وہ سارے عالم میں امن اور مفاہمت پھیلانے۔ اگرچہ یہودی مذہب میں تبلیغ مذہب کا دروازہ کھلا ہوا ہے تاہم اس میں قربانی ذات کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس کے باعث وہ اب غیر تبلیغی مذہب ہو گیا اور دنیا کی اقلیت کا مذہب ہے۔“

(انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 105)

جامع ترین تعریف

الغرض یہودیت کی اساس انتہائی قدیم مذہبی عقائد پر ہے۔ موجودہ مذاہب میں سب سے پرانا مذہب یہی ہے۔ اس مذہب پر ایک چھوٹی سی قوم کا اعتقاد ہے جو اسی مناسبت سے یہودی کہلاتی ہے۔ یہودیت کی کوئی معین تعریف مشکل ہے کیونکہ اس مذہب کے کم سے کم عقائد کا تعین نہیں کیا جاسکتا جو یہودی بننے کے لئے ضروری ہیں۔ البتہ! یہودیت کی صحیح ترین تعریف یہ ہے: ”یہودیت وہ مذہب ہے جس میں ایک خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ایک نسل کی برتری و عظمت کا عقیدہ بھی داخل دین ہے۔“

اس طرح اس مذہب کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

- 1: خدا کی واحدانیت۔
- 2: بنی اسرائیل کی فضیلت۔

تعلیمات کے دو ماخذ

انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”یہودی مذہب کی تعلیمات اور قانون کے دو حصے ہیں:

- 1: تحریری قانون۔
- 2: زبانی قانون۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وادی سینا میں جس قانون کا الہام ہوا تھا اس کے احکامات پورے طور پر واضح نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور پر چالیس دن تک مقیم رہے اور اس حالت میں ان کو ہدایات ملتی رہیں جو تحریری (مکتوبی) قانون کی تشریح ہیں۔ یہ زبانی قانون کی تشریح ہیں اور ان کو وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام پر عطا شدہ قانون کہا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ زبانی قانون بعد کے مذہبی رہنماؤں کی من گھڑت باتیں ہیں اور کسی حد تک یہ قول صحیح ہے، کیونکہ واقعتاً زبانی قانون کا بڑا حصہ قدیم یہودی روایات ہیں، جن کا ایک حصہ بلاشبہ سامی یہودیوں نے سامی نسل کے مشترکہ رسوم و قانون سے حاصل کیا تھا۔“

(انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 166)

مذہب کی تاریخ میں یہودیت کو خاص اہمیت اس لئے بھی حاصل ہے کہ یہی وہ قدیم ترین زندہ مذہب ہے جس کے ذریعے دنیا خدائے واحد سے آشنا ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی دین توحید اور دین حنیف کی تبلیغ کی۔ ختنہ کا رواج بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا جو بعد ازاں یہودی مذہب کا شعار قرار پایا۔



دین یہودی ارتقائی منازل

آبائی وطن

بنی اسرائیل سامی الاصل تھے۔ ان کا اصلی وطن کیا تھا اس کے متعلق ماہرین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کا خیال یہ ہے کہ عراق ہی ان کا قدیم مسکن رہا ہوگا۔ اسرائیلیوں کے جد امجد بابل کے ایک شہر ”ار“ کے رہنے والے تھے۔ مشہور مؤرخ ای ای کیلٹ کا کہنا ہے کہ اسرائیلیوں کے مصری آثار سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ یہودی فلسطین میں یوشع کی فتح سے پہلے بھی آباد تھے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہودی دریائے فرات کے ساحلی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد قدیم زمانے میں فرات کے اس پار رہتے تھے۔

مصر میں رہائش اور بادشاہت

دوسری ہزارویں قبل مسیح میں یہودی عراق سے شام اور فلسطین کے علاقوں میں پھیل گئے۔ انہوں نے بادیانہ (صحرائی) زندگی کو خیر باد کہہ کر یہاں سکونت اختیار کر لی۔ پھر یہ لوگ مصر بھی جا پہنچے۔ عہد نامہ عتیق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لے گئے۔ جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر اثر مصر میں اسرائیلی باقاعدہ طور پر آباد ہو گئے۔

یہاں انہیں مصری ثقافت سے واسطہ پڑا۔ انہوں نے گلہ بانی جوان کا آبائی پیشہ تھ ترک کر دیا اور زراعت کو اپنالیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی قبل مسیح میں وہ مصر کے حکمران بن گئے۔

بادشاہت سے غلامی کا سفر

سولہویں صدی کے وسط تک عنان حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے بعد وہ مصریوں کے غلام ہو گئے۔ اس زمانہ میں انہیں جو رستم کا نشانہ بنایا گیا۔

آزادی اور حصول حکومت

چودھویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں مصریوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں انہیں اپنی عیاریوں، بد اعمالیوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وہ ایک طویل عرصہ تک بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل فلسطین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے خصوصاً پہلے تین بادشاہوں ”صالح، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان“ کے زمانے میں اسرائیلیوں کا ڈنکا بجاتا رہا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور دو حکومتوں کی بنیاد

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں یروشلم کا مشہور ہیکل تیار ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کا اتحاد ختم ہو گیا اور ان میں تشت و انتشار نے راہ پالی۔ ان کی حکومت دو حصوں میں

بٹ گئی۔ شمالی حکومت جو اسرائیلی کہلاتی ہے۔ اس کا دارالسلطنت ساریہ تھا۔ دوسری حکومت جس کا پایہ تخت یروشلم بنا یہودا کے نام سے معرض وجود میں آئی۔

بخت نصر اور اسرائیلی

اول الذکر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ 722 قبل مسیح میں آشوریوں نے اس کو اس طرح سے ختم کر دیا کہ آج اس کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ یروشلم کی حکومت البتہ ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ چلی۔ اس کو مشہور بابلی بادشاہ بخت نصر نے جہاں کر دیا۔ یہودیوں کی مقدس کتابیں اور یہیکل بھی تباہی سے نہ بچ سکے۔ بخت نصر اپنے ساتھ یہودیوں کو یروشلم سے بابل لے گیا۔ اس زمانے میں اسرائیلی مظالم کا تختہ مشق بنے رہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

بنی اسرائیل ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں کے زیر نگیں

یروشلم کی تباہی کے ستالیس سال بعد خود بابل ایرانیوں کے زیر نگیں آ گیا۔ جن کا رویہ یہودیوں کے ساتھ قدرے بہتر اور ہمدردانہ تھا۔ ایرانیوں نے انہیں یروشلم جانے کی اجازت دے دی۔ اسکندر اعظم کے زمانے تک ایرانی اقتدار قائم رہا۔ اس کے بعد اسرائیلی متحدہ یونانی حکومتوں کے زیر نگیں رہے۔ یونانیوں نے یہودی مذہب کو ختم کر دینے کی کوشش کی جس کا رد عمل اسرائیلیوں پر بہت شدید ہوا۔ انہوں نے یونانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور نتیجتاً وہ ایک یہودی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس حکومت نے مذہب سے کوئی دلچسپی نہ لی جس کی وجہ سے عوام بہت جلد اس نئی حکومت سے بیزار ہو گئے اور انہوں نے اعلانیہ حکومت کی مخالفت کی۔ بغاوت کو کچلنے کے لئے یہودی حکومت نے رومیوں سے مدد مانگی۔ رومی مدد دینے کے بہانے فلسطین پر قابض ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ رومیوں کا رویہ نہایت جاہلانہ تھا۔ 70ء میں رومی حکمران ٹائٹس (Titus) نے یروشلم کو مسمار کر دیا۔ رومیوں کے قبضہ کے ساتھ ہی یہودیوں کی طویل غلامی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پندرہویں صدی میں یہودیوں پر ہونے والے مظالم

پندرہویں صدی سے یہودیوں پر عیسائیوں کے مظالم نے شدت اختیار کر لی۔ بالخصوص اسپین اور پرتگال میں ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ بے شمار یہودیوں کو زندہ جلادیا گیا۔

1492ء میں اسپین کے فرڈیننڈ اور اسیلا (Isabella) نے حکم نافذ کیا کہ تمام اسپینی یہود عیسائیت قبول کر لیں ورنہ چار ماہ بعد انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا اور ان کا تمام قیمتی مال ضبط کر لیا جائے گا۔ ان میں سے اکثریت نے عیسائیت قبول کر لینے میں ہی عافیت سمجھی اور جو لوگ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے تو ان میں سے ایک باری اکثریت راستے کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکی اور موت کا شکار ہو گئی۔

اس کے تین سال بعد 1495ء میں پرتگال کے بادشاہ امانوئل (Emanuel) نے بھی یہودیوں کو ملک بدر کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ چودہ سال تک بچوں کے لئے عیسائیت قبول کرنا لازمی قرار دیا۔ یہودیوں نے اس حکم کا زبردست مقابلہ کیا۔ ماؤں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کو کنوؤں میں پھینکنا گوارا کر لیا لیکن انہیں عیسائی بننے نہ دیا۔ فرانس میں البتہ یہودیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہیں کیا گیا بلکہ نیولین نے ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا اور ان یہودیوں کی تنظیم بھی اس نے کی۔ دیگر ممالک میں جہاں پرتگال اور اسپین کی طرح بھیانک سلوک تو نہیں کیا گیا لیکن سماجی اور معاشی مقاطعہ سے ان یہودیوں کو دو چار ہونا پڑا۔

مخالفت الگ قومیت کی بقاء کا سبب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے علمبرداروں اور اسلام پر تکیہ سے پھیلنے کا الزام لگانے والوں نے جو سلوک یہودیوں کے ساتھ روا رکھا اس سے یہودیوں کو من حیث القوم بہت فائدہ پہنچا کہ ان کی ایک جداگانہ حیثیت باقی رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہود دیگر اقوام میں خود بخود ضم ہو گئے ہوتے۔ جس طرح آسوریوں نے ساریہ کی حکومت ختم کرنے کے بعد یہودیوں کو اس طرح ملا لیا کہ ان کا نام و نشان بھی نہیں ملا۔

تحریک زیونزم

عیسائیوں کے ظلم و ستم نے یہود کے دلوں میں حصول آزادی کی لگن ہمیشہ باقی رکھی۔ وہ اپنے اس طویل غلامی کے زمانے میں آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر اہم جدوجہد کرتے رہے۔ ان کی زبردست تحریک انیسویں صدی کے آخر میں شروع کی گئی جو زیونزم (Zionism) کہلاتی ہے۔ اس تحریک کا روح رواں ایک وٹسی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل (Dr. Theodore Herzl)

نامی ایک شخص تھا جس نے اپنی تصنیف ”یہودی ریاست“ (The Jewish State) کے ذریعے پوری دنیا کے یہودیوں میں جوش و خروش پیدا کر دیا۔

پہلی جنگ عظیم اور جرمنی کے مظالم

پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودی پھر ظلم و ستم کے نشانہ بنائے گئے اور ان کو جلا وطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ بالخصوص جرمنی سے ان کو بالکل نکال دیا گیا اور ان کو رہنے کے لئے زمین کا کوئی چپہ دستیاب نہ ہو سکا حتیٰ کہ وہ اپنے بحری جہازوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

ملک اسرائیل کا قیام

مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے یورپی طاقتوں نے سازش کے ذریعہ فلسطین پر اسرائیلی حکومت قائم کر دی۔ یہ واقعہ 1948ء کا ہے۔

☆☆☆

قدیم دین یہود

(یہود کے قدیم دیوتا مقدس کتب اور تاریخ کی روشنی میں)

بنی اسرائیل کی اقامت پذیری اور مشرکانہ عقائد

خانہ بدوشانہ زندگی:

یہودی عبرانی نسل کے علمبردار ہیں۔ ان کا تعلق عہد قدیم میں سامی اقوام سے تھا۔ تاریخ کے بعض عالم ان کا قدیم وطن عراق کو قرار دیتے ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہودی قدیم زمانے سے ہی فلسطین میں آباد تھے۔ دو ہزار سال قبل مسیح وہ شام و فلسطین کے علاوہ مصر میں جا پہنچے۔ ان کی زندگی خانہ بدوشانہ تھی۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک گھومتے پھرتے تھے۔

بیشتر آبادی مصر میں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل ان کی بیشتر آبادی مصر میں ہی تھی۔ اسرائیلیوں

کے مصری آثار اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ وہ ابتداءً دریائے فرات کے آس پاس آباد تھے۔ اس لحاظ سے مؤرخین کا یہ نظریہ بھی کسی حد تک درست ہے کہ یہودیوں کا اصل وطن دریائے فرات کا قرب وجوار تھا۔

مصری عقائد:

یہودی عبرانی نسل سے متعلق تھے۔ اس لئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہودیوں کے مذہبی عقائد اکثر و بیشتر عبرانی ہی تھے۔ ابتدا میں ان کا مذہب نہایت سادہ تھا۔ البتہ! عرصہ دراز تک مصر میں مقیم رہنے کی وجہ سے انہوں نے مصری عقائد کو اختیار کر لیا تھا۔

ابتدائی عبرانی نسل:

ابتدا میں عبرانی نسل مظاہر پرست تھی اور دنیا کے تمام قدیم مذاہب کی طرح یہ لوگ بھی مظاہر فطرت (چاند، سورج، ستارے اور پہاڑ وغیرہ) کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انہی مظاہر نے رفتہ رفتہ بت پرستی کی صورت اختیار کر لی۔

کثرت پرستی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل یہودیوں کا مذہب کثرت پرستی پر مبنی تھا۔ وہ لاتعداد معبودوں کے پرستار تھے جنہیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- 1: خاندانی دیوتا۔
- 2: حجر پرستی۔
- 3: قومی دیوتا۔

خاندانی دیوتا

الگ الگ خاندان کا الگ الگ دیوتا:

ہر خاندان اپنا الگ دیوتا رکھتا تھا۔ یہ دیوتا مورتیوں کی صورت میں تھے جن کی جسامت عام طور پر اتنی ہوتی کہ نقل مکانی کی صورت میں انہیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جایا جاسکے۔

قبر پرستی:

یہودی قبر پرستی پر یقین رکھتے تھے، لیکن جب انہیں اس سلسلے میں مشکلات پیش آئیں تو

انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی ان ہی قبروں کو مورتیوں یا بتوں میں بدل لیا۔ اس طرح ہر خاندان کے الگ الگ دیوتا بن گئے۔ پھر خاندان کی خوشحالی کا دار و مدار ان ہی دیوتاؤں کی خوشنودی پر سمجھا جانے لگا۔ ان بتوں کو ”تراختم“ کا نام دیا جاتا تھا۔ قومی زندگی میں ان بتوں کا کوئی دخل نہ تھا۔ خاندان کے سربراہ ان بتوں کے پروہت تھے۔ خاندان میں جب بھی کوئی مشکل آپڑتی تو ان پروہتوں سے اس مشکل کے حل کے لئے مشورے طلب کئے جاتے اور بتوں کے لئے قربانی کی جاتی۔

حجر پرستی

سامی اقوام اور حجر پرستی:

سامی اقوام میں حجر پرستی کا دستور شروع سے ہی رہا تھا۔ ان کے ہاں پتھر نہایت مقدس سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان ہی پتھروں سے ان کے معبود تراشے جاتے۔ چنانچہ انبیائے بنی اسرائیل کے جدا مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آذر بھی بت تراش تھا۔

قربانیاں اور پتھر:

بتوں کے لئے جو قربانیاں دی جاتیں ان میں بھی پتھروں کا کردار بڑا اہم تھا۔ قربان گاہ کے لئے یہ پتھر نشان کا بھی کام دیتے اور قربانی سے پیشتر ایک پتھر ضرور کھڑا کیا جاتا۔ یہ پتھر جس مخصوص جگہ پر رکھے جاتے اسے ”بیت ایل“ کہا جاتا۔ ”بیت ایل“ درحقیقت عبادت گاہ تھی۔ جہاں اس قسم کی مذہبی رسوم انجام دی جاتی تھیں۔

پتھر پرست درخت پرست:

ان مقدس پتھروں کا تعلق کچھ مخصوص درختوں سے بھی تھا اور یوں اس دور کا مذہب شجر پرستی سے بھی متعلق تھا۔

قومی دیوتا

دو کنعانی دیوتا:

قدیم یہودیوں میں ان خاندانی دیوتاؤں، شجر پرستی اور حجر پرستی وغیرہ کے علاوہ کچھ قومی دیوتا

بھی تھے۔ ان کی تفصیل کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ اس لئے کہ جب یہودی توحید کی طرف مائل ہو گئے تو تمام دیوتاؤں کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ البتہ! جب قدیم قوم یہود نے کنعان پر غلبہ پالیا تو کنعانیوں کے دو دیوتا ان کے مقابلہ میں شامل ہو گئے۔ یہ دیوتا بعل اور مولک نام رکھتے تھے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

بعل دیوتا:

بعل کنعانیوں کے ہاں قنیسیفیوں کی طرف سے آیا تھا اور یہ ان کا اپنا دیوتا نہ تھا۔ ان کے ہاں بعل کی حیثیت زرخیزی کے دیوتا کی تھی۔ ہر شہر کا الگ بعل تھا۔ بعل کے علاوہ کچھ دیویاں بھی تھیں۔

مولک دیوتا:

بعل کے ساتھ دوسرا دیوتا مولک تھا جو بادشاہ یا فرمانروا کا مفہوم رکھتا تھا۔ اسرائیلیوں میں یہ دیوتا ”اکادیول“ سے آیا تھا۔ ان کے ہاں یہ آگ کا دیوتا تھا۔ یہ نام بھی بعل کی طرح ایک سے زیادہ معبودوں کے لئے مستعمل تھا۔ یہودی اس کے لیے انسانی قربانی دیتے تھے۔ بعد میں اس دیوتا کو یہوداہ میں مدغم کر دیا گیا۔

الحد وائی:

بعل اور مولک سے قدیم تر قدیم یہودیوں کا دیوتا ”الحد وائی“ تھا جس کے معنی ”خدا کے قوی“ کے ہیں۔ یہی دیوتا زمانہ مابعد میں ”یہوداہ“ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہودی کتب کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں ”الحد وائی“ ہی خدائے واحد کا مترادف تھا اور وہی ”یہوداہ“ بھی تھا۔

یہوداہ بطور قومی دیوتا

یہوداہ اور زرتشتیوں کا اہورا:

لفظ یہوداہ کی لغوی تحقیق میں ماہرین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غالباً اس کا مادہ سکریت کا لفظ ”اہ“ ہے جس کے معنی ”ہونے“ کے ہیں اس لحاظ سے یہوداہ اور زرتشتیوں

کا ”اہورا“ (وہ جو ہے۔) ہم معنی الفاظ ہیں

قومی دیوتا کے لیے لفظ یہوداہ کا استعمال:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ یہوداہ عبرانیوں نے اپنے قومی دیوتا کے لئے کب سے استعمال کرنا شروع کیا۔ کیلٹ کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں دو قول ہیں:

1: قدیم یہودی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہوداہ کی پرستش کے لئے ایک عبادت خانہ بنوایا اور مصر میں انہوں نے یہوداہ سے ملاقات بھی کی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق بھی ان ہی روایات میں کہا گیا ہے کہ ان کے لئے یہوداہ نے رہو بوتھ (Rohoboth) میں جگہ بنائی۔ یہی نہیں بلکہ ان قدیم روایات میں تو یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان یہوداہ سے بہت قدیم زمانے سے متعارف ہے حتیٰ کہ انسان نے تیسری پشت ہی سے اپنے معبود کو اس نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔

2: اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب اپنے معبود کو الہدوائی کے نام سے پکارتے تھے اور وہ لوگ یہوداہ کے نام سے بالکل نا آشنا تھے۔ اس دعوے کی دلیل میں کتاب الخروج کی یہ دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں کہ خدا نے موسیٰ سے کہا:

”میں یہوداہ ہوں اور میں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے سامنے الہدوائی کی حیثیت سے نمودار ہوا لیکن یہوداہ کے نام سے وہ نہیں جانتے تھے۔“

حضرت موسیٰ اور یہوداہ:

مقدس کتب کے مطابق سب سے پہلے یہوداہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صحرائے عرب میں اپنا جلوہ دکھایا۔ ایک طبقہ کے نزدیک یہوداہ اصل میں مدائن کے اس قبیلے کا دیوتا تھا جس کے سردار حضرت شعیب تھے۔ جن کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ نے قطبی کے قتل کے بعد مدائن پہنچنے پر شادی کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں نے اس دیوتا کو اپنا لیا ہو یا کم از کم اپنے دیوتا کا نام بدل کر یہ نام رکھ لیا ہو۔

یہوداہ پرستی:

یہوداہ پرستی کو ہم تو حید ناقص کا درجہ تو دے سکتے ہیں لیکن اسے تو حید خالص نہیں کہہ سکتے،

کیونکہ یہودیوں میں اس کی حیثیت صرف ایک قومی دیوتا کی تھی۔ دیگر اقوام کی موجودگی سے یہود کو اس امر کا یقین تھا کہ یہوداہ کے علاوہ اور بھی دیوتا ہیں جو ان اقوام کے معبود ہیں۔ گویا کہ اسرائیلیوں کے نزدیک ان کا واحد معبود تو ضرور تھا لیکن اس کی فرمانروائی ساری دنیا پر مسلم نہ تھی۔ اس کی حیثیت بالکل ویسے ہی تھی جس طرح قوم آپ میں چموش (Chemosh) کی اور ملکم (Milcom) کی تھی۔

یہ قومی دیوتا آسمان اور زمین کے خالق نہیں کہے جاتے تھے کیونکہ ابھی تک یہ قومیں ارتقاء کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکی تھیں کہ وہ کائنات اور اس کی تخلیق پر غور و خوض کر سکیں۔

فتوحات کے دیوتا:

قومی دیوتاؤں کے متعلق ان قوموں کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا دیوتا اپنے پرستار کو فتوحات سے نوازتا ہے اور دشمنوں کے حملوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ یہودی بھی اس بات کے معتقد تھے کہ ان کے قومی دیوتا یہوداہ نے انہیں کنعان کی حکومت عطاء کی اور انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھا۔

یہوداہ مقامی دیوتاؤں کے مقابل:

کتاب السلاطین سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ دیگر ممالک میں یہوداہ کی حیثیت وہاں کے مقامی دیوتاؤں سے کم تھی۔ بنی اسرائیل جب کسی اور ملک میں جاتے تو انہیں وہاں کے دیوتاؤں کی عبادت پر مجبور کیا جاتا تھا۔ البتہ! اسرائیلیوں کے عقیدہ کے مطابق یہوداہ کو دوسرے معبودوں کے مقابلے میں زیادہ قوت اور طاقت حاصل تھی۔

یہوداہ ارتقاء کی منازل میں:

مختلف زمانوں میں یہوداہ کی صفات میں تبدیلی واقعہ ہوتی رہی۔ اس نے ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کیں۔ ابتدا میں اس کی حیثیت محض زرخیزی اور بار آوری کے دیوتا کی سی تھی جس کے متعدد شہوت بائل سے ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق کتاب مقدس میں ہے:

”جب ایک طویل عرصے تک ان کی اولاد پیدا نہ ہوئی تو انہوں نے اس بات کی شکایت یہوداہ سے کی۔“

ترقی عمر اور زیادتی اولاد کی خاطر اس دیوتا کی طرف اسرائیلی رجوع کرتے تھے۔ والدین

اپنا پہلا بچہ یہوداہ کے نام پر قربان کرنے کی بھی نہیں مانگتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ بچے یہوداہ کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ یہوداہ کی یہ حیثیت اس زمانے میں تھی جبکہ اسرائیلی شام اور اس کے بعد مصر میں دشمنوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ان حالات میں ان کی سب سے بڑی خواہش کثرتِ اولاد رہی ہوگی۔

متواتر جنگوں نے یہوداہ کی اہمیت میں اضافہ کر دیا۔ اب وہ محض زرخیزی کا دیوتا نہیں رہ گیا تھا بلکہ فتح و نصرت کا عطا کرنا بھی اس کے دائرہ اختیار میں داخل ہو گیا۔ دشمنوں سے جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے اسرائیلی یہوداہ کے سامنے دستِ بدعا ہوتے اور فتح یا پی کی لئے التجاء کرتے تھے۔ اس سے نہیں مانگتے اور مدعا برآنے کی صورت میں قربانی دینے کا وعدہ کرتے تھے۔

یہوداہ کا حریف الوہم دیوتا:

ابتدا میں اسرائیلیوں میں یہوداہ کے علاوہ اور بھی دیوتا تھا۔ جن میں خاندانی دیوتا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن یہ خاندانی دیوتا کسی صورت میں بھی یہوداہ کے حریف اور مد مقابل نہیں سمجھے جاتے تھے۔ البتہ! بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حریف الوہم تھا۔ جس کے لغوی معنی ہیں: ”وہ جس سے ڈرا جائے۔“

لیکن یہوداہ اپنے حسد کے بل بوتے پر تمام دیوتاؤں سے بالعموم اور الوہم سے بالخصوص سبقت لے گیا۔ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے مقابلے پر کوئی اور دیوتا ہو۔ یہوداہ کی اسی صفت نے وحدت پرستی کی طرف اسرائیلیوں کو مائل کر دیا۔

شروع شروع میں یہوداہ کے پرستاروں اور الوہم کے پجاریوں کو زبردست کشمکش تھی، لیکن یہوداہ کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اول اس لئے کہ اسرائیلیوں کے ہاں یہ دستور ہو گیا تھا کہ وہ اپنی پہلوئی اولاد کو یہوداہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لئے اس کے پجاریوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

ہیکل سلیمانی اور یہوداہ:

الوہم کو مغلوب کرنے میں یہوداہ کو کامیابی ہوئی کیونکہ یہوداہ کی پرستش کے لئے بڑے بڑے عبادت خانے تعمیر ہوئے جن میں ہیکل سلیمانی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس طرح اسرائیلیوں میں صرف ایک دیوتا کی پرستش ہونے لگی اور یہوداہ ایک زندہ دیوتا بن گیا۔

یہوداہ کی صفات:

عبرانیوں کا خدائے واحد بن جانے کے باوجود یہوداہ انسانی صفات کا حامل سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ انسانی صورت ہونے کا بھی عقیدہ تھا۔ ابتدا میں صرف وہ ایک پتھر تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ ایک چٹان بن گیا جو ایک بڑے صندوق میں حفاظت کے خیال سے رکھا جاتا تھا۔ ابتدا میں یہ صندوق پہلو میں تھا لیکن اہل یہود حضرت داؤد کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اسے بیت المقدس میں لائے۔ اس وقت تک یہوداہ کی حیثیت جنگ میں کماٹھو کی سی تھی۔ وہ اپنے پیشوروں سے مکمل وفاداری کا خواہاں تھا۔ اس کے پرستار بھی تمام ضروریات کے لئے اسی کی طرف دست سوال بڑھاتے تھے۔

یہوداہ کی روح اور اس کے اثرات:

یہوداہ نہ تو قادر مطلق سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اسرائیلی اس زمانے میں صرف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس کی قوت اور اس کا علم دیگر انسانوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ وہ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کے لئے آتا ہے۔ ہر غیر معمولی اور خلاف توقع شے میں یہوداہ کی موجودگی محسوس کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی غیر معمولی کام انجام دیتا یا کوئی ایسی خلاف عقل بات کہہ دیتا جو آگے چل کر صحیح ثابت ہوتی تو اس کے متعلق لوگ یقین کر لیتے کہ اس میں یہوداہ کی روح جاگزیں ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ جنون اور پاگل پن کو بھی اسی کا اثر بتلایا جاتا تھا۔ بعد میں ارواح کی تجسیم عمل میں آئی۔ جن میں سے کچھ تو فرشتے قرار پائے اور کچھ کو شیطان کا درجہ دے دیا گیا۔

مردے اور یہوداہ کے اختیارات:

اس زمانے میں یہوداہ کے اختیارات بہت محدود تھے۔ صرف زندوں پر ہی اس کی حکمرانی تھی اور ان ہی کو وہ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ مردے اس کے دائرہ اختیار سے باہر تھے۔ job نے جب خود کو یہوداہ کے تیر سے بچانے کی کوشش کی تو اسے صرف موت ہی میں پناہ مل سکی اور وہ کہنے لگا:

”میں اس مٹی میں مل جاؤں گا اور یہوداہ تو مجھے تلاش کرے گا لیکن میں وہاں نہیں“

ہوں گا۔“

اس سے زیادہ واضح ہر مہیاہ نبی کا قول ہے۔ جب وہ اپنی دانست میں اس دنیا سے کوچ کرنے لگے۔ رہ رہ کر جو بات انہیں ستاتی تھی وہ یہ تھی کہ میں یہوداہ کو پھر نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ وہ زندوں کی سر زمین میں رہتا ہے۔ جو لوگ قبر میں چلے جاتے ہیں وہ یہوداہ کی حقانیت سے واقف نہیں ہوتے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

جنگل و بیابان اور یہوداہ:

اس کے علاوہ یہوداہ کے متعلق یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ صرف آبادیوں میں رہتا ہے۔ جنگل اور بیابان اس کے وجود سے خالی سمجھے جاتے تھے۔ سال میں ایک بار تہوار کے موقع پر کاہن اعلیٰ ایک جانور کے سر پر بیٹھتا۔ اس سے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ تمام بنی اسرائیل کے گناہ اس جانور کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس جانور کو جنگل کی طرف ہانک دیا جاتا تا کہ تمام قوم کے گناہ یہوداہ کے رو برو نہ رہیں۔

صفائی ارتقاء، یہود بطور طوفانی دیوتا:

یہوداہ نے آگے چل کر اور ترقی کی اور وہ اپنے پرستاروں کے لئے فتح و نصرت کا دیوتا تو بن ہی چکا تھا، اسے طوفانی دیوتا بھی قرار دیا گیا جس سے وہ اسرائیلیوں کے دشمنوں کو زیر کرتا تھا۔ اپنے عابدوں کے لئے تو وہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا لیکن دشمنوں کے واسطے نہایت خوفناک روپ دھار لیتا۔ اس نظریہ کا اثر یہ ہوا کہ ابھی تک یہوداہ کی موجودگی ایک چٹان میں سمجھی جاتی تھی لیکن اب ہر بادل کے گرج میں بھی اس کا وجود مسلم ہو گیا۔

خالق آدم:

یہوداہ نے حضرت داؤد کے انتقال کے ایک صدی کے بعد اور بھی ترقی حاصل کی۔ اسے نئی نئی صفات سے متصف کیا جانے لگا۔ اگرچہ اس کی انسانی صفات برقرار رہیں، لیکن اب اسے آدم کا خالق کہا جانے لگا۔ خالق آدم کے عہدے پر فائز ہو جانے کے باوجود اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہوداہ شام کے وقت ہوا خوری کے لئے نکلتا ہے۔

یہوداہ اور انسانی صفات:

یہ عقیدہ اب بھی تھا کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو نہ صرف ہم رکابی کا شرف عطا کیا بلکہ حضرت موسیٰ سے ہم کلام بھی ہوا۔ نوح کی قربانی کی خوشبو سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے ابراہیم کی دعوت میں لذیذ اشیاء سے اپنے کام و دہن کو محفوظ کیا۔ یہوداہ کی تجسیم اس زمانے میں اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ دن میں بادل کے ستون کی شکل میں اور رات میں آگ کے ستون کی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہے، لیکن کسی کو مجال دید نہیں تھی۔

یہوداہ کو دیکھنا:

اسرائیلیوں کو اس بات کا عام یقین تھا کہ یہوداہ کو دیکھنے سے فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فقط اس کی پیٹھ دیکھی تھی۔ صدیوں بعد عسایہ کی نظر جب یہوداہ پر پڑی تو وہ بے اختیار چیخ اٹھے:

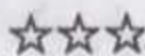
”اف! میں تو مرا میں نے فوجوں کے بادشاہ یہوداہ کو دیکھ لیا۔“

رہائشی ارتقاء:

یہوداہ کے ارتقائی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مسکن میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی رہی۔ بہت شروع میں اس کا مسکن پہاڑ تھا۔ شاید اس لئے کہ پہاڑوں پر اکثر بادل چھائے رہتے تھے۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر صحرائے سنائی میں پہنچے تو یہوداہ اور یہوداہ کا مسکن اسی صحرا کو قرار دیا گیا۔ اس چہل سالہ صحرا انوردی کے اختتام پر وہ کنعان فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہوداہ بھی سنائی سے منتقل ہو کر کنعان پہنچ گیا۔ کنعانیوں کے مجاہد جن پر اسرائیلی قابض ہو چکے تھے، یہوداہ کا مسکن قرار دیئے گئے۔

جب ہیکل سلیمانی کی تعمیر مکمل ہو گئی تو ہیکل یہوداہ کا ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ اس کے بعد صندوق سیکنہ جس میں ایک لمبا چٹان نما پتھر تھا اس کا مسکن سمجھا جانے لگا۔ اس صندوق کو بنی اسرائیل جنگلوں میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور فتح و نصرت کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔

قدیم دین یہود کے بارے میں یہ ساری معلومات ان کی مقدس کتب کی لی گئی ہیں۔



تعارف سیدنا موسیٰ علیہ السلام (قرآن مجید اور مقدس کتب کی روشنی میں)

ذکر فی القرآن المجید

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس کثرت اور تکرار سے بیان ہوا ہے کہ کسی اور قصے کو اس قدر بار بار ذکر نہیں کیا گیا۔ اس واقعہ کے بار بار ذکر کرنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ ان واقعات کے اندر بصائر و مواعظ کا نادر ذخیرہ جمع ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بہت زیادہ مشابہ ہیں اور ان واقعات میں غلامی و آزادی، حق و باطل کی معرکہ آرائی، اذیت رسانی اور جو رجوع جفا کے مقابلے میں صبر و استقامت اور انجام کار حق کی فتح کا ذکر ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر 35 سے زائد سورتوں اور 500 سے زیادہ آیات میں آیا ہے۔ خصوصی طور پر ان کا ذکر سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الانعام، سورۃ الاعراف، سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص میں کیا گیا ہے۔

دو فرعون

اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں دو فرعون کا ذکر ہے۔ ایک وہ جس کے ہاں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے ہاں آپ تبلیغ حق کے لئے پہنچے، بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور انجام کار وہ (فرعون) غرق ہوا۔ پہلا فرعون رمیس ثانی تھا جس کا زمانہ حکومت 1300 قبل مسیح کا ہے۔ دوسرا فرعون منتاح تھا جو باپ کی زندگی میں انتظام سلطنت میں اس کا شریک کار بن چکا تھا اور باپ کے مرنے کے بعد اس کا جانشین بنا۔

مصر میں سکونت

قرآن مجید کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں آمد اور خاندان یعقوب کی مصر میں آباد کاری سے بنو اسرائیل مصر میں ہی آباد ہو گئے اور یہیں پھولے پھلے۔

بائبل کا بیان اس ضمن میں یہ ہے:

”اور اسرائیل نے مصر کی زمین میں جشن کے ملک میں سکونت کی اور وہاں ملکیتیں رکھتے تھے اور بڑھے اور بہت زیادہ ہوئے اور یعقوب مصر کی زمین میں سترہ برس رہا۔“

(کتاب پیدائش، ۴۷، آیات ۱۷ اور ۲۸)

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک درمیانی صدیوں میں بنو اسرائیل مصر میں آباد رہے۔

ولادت و رضاعت موسیٰ

قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایک ایسے زمانے میں ہوئی جب فرعون بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کی پیدائش پر سخت بے چین تھیں۔ سورۃ طہ میں ہے کہ مادر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کچھ عرصہ تک چھپائے رکھا۔ بعد میں حکم خداوندی سے انہیں صندوق میں محفوظ کر کے دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو بھی ساتھ کر دیا۔ تاکہ خداوند کی حفاظت کے وعدے پورے ہونے کے اسباب پر نگاہ رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۖ أَنْ أَقْبِدِي فِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْبِدِي فِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوَّتِي وَعَدُوَّتُهُ“

(القرآن المجید، سورۃ طہ، آیت نمبر ۳۸-۳۹)

”اور ہم نے (اے موسیٰ) تیری تیری والدہ کی طرف وحی کی کہ اسے تابوت میں ڈال کر سمندر میں ڈال دو۔ اسے میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا۔“

صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارے آگتا ہے۔ فرعون کے گھروالوں نے جب صندوق کھولا تو ایک حسین و جمیل بچے کو پایا۔ فرعون کی بیوی نے بچے کے متعلق فرعون کے ارادہ قتل کو بھانپ کر اسے زندہ رکھنے کی سفارش کی اور بیٹا بنالینے کی درخواست کی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ هُوَ
عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝“

(القرآن المجید، سورۃ القصص، آیت نمبر: 9)

”اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ (قوم والے) بے خبر ہوں۔ ۝“

بچے کے دودھ نہ پینے پر اخت موسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی پر مادر موسیٰ علیہ السلام کو یہی رضاعت کی خدمت سپرد کی جاتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پرورش پا کر جوان ہوئے۔

موسیٰ نام

بائبل کا بیان ہے کہ جب لڑکا بڑھا تو اُسے فرعون کی بیٹی پاس لائی، وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ (موشے) رکھا اور کہا:

”میں نے اس کا نام موسیٰ اس لیے رکھا ہے کیونکہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔“

قتل قبلی اور ہجرت مدین

قرآن حکیم میں سورۃ القصص میں اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اسرائیلی اور غیر مصری ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک روز شہر کی گشت کرتے ہوئے انہوں نے ایک مصری کو دیکھا کہ وہ ایک اسرائیلی پر دست درازی کر رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری کو ایک مکار سید کیا جس سے مصری کا کام تمام ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر ندامت ہوئی۔ اگلے روز دیکھا کہ وہی اسرائیلی پھر فریاد کرتا

اور مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصری پر تو غصہ آتا ہی تھا اور وہ ادھر لپکے بھی لیکن ان کی زبان سے اسرائیلی کے لئے بھی ڈانٹ ڈپٹ کے یہ الفاظ نکل گئے:

”انک لغوی مبین“

”تم تو کھلے گمراہ ہو۔“

اسرائیلی نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کہیں مجھے بھی نہ سزا دیدیں تو وہ فوری طور پر بول اٹھا:

”تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا۔؟“

اب راز فاش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں چاہ مدین پر شیخ کبیر حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیاں ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ کبیر کی کئی برس خدمت کرنے کے بعد صفورہ سے شادی کر لیتے ہیں اور اپنی زوجہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ جب وادی مقدس میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نبوت سے سرفراز فرماتا ہے اور مصر میں فرعون کو ایمان کی دعوت دینے کا حکم ہوتا ہے۔

مصر واپسی اور فرعون سے مناظرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ قتل کی وجہ سے خائف ہیں لیکن ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کو لے کر مصر میں دربار فرعون پہنچے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب دعوت تو حید پیش کی اور بنی اسرائیل کی رہائی کے لئے کہا تو فرعون بڑا برہم ہوا، خانہ فرعون میں اُن کی پرورش پانے کا احسان جتانے لگا اور مصری کے قتل کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا:

”انفرادی احسان اور انفرادی جرم کی بناء پر پوری قوم کو غلام بنا رکھنا کہاں جائز ہے۔؟“

فرعون نے کہا کہ اپنے رب کا ذرا تعارف تو کراؤ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ“

(القرآن المجید، سورۃ طہ، آیت نمبر 50)

”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے سیدھا کیا۔“

ثابت قدمی اور معجزات

فرعون نے اپنے شاہی دبدبے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرعوب کرنے کی کوشش کی اور قید میں ڈالنے کی دھمکی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اور ید بیضا کے معجزات دکھائے۔ فرعون نے حیرت زدہ ہو کر اپنے درباریوں سے مشورہ کر کے ایک دن مقرر کیا۔ اس روز فرعون نے جادوگروں نے جادو کے ذریعے سے اپنی لائٹیوں کو سانپ ظاہر کیا۔ لیکن موسیٰ عصا انہیں اڑدھا بن کر نگل گیا۔ جادوگر اس روشن معجزے کو دیکھ کر فرعون کے قہر کے باوجود نعمت ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرعون نے تمام جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر لٹکا دیا، لیکن جادوگر ایمان پر قائم رہے اور ایک سچے مومن کی طرح تمام آزمائشوں اور تکالیف کو صبر و استقامت سے سہہ گئے۔

دوبارہ آزمائش

اب فرعون نے اسرائیلی بچوں کے قتل اور ان کی بچیوں کو زندہ رکھنے کا دوبارہ اعلان کیا۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور تبلیغ کے نتیجے میں نوجوانوں کا ایک گروہ ایمان لے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جملہ اسرائیلیوں کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص صبر و استقامت کے ساتھ فرعون کے ظلم برداشت کرنے کی تلقین کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کا رویہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی اس کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے۔ کتاب خروج میں ہے:

”جب وہ فرعون کے پاس نکلے آ رہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لئے راستے پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔“

(کتاب خروج، ۶: ۲۰-۲۱)

تالمود میں ہے:

”ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آکر اُسے بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔ پس اس طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔“

تبلیغی مشن کا آغاز

قرآن حکیم میں ہے:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے مومنوں کو حکم دیں کہ وہ مصر میں قبلہ رخ مکان تعمیر کریں اور نماز قائم کریں۔“

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تبلیغی مشن تسلسل کے ساتھ فروغ پذیر ہوتا رہا۔ سورۃ المؤمن میں ہے کہ فرعون نے درباریوں سے مشورے کئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کیا۔ ایک مرد مومن نے گزشتہ اقوام و ملل کا عبرتناک انجام بتاتے ہوئے ان لوگوں (فرعونیوں) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

نواضح ترین معجزات

اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف معجزات کا ظہور ہوتا رہا اور ید بیضا کے علاوہ حسب ذیل معجزات کا ذکر قرآن حکیم میں ملتا ہے:

”وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ“

(القرآن المجید، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: 101)

”اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح نو نشانیاں دیں۔“

وہ نشان مختلف آیات میں یہ ہیں:

1: قحط	2: پھلوں کی کمی	3: طوفان
4: ٹڈیاں	5: جوئیں	6: مینڈکیں
7: خون	8: عصا	9: ید بیضا

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 123 تا 130)

فرعون کی ممی

قرآن مجید کی صداقت پر یہ واضح دلیل ہے کہ اس بات کا پتہ دیا جس کا علم اس زمانے میں کسی کو نہ تھا۔ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو دریا سے باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الہی سے خبر دی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف بریٹیکا میں مضمون ”ممی“ کے تحت لکھا ہے:
 ”رعمیس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالحو وغیرہ سے محفوظ کی جاتی ہیں۔“

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت

المختصر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلنے اور وادی سینا میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ قرآن حکیم کے بیان کردہ سارے واقعات معمولی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے تورات کے بیانات سے ملتے جلتے ہیں لیکن تورات میں ایک عجیب واقعہ مذکور ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج میں ہے:

”اور آدھی رات کو خداوند نے ملک مصر کے سب پلوٹھوں کو ہلاک کر دیا۔ فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پلوٹھے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانے میں تھا اس کے پلوٹھے تک، بلکہ چوپایوں کے پلوٹھوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ فرعون اور اس کے سب نوکر اور سب مصری رات ہی کو اٹھ بیٹھے اور مصر میں بڑا کھرام مچا کیونکہ ایک بھی گھرا یا نہ تھا جس میں کوئی نہ مرا ہو۔ تب اس (فرعون) نے رات ہی رات میں موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر میری قوم میں سے نکل جاؤ، جیسا کہتے ہو جا کر خداوند کی عبادت کرو، اپنے کنبے کے مطابق اپنی بھڑ بھڑیاں اور گائے بھینس اور بیل بھی لیتے جاؤ، میرے لئے بھی دعا کرو۔ مصری (بنی اسرائیل) بجد (بغند) ہونے لگے تاکہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر نکالا جائے کیونکہ وہ سمجھے کہ ہم سب مرجائیں گے۔ سو ان لوگوں نے اپنے گوندھے گندھائے آٹے کو بغیر خمیر دیئے مکوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر رکھ لیا اور اسرائیل نے

موسیٰ کے کہنے پر یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کیڑے بھی مانگ لئے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں نے دے دیا۔ سوانہوں نے مصر کو لوٹ لیا۔“

(کتاب الخروج، باب نمبر 12، آیات نمبر 29 تا 36)

طلب شرک

اب بنی اسرائیل کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ فرعون سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے وادی سینا میں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب و غریب مطالبہ کر دیا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ سینا کے بت کدوں میں پجاری بتوں کی پوجا کر رہے تھے، ان کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں بھی ایک ایسا معبود بنا دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا اور خدائے واحد کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءَ يِلَ الْبَحْرَ فَاتَوَا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَمُوسَىٰ اجْعَلْ لَّنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝“

”اور جب بنی اسرائیل نے سمندر پار کر لیا تو وہ ایسی قوم سے گزرے جو اپنے بتوں کے سامنے جھکے تھے۔ انہوں نے موسیٰ سے کہا کہ ہمارے لیے بھی اس طرح کو خدا بنادے۔ فرمایا تم تو جاہل قوم ہو۔ ۝“

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 138)

جہاد سے منہ موڑنا

قرآن مجید کی سورۃ مائدہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فلسطین کی ایک بستی جو وادی سینا کے قریب تھی داخل ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کو کہا لیکن قوم نے جواب دیا کہ پہلے آپ اور آپ کا رب ان سے جا کر لڑیں جب وہ جابر قوم مغلوب ہو جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ اس کی سزا کے طور پر ارشاد خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو 40 سال میدان تہ میں سرگرداں رہنا پڑا اور پھر نئی نسل کے جوان ہونے پر یوشع بن نون کی قیادت میں ارض مقدس

فتح ہو گئی۔ اس طرح بنی اسرائیل کا ایک دور ختم ہوا۔

انعامات اور احقرانہ مطالبہ

سورۃ البقرہ میں ہے کہ بنی اسرائیل کو جہاد کا حکم دیا گیا لیکن انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

”اے موسیٰ! تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے! ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔“

اس نافرمانی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں میدان تہ میں قید کر دیا۔ میدان تہ میں چشموں کا جاری ہونا، من و سلوئی اور بادلوں کا سایہ اور اس قسم کے کئی اور معجزات ظاہر ہوئے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک نیا مطالبہ کیا کہ عام کھانے کی چیزیں دی جائیں۔ من و سلوئی کھا کھا کر ان کا جی بھر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مطالبے کو احقرانہ قرار دیا۔ البتہ ان سے کہا گیا کہ اگر انہیں اس مطالبے پر اصرار ہے تو شہر میں سکونت اختیار کر لیں۔“

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 61)

نزول تورات اور عہد و میثاق

اب وہ مقام آتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وحی الہی کے اشارہ سے ”طور“ پر جاتے ہیں، عبادت الہی کے لئے چالیس روز اعتکاف کرتے ہیں، شرف ہمکاری سے نوازے جاتے ہیں اور انہیں سورۃ اعراف کے مطابق تورات کی تختیاں عطاء کی جاتی ہیں۔ ان میں ہی میثاق خداوندی کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل پچھڑے کی پوجا کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن پہاڑ پر پڑا رہنا مذکور ہے۔ کتاب الخروج میں ہے:

”اور موسیٰ بدلی کے درمیان چلا گیا اور موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گیا۔“

(بائبل، کتاب الخروج، آیت نمبر: ۲۳-۱۸)

حضرت ہارون

قرآن حکیم کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو شرک سے منع کیا لیکن انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو کمزور پا کر ان کی نصیحت کی پروا نہ کی۔ لیکن بائبل میں نعوذ باللہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف شرک کی نسب کی گئی ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج، باب نمبر 32، آیت نمبر 1 تا 6 میں ہے:

”اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی (کئی دن زیادہ ہو گئے) تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے چلے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا؟ ہارون نے ان سے کہا کہ تمہاری بیویوں، لڑکوں اور لڑکوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لے کر ان کو ایک ڈھالا ہوا پتھر بنا دیا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک۔ اب وہ کہنے لگے کہ اے اسرائیل! یہی تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی۔“

گویا کہ تورات جس نے حضرت ہارون کو ایک طرف خدا کا پیغمبر اور حضرت موسیٰ کا وزیر ظاہر کیا ہے دوسری طرف نہ صرف اسے شرک اور بت پرست بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر انہیں شرک کا معلم اور بت پرستی کا مبلغ قرار دیا ہے۔ (لہذا ثابت ہوا کہ تورات میں تحریف ہوئی ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپسی پر جب انہیں سارے حالات کا علم ہوتا ہے تو بڑے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ پوری قوم کے ساتھ ساتھ حضرت ہارون کو بھی ڈانٹ پلاتے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطابق واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون کی داڑھی پکڑ کر کہتے ہیں:

”تو نے انہیں شرک سے کیوں منع نہیں کیا۔؟“

حضرت ہارون علیہ السلام کہتے ہیں:

”اے میرے پیارے بھائی! میں نے انہیں منع کیا لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور میرے قتل کا صلاح مشورہ کرنے لگے۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں تو ظالم لوگوں کے لیے مجھے مذاق نہ بنا۔“

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے دعا کرتے

ہیں۔

خدا کو دیکھنے کا مطالبہ

سورۃ بقرہ آیت نمبر 55 میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم ایک عجیب مطالبہ کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تورات پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے سرداروں کا انتخاب کر کے انہیں ”طور“ پر لے گئے۔ ان کو حجاب نور میں لے لیا گیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کو سنا۔ پھر جب نور مٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سرداروں کے رو برو ہوئے۔ انہوں نے اپنا پہلا اصرار قائم رکھا کہ جب تک بے حجاب خدا کو نہ دیکھ لیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔ اس احتجاجانہ اصرار پر غیرت الہیہ نے انہیں یہ سزا دی کہ ایک ہیبت ناک چمک، کڑک اور زلزلے نے ان کو آلیا اور جلا کر خاک کر دیا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی بخشی۔

کوہ طور کا اٹھنا

سورۃ بقرہ اور اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں قوم کی بے راہ روی کا گلہ کیا۔ چنانچہ حکم خداوندی سے طور کا پہاڑ سائبان کی طرح بنی اسرائیل کے سروں پر چھا گیا تاکہ وہ اس خداوندی شان سے نصیحت پکڑتے ہوئے تورات کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ لیکن بنی اسرائیل نے عارضی طور پر اقرار کر لیا اور عذاب کے ٹلنے کے بعد پھر صحرا انوردی شروع کر دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت

بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل کو آخری وصیت یہ ذکر کی گئی ہے:

”سن اے اسرائیلی! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ۔ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا۔“
(بائبل، باب نمبر 6، آیت نمبر: 74)

انبیاء بنی اسرائیل کی اصلاحات

شرک کی تلاش

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کا تذکرہ کافی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان کی عظمت رفتہ اور بزرگی کے مقام بلند پر فائز ہونے کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی کج روی اور ناشکری کے باعث اس فضیلت سے جس طرح وہ محروم کئے گئے اس کی طرف اشارات بھی موجود ہیں۔ ان کی تاریخ کے شواہد یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ یہ ایک محسوس معبود کی تلاش میں رہے جس کے نتیجے میں وہ کئی ہمسایہ اقوام کے دیوتاؤں کی پرستش کے مرتکب ہوئے۔ شرک بھی کیا اور بت پرستی بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزاؤں اور آزمائشی سلسلوں میں سے بھی گزرے۔

انبیائے بنی اسرائیل کی تبلیغ اور قوم کا رد عمل

انبیاء کرام کی تکذیب، قتل اور اس کا انجام:

انبیاء اور رسولوں کی برگزیدہ ہستیاں ان کی اصلاح کی کوشش میں مصروف عمل رہیں، لیکن بنی اسرائیل کے قلوب اذہان انبیاء کرام کی مخالفت پر کمر بستہ رہے۔ اس کے نتیجے میں یہ قتل انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے اور دنیاوی ذلت اور ناکامیوں کا سامنا کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کے باعظمت نبی:

بنی اسرائیل کی تاریخ میں جن باعظمت انبیاء اور رسولوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف آیات کی تفسیر کے ضمن میں بعض انبیاء کے نام روایات میں بیان کئے جاتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ اصلاحات

مقام موسیٰ:

تاریخ بنی اسرائیل کے ضمن میں جو مقام اور مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔

قوم کا اخلاقی انحطاط:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہ لوگ اخلاقی انحطاط، ذہنی پستی اور مذہبی عقائد کے بگاڑ کا شکار تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دعوتِ توحید دی، شرک اور بت پرستی کے تمام مظاہر سے اجتناب کرنے کی تلقین کی، لیکن یہ عین اپنے نبی کی زندگی میں کئی مواقع پر واضح مخالفت کے مرتکب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو خدا کا پرستار اور مطیع فرمان بنانا چاہتے تھے، لیکن یہ اکثر صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے رہے۔

فرعون سے نجات:

رہمیس ثانی کے دورِ ستم سے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں نجات حاصل ہوئی۔ سورۃ طہ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرُبْ لَهُمْ طَرِيقًا
فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفُ دَرَكًا وَلَا تُخْشَى ۚ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ
بِجُنُودِهِ فَعَشِيَهُمْ مِّنَ اللَّيْلِ مَا عَشَيْهِمْ ۚ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ
وَمَا هَدَىٰ ۚ يَبْنِي إِسْرَاءَ يَلْ قَدْ أَنْجَيْنَاكَ مِّنْ عَدُوِّكَمْ“

(القرآن المجید، سورۃ طہ، آیت نمبر 77 تا 80)

”ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ اب میرے بندوں کو لے کر چل اور ان کے لئے سمندر میں راستہ بنالے۔ تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف اور ڈرنہ لگے۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچا۔ پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق ہے۔ اور گمراہ ہو گیا فرعون اور اسکی قوم اور انہوں نے ہدایت اختیار نہ کی۔ اے نبی

اسرائیل! تحقیق ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات بخشی۔“

اثرات غلامی اور محسوس خدا کی تلاش:

اس غلامی سے نجات کے باوجود ان کے اذہان کے بت کدے سے فرعون مصر کی غلامی کے اثرات نہ مٹ سکے۔ وہ کسی محسوس خدا کے آگے پیشانی جھکانے اور اس کے آستانے پر سجدہ ریز ہونے پر بیتاب نظر آتے تھے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

پچھڑے کی پوجا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر طلب فرمایا تو تیس شب و روز کی مدت طے فرمائی تاکہ شریعت عطا کی جائے۔ پھر اس میں دس دن کا اضافہ کر دیا گیا تو ان کے پیچھے بنی اسرائیل کی کج روی کا یہ عالم تھا کہ اپنے رسول کی عدم موجودگی میں سامری کی شیطانی حرکت کے بہکاوے میں آگئے اور پچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ مَّبْعُدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خَوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ“

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر: 148)

”اور بنالیا موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک پچھڑے کا پتلا۔ جس میں سے آواز نکلتی تھی کیا۔ وہ یہ نہ دیکھتے تھے کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ ان کی کسی معاملے میں راہنمائی کرتا ہے۔ انہوں نے اسے معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے۔“

معافی اور عہد و پیمان کو از سر نو استوار کرنا:

فتنہ پرواز سامری کے مکر و فریب نے بت پرستی رائج کرنے اور توحید کے نظریے پر کاری ضرب لگانے کی جو سازش تیار کی تھی اس کے جال میں بنی اسرائیل کے بیشتر لوگ آگئے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس ہوئے تو صورتحال کو دیکھا۔ حکم خداوندی کے مطابق شرک کے ان مجرمین کو باہم قتل کی سزا سنائی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فصاحت کے زیر اثر انہوں نے خدا

کے حضور توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے پیمانہ اطاعت کو از سر نو استوار کیا۔

من وسلویٰ کو ٹھکراتا:

جزیرہ نمائے سینا کے بیاباں علاقے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بادلوں کے سائے کئے رکھے۔ من وسلویٰ نازل کیا اور بے آب و گیاہ مقامات پر پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا، لیکن انہوں نے کفرانِ نعمت کیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِشَائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلِهَا قَالَ اتَّسَبِدِلُونِ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَ وَأَبْغَضَ مِنَ اللَّهِ“

(القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 61)

”(اے بنی اسرائیل) جب تم نے کہا: ”اے موسیٰ! ہم ہرگز صبر نہیں کر سکتے ایک قسم کے کھانے پر، پس ہمارے لئے دعا کر کہ وہ زمین سے ہمارے لئے سبزیاں نکالے جیسے ساگ، گیہوں، لہسن اور مسور۔ فرمایا کہ کیا بہتر چیز کی جگہ ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو؟ شہر میں اتر جاؤ تم جو کچھ مانگتے ہو مل جائے گا۔ پس ان پر ذلت و خواری مسلط ہو گئی اور وہ خدا کے غضب میں گھر گئے۔“

بنی اسرائیل کو دنیاوی لذتیں اور آسائشیں اتنی مرعوب تھیں کہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ان سے وقتی محرومی کو برداشت نہ کر سکے۔

گائے کو ذبح کرنا:

بنی اسرائیل میں ایک مال دار آدمی قتل ہو گیا۔ اس کے قاتل کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا۔ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی تو آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق ان سے فرمایا کہ گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکرا مقتول کو مارو، اس طرح وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کے بارے میں بتا دے گا۔ گائے کو ذبح کرنا ان کی توحید پرستی کا امتحان تھا۔ یہ گاؤ پرستی یا اس کی عظمت

وتقدیس کے کسی بھی درجے میں شریک نہ ہونے کے اظہار کے لئے ایک کڑی آزمائش تھی۔ انہوں نے بہت تاویلات کیں۔ بہانے تراشے، وضاحتیں طلب کیں اور پھر بے دلی کے ساتھ حکم خداوندی کی تکمیل ہوئی۔

حکم جہاد اور بنی اسرائیل کی نافرمانی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہنے لگے: ”وہاں تو بڑی طاقتور قوم آباد ہے کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر لڑے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔“

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 20 سے 26 تک اس واقعے کو بیان کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک یہ سرزمین ان پر حرام ٹھہرا دی اور یہ بھٹکتے پھرے۔ اس نافرمانی کی سزا ان کو بھگتنا پڑی۔

حضرت موسیٰ کی نصیحت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانے میں انہوں نے فلسطین کے علاقے کو فتح کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو نصیحت کی تھی جس کی طرف اشارہ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں یوں کیا گیا ہے:

”وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝“

”جب تمہارے رب نے بنی اسرائیل کو خبردار کیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔“

اس مضمون کے بارے میں اسفار خمسہ میں سے سفر استثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی وفات سے پہلے کی تھی۔ ان کی یہ تقریر ان کے مشن کا خلاصہ قرار دی جاسکتی ہے۔

بائبل کے باب نمبر 6 میں ہے:

”سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خداوند ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل، اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند کے ساتھ محبت رکھ اور یہ باتیں

جن کا حکم میں آج تمہیں دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا۔ گھر بیٹھے، راہ چلتے، لیٹتے اور اٹھتے ان کا ذکر کرنا۔“
بائبل کے باب نمبر 28 میں ہے:

”اگر تو خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھے دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے گا تو خداوند کی بات سنے گا تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک۔ خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں گے تیرے رو برو شکست دلائے گا۔ خداوند تیرے سب کاموں میں جنہیں تو ہاتھ ڈالے برکت کا حکم دے گا۔“
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سادہ الفاظ میں جن اخلاقی ضوابط اور عقائد کی تلقین کی اس تذکرہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 83-84 میں ان احکام کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءَ يَلَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا
لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا
مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَ
كُمۡ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ أَفْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ
تَشْهَدُونَ ۝“

”اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ کسی کی عبادت نہ کرو گے مگر اللہ کی۔ والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور لوگوں سے اچھی بات کہو گے اور نماز کو قائم کرو گے اور زکوٰۃ کو ادا کرو گے۔ پھر تم میں سے سوائے چند کے اکثریت نے روگردانی کی اور تم اعراض کرنے والے ہی تھے اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ باہم خونریزی نہ کرو گے اور اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے۔ پھر ہم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔“

کتاب اللہ میں تحریف

اخلاقی فساد:

بنی اسرائیل ان تعلیمات کے باوجود اکثر و بیشتر راہ حق سے بھٹکتے رہے۔ شریعت کو چونکہ صدق دل سے قبول نہ کر پائے تھے اس لئے رفتہ رفتہ اخلاقی فساد اور بگاڑ رونما ہوا۔

احبار اور رہبان۔ کثرت سوال اور کتاب اللہ کے حکم کا کتمان:

ان کے احبار اور رہبان لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھا جاتے۔ کثرت سوال کا رجحان ان میں عام تھا۔ عام اور مطلق احکامات کو حد بندیوں سے مقید کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشن تعلیمات کو چھپاتے۔

کلام اللہ میں تحریف:

کلام اللہ کو سننے اور سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد دانستہ اس میں تحریف کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کر کے یہ کہتے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ تحریف کے اس سلسلے میں الفاظ کو ان کے صحیح موقع محل سے بدل ڈالتے۔ کتاب اللہ کو پڑھتے وقت زبان کے الٹ پھیر سے کام لیتے۔ غلط عبارت کو کتاب ہی کی عبارت ظاہر کرتے تھے۔

اعتقادی خرابیاں:

اعتقادی خرابی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات آخرت کے منکر ہو جاتے اور اگر اقرار کرتے بھی تو دعویٰ یہ تھا کہ آگ ہمیں چند گنتی کے دن ہی چھوئے گی۔ خود اپنے آپ کو ابناء اللہ اور اس کا محبوب خاندان تصور کرتے۔

حضرت سموئیل علیہ السلام

حضرت سموئیل بنی اسرائیل کے قاضی:

بنی اسرائیل ہمیشہ انبیاء کرام کے عزت و احترام میں گستاخی کے بار بار مرتکب ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت سموئیل علیہ السلام تمام عمران کے تنازعات کا تصفیہ کراتے رہے۔

طالوت کی بادشاہی:

بنی اسرائیل نے ان کی خدمات کا یہ صلہ دیا کہ ان سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے حکم الہی کے مطابق طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا، لیکن اس پر بھی معترض ہوئے۔ قرآن مجید میں ہے:

”وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“

(القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 248)

”ان کے نبی نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا ہے۔ وہ بولے یہ ہم پر بادشاہ بننے کا کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے تو ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو مالدار آدمی بھی نہیں ہے۔ ان کے نبی نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسی کو منتخب کیا ہے۔ اس کو دماغی اور جسمانی صلاحیتیں زائد عطا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے ملک سے نوازے۔ اللہ تو بڑی وسعت والا اور علم رکھنے والا ہے۔“

حضرت طالوت کی سرکردگی میں ان کو اپنے گمشدہ تہرکات اور الواح تورات پر مشتمل تابوت سیکھنے مل گیا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

تکبر اور لفظی تحریف:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ نے ان کو جو تلقین کی تھی کہ فلسطین کی سرزمین لے لو، لیکن جب یہ وہاں پہنچے تو ہدایت ربانی کو عین داخلے کے وقت فراموش کر دیا۔ ان سے کہا گیا تھا کہ حطۃ (اے اللہ بخش دے) کہتے جانا اور شہر کے دروازے سے عاجزی کے ساتھ داخل ہونا، لیکن یہ عاجزی و انکساری کے بجائے اکڑتے ہوئے اور تسبیح و تحمید کرنے کی بجائے لفظی تحریف کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت انہوں نے حطۃ (اے اللہ بخش دے) کی بجائے حنطۃ (گندم چاہئے) کہا۔

خانہ جنگی اور بت پرستی:

ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ مفتوحہ علاقہ لے کر خود مختار ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف وہاں کے لوگوں کے شرک اور بت پرستی کے اثرات کو جذب کیا بلکہ قومی سطح پر تفرقہ اور انتشار میں بھی مبتلا ہوئے۔

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام

اتحاد:

جب حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام برسرِ اقتدار ہوئے تو بنی اسرائیل کی سلطنت تھوڑی مدت کے لئے متحد رہی۔

باہمی انتشار اور سلطنت کے ٹکڑے:

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل پر دوبارہ دنیا پرستی کا غلبہ ہو گیا اور باہمی نفاق کی بدولت سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

حضرت الیاس و الیسع

بد اعمالیوں پر تنبیہ:

رقابت اور کشمکش کی اسی فضا میں حضرت الیاس اور الیسع نبی علیہما السلام نے ان کو تنبیہ کی اور ان کی بد اخلاقیوں کا مداوا کرنے کی کوشش کی۔

حضرت الیاس کی اصلاحی کوششیں:

سورۃ الصافات کی آیات 123 سے 131 میں حضرت الیاس علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝
أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبَّ
آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ

الْمُخْلِصِينَ ۝ وَتَرْكُنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ آلِ
يَاسِينَ ۝ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِينَ ۝“

”بیشک الیاس مرسلین میں سے تھے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے۔؟ کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔؟ اللہ تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی۔ پس انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ سو وہ پیش کئے جانے والے ہیں سزا کے لئے سوائے بندگان خدا کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے ان کا ذکر بعد کی نسلوں میں بھی جاری رکھا۔ سلام ہے الیاس پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“

نصیحت کا رد اور اس کا نتیجہ:

حضرت الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جس تنزل اور بربادی کی طرف یہ تیزی سے جا رہے تھے اس کا علاج کرنا چاہئے، لیکن ہر اصلاحی کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ بالآخر آشوریوں کے ہاتھوں ان کی شمالی ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

عاموس اور یوشع نبی

اس ریاست کے خاتمے سے پہلے عاموس (Amos) نبی اور یوشع نبی (Hashea) نے اسرائیلیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہا مگر ان کی ضد اور سرکشی میں مزید اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ عاموس نبی کو اصلاحی سرگرمیوں سے رک جانے اور ریاست بدر ہونے پر مجبور کیا۔ چنانچہ نتیجہ آشوریوں کے ہاتھوں ذلت اور خواری کی صورت میں نکلا۔ سارگون نے نہ صرف ان کی سلطنت کا خاتمہ کیا بلکہ ہزاروں کو ہلاک اور باقیوں کو سلطنت کے مختلف حصوں میں منتشر کر دیا۔

یعیہ اور یرمیاہ نبی

یرمیاہ نبی کی شرک سے بچنے کی تلقین:

جنوبی ریاست جوڈیا شرک و بت پرستی اور بد اخلاقیوں کی طرف مائل تھی، لیکن ان کی رفتار ست تھی۔ یعیہ اور یرمیاہ نبی نے ان کو بتدریج مشرک مذہب سے دور ہونے پر متنبہ کیا لیکن ان پر انبیاء کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔

یرمیاہ کی صدائیں اور تکالیف:

یرمیاہ نبی قوم کے اس زوال اور دیگر گروں حالت پر روتے رہے اور کوچے کوچے ان کو ہدایت کے لیے پکارتے رہے:

”سنجھ جاؤ! ورنہ تمہارا انجام شمالی ریاست سے بھی بدتر ہوگا۔“

لیکن قوم کی طرف سے ان کو ذہنی اذیت کی صورت میں جواب ملا۔ قید کئے گئے، الزام لگایا کہ وہ قوم کے غدار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔

بخت نصر:

بنی اسرائیل کے لئے تباہی اپنی بدترین صورت میں بخت نصر کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔ عظمت و شوکت چھنی اور اسیری کا زمانہ شروع ہوا۔ زبردستی اور محرومی کا دور کہ اس کے بعد جن اخلاقی اور اعتقادی پستیوں میں گرے کہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ اکثریت میں اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کی صفات عنقا ہو چکی تھیں۔

طلسم و جہالت اور حق پرست قلیل گروہ:

اس زمانہ میں بنی اسرائیل پر جہالت ان پر غالب ہو چکی تھی اور وہ طلسم اور عملیات کی تدابیر میں مادی شان و شوکت کے ساز و سامان ڈھونڈتے تھے، لیکن ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جس نے توبہ کی طرف خود بھی توجہ مبذول کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دی۔

حضرت عزیر علیہ السلام

تجدید دین:

اسیری بابل کے زمانے کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے تجدید دین کا کام شروع کیا۔ برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کی اور قوانین شریعت کو پھر سے نافذ کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی مصلحانہ سرگرمیوں سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔

یونانیوں کا دور حکومت:

جب ایرانیوں کا دور ختم ہوا تو یونانی چھا گئے اور یونانی تہذیب کے فروغ کے لئے سیاسی اور معاشی دباؤ سے کام لیا گیا۔ اس مداخلت نے ان کے اندر انتشار کو ایک مرتبہ پھر ہوا دی۔ اینٹی کوس چہارم نے جب 175 قبل مسیح میں زبردستی یہودی مذہب و معاشرت کی منہج کرنا چاہی تو ایسے کاری وار کئے گئے کہ یہ قومی لحاظ سے ختم ہو جائیں۔

ہیکل میں بت اور دیگر یہودی شعائر:

یہودی ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے گئے۔ یہودیوں کو مشرکانہ قربانیوں کے شعار اپنانے پر مجبور کیا گیا۔ تورات کا نسخہ رکھنے والوں کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی۔ بچوں کے ختنے اور سبت کے احکامات پر عمل کرنے والوں کے لئے بھی ایسی ہی سزا مقرر کی گئی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

آزاد دینی ریاست اور اس کا زوال:

اس دور میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دینی روح اور مذہب کے زیر اثر انہوں نے جوڑس مکابی کی سربراہی میں ایک آزاد دینی ریاست قائم کی، لیکن جلد ہی جوش و جذبے کی جگہ دنیا پرستی اور ظاہر داری نے لے لی۔ باہمی انتشار کا یہ عالم تھا کہ خود ان کے اپنے لوگوں میں سے رومی حکمرانوں کو فلسطین پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے موجود تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یونانیوں کی بجائے رومی برسر اقتدار ہو گئے، لیکن اس مفتوحہ علاقے میں یہودیوں کی ریاست نما اکائی موجود رہی۔ یہاں بھی رومی تہذیب کو فروغ اور رومی قیصر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے

ہاں مسابقت کی دوڑ شروع ہوگئی اور نتیجہ دینی و اخلاقی تنزل ہی کی صورت میں نکلا۔

حضرت یحییٰ کی اصلاحات و تعلیمات:

اس دور میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ وہ گناہوں سے توبہ کی طرف مائل کرتے تھے۔ پتسمہ کی رسم اور اصطلاح میں غسل دے کر جسم اور روح کی پاکیزگی کی علامت انہوں نے مقرر کی تھی۔ یہودی روایات میں ان کا نام جون بیپٹسٹ کے طور پر مشہور رہا۔ وہ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ان کو عبادت کی ادائیگی کی تلقین کرتے۔ ان کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے:

”میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوندی کی راہ کو سیدھا کرو۔“

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

حضرت یحییٰ کی شہادت:

ان کے عہد کے فرمانروا ”ہیرڈ پاس“ نے جو رومی تہذیب کے رنگ میں رنگا ہوا تھا ان کو قید کر دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مقدس اور راست باز شخصیت کا سرتن سے اس لئے جدا کر دیا گیا کہ بادشاہ اپنی بہن سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کا زمانہ:

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ نبوت میں کچھ وقت مشترک بھی ہے چونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ علیہما السلام سے پتسمہ بھی لیا تھا۔ اس زمانہ میں یہودیوں کی حالت ہر طرف سے خراب تھی اور دو فرقے نمایاں طور پر فریسی اور صدوقی اپنی بگڑی ہوئی تعلیمات سمیت موجود تھے۔

فریسی:

فریسی قانون موسوی کی طرف مراجعت کے حامی تھے۔ معاشرتی لحاظ سے یونانیت نے عریانی و فحاشی اور ذہنی پراگندگی کے جو اثرات چھوڑے تھے یہ ان کے بہت خلاف تھے۔ یونانیوں

کے فلسفیانہ افکار کے علاوہ تالمود اور ہر قسم کے تشریحی لٹریچر کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ یونانی اور رومی اندازِ معاشرت کی مخالفت کرتے تھے۔ مذہب کے بارے میں تنگ نظری ان میں موجود تھی۔ مذاہب کے تمام تر دعویٰ کے باوجود مذہب کی حقیقی روح اور سچے جذبات سے عاری تھے اور ظاہر داری انتہاء پر تھی۔ انہوں نے رسوم پرستی کی وجہ سے دین کی آسائشوں کو تنگیوں سے بدل دیا تھا۔ مذہب کو ایک گورگھ دھندایا ہوا تھا۔ افراط اور غلو کا شکار تھے۔ پیر اور عالم بھی بنتے تھے لیکن مادی فوائد سے دست کش ہونا ان کے بس کی بات نہ تھی۔

صدقہ:

دوسرا دور صدوقوں کا تھا جو امراء اور نوابوں کے طبقے سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ دینی پیشوائی کے بھی دعویدار تھے۔ ان پر نہ صرف یونانیت اپنے گہرے اثرات چھوڑ چکی تھی بلکہ رومیوں کے عقائد اور اثرات بھی غالب تھے۔ یہ اپنی مذہبی تعلیمات کی تاویل کرنے میں بہت ماہر تھے۔ اغیار سے متاثر ہو کر اپنی اقتداء اور روایات سے قطع تعلقی کر لیتا یا ان کی ہیئت بدل ڈالنا ان کا طرہٴ امتیاز تھا۔ یہ ابنِ الوقتی کی کامیاب پالیسی کی وجہ سے بلند مناصب اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے تھے۔ مذہبی ادب میں سے تورات کو تسلیم کرتے تھے اور اکثر دینی ادب کو متروک سمجھتے تھے۔ یہ تجدد دین کی صحیح تعلیمات سے دور ہو چکے تھے، لیکن سیاست دنیوی کو کامیابی سے چلانا ان کا بنیادی مقصد بن چکا تھا۔ مادیت پرستی کا یہ حال تھا کہ معجزات کو ناممکن تصور کرتے تھے۔ روحانیت ان کے نزدیک کوئی معنی اور مفہوم نہیں رکھتی تھی، جو کچھ تھا وہ ان کی نگاہوں کے سامنے۔ محسوس اور محسوسات کی رغبت کی شاید وہ وجہ تھی جس کو دور کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزاتی پیدائش اور ان کو جو معجزات عطا کئے گئے، وہ بھی شاید اس لئے تھے کہ ان کی مذہبی حس کو بیدار کر سکے۔ اس ذریعے سے ان کو ایسا جھٹکا دینا مقصود الہی نظر آتا تھا کہ مادیت کا طلسم ٹوٹے اور ان کی نگاہیں اصل حقیقت کو دیکھ سکیں۔ صحیح و غلط اور حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ قدامت پرستی اور دوسری طرف تجدد پسندی نے ان کے عادات و اطوار کو مسخ کر رکھا تھا۔ افراط و تفریط کے مابین شریعت موسوی یا بعد میں آنے والے انبیاء کی مصلحانہ سرگرمیوں کے کوئی آثار باقی نظر نہ آتے تھے۔ کسی ہادی کی اتباع کرنا ان کو ناپسند تھا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی آواز خاموش کر دی گئی۔ ان کو اصلاحی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کی بابرکت وجود سے چھٹکارا

حاصل کیا گیا جو بنی اسرائیل کی بدبختی اور بے نصیبی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ انحطاط کے اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل میں ایک آخری حجت کی حیثیت رکھتے تھے۔

آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

مادیت پرستی اور اخلاقی انحطاط کی شکار اس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص معجزات عطا کئے۔ سورۃ آل عمران میں ان کی بعثت سے متعلق یہ اشارہ دیا گیا ہے:

”وَيَعْلَمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ“

”اور اللہ تعالیٰ نے اسے (عیسیٰ علیہ السلام) کو کتاب و حکمت سکھائی اور تورات و انجیل بھی۔ اور انہیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں۔“

(القرآن المجید، سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 48-49)

بشریت:

سورۃ الزخرف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وہ ایک بندے تھے جس پر ہم نے القامات کہے اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان بنایا۔“

(القرآن المجید، سورۃ الزخرف، آیت نمبر 59)

اللہ کی عبادت:

حضرت عیسیٰ لوگوں کو اسی امر کی تلقین کرتے رہے:

”پیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اس کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔“

(القرآن الکریم، آیت نمبر 61، سورۃ آل عمران)

جواز و عدم جواز کا سرچشمہ:

اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حلت و حرمت، جواز اور عدم جواز کے ضوابط کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو قرار دیتے تھے، لیکن یہود نے ان کی مصلحانہ سرگرمیوں کو درخود اعتناء خیال نہ کیا۔ اخلاقی بے راہ روی بھی ویسی ہی رہی اور دین و شریعت سے انحراف کا بھی وہی عالم تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات و اصلاحات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو گناہ، معصیت کے کاموں اور ریاکاری پر ٹوکتے رہے۔ راست بازی کی تلقین کرتے رہے، لیکن انہوں نے منفی رویہ ہی اختیار کئے رکھا۔ پیغام اور دعوت توحید کی مخالفت اس حد تک بڑھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن حکیم کی وضاحت کے مطابق آسمان پر اٹھالیا گیا۔ سرکشی کا وہ انتہائی مقام تھا جس کے بعد یہود کی آخری تباہی کے لمحات قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔

ہلاکت و بربادی کے متعلق تنبیہ:

حضرت عیسیٰ نے اس ہلاکت و بربادی کے متعلق کئی مرتبہ تنبیہ کی۔ انجیل متی کے باب نمبر 23 میں ان کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

”اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو! تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑے جاتا ہوں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔“

یروشلم کی تباہی اور ہیکل کا مسمار ہونا:

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ 70 عیسوی میں طیطس بادشاہ کے ہاتھوں آخری تباہی بربادی ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی بغاوتوں کے رد عمل میں فوجی کارروائی کے ذریعے یروشلم پر قبضہ کر لیا گیا۔ لاکھوں لوگ تہ تیغ ہوئے، شہر یروشلم اور ہیکل مسمار کر دیا گیا جو پھر کبھی تعمیر نہ ہوسکا اور شہر اگر دوبارہ آباد بھی ہوا تو ایلیا کے نام سے موسوم کیا گیا۔

خلاصہ گفتگو

پیغمبرانہ اصلاحات سے فائدہ نہ اٹھانا اور اس کا نتیجہ:

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تاریخ کے ادوار میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی اصلاح کے لئے انبیاء اور رسول مبعوث کئے، لیکن یہ پیغمبرانہ اصلاحات سے صحیح معنوں میں استفادہ نہ کر سکے۔ نتیجہ ذلت و رسوائی اور خدا کے غضب کا شکار ہونے کی صورت میں نکلا۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 61 کا مضمون اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے:

”وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ
الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ“

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 61)

”اور ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی اور وہ خدا کے غضب کے ساتھ لوٹے،
اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کا بلاوجہ ناحق
قتل کرتے تھے۔ نیز وہ نافرمان اور ظالم بھی تھے۔“



دین یہود کا مذہبی لٹریچر

بنیادی کتب

عہد نامہ اور تالمود:

یہود کا مقدس دینی ادب بنیادی طور پر دو کتابوں پر مشتمل ہے:

1: عہد نامہ قدیم (The old Testament)

2: تالمود (Talmud)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

اکابر کی دستاویزات:

عہد نامہ قدیم اور تالمود کو یہودی حکماء ”صہیون کے پروٹوکال“ یعنی اکابر کی دستاویزات کہتے ہیں اور انہیں یہود اپنی فکری اور ملی تعمیر کے لئے اہم ماخذ خیال کرتے ہیں۔

بائبل مقدس

موجودہ بائبل کی تقسیم:

موجودہ بائبل جو آج ہمیں دستیاب ہے وہ عیسائیوں کی کتاب ہے جو دو عہد ناموں پر مشتمل

ہے۔

1: عہد نامہ قدیم

2: عہد نامہ جدید (The New Testament)

لیکن اپنے نجات دہندے حضرت مسیح کی بشارتوں کو پیش کرنے کے لئے وہ عہد نامہ قدیم کو جو دراصل یہود کی کتاب ہے بائبل میں شامل کر لیتے ہیں۔

بائبل کا لفظ بائبل میں:

یہاں یہ ذکر خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ پوری بائبل میں لفظ ”بائبل“ کا کہیں ذکر نہیں ہوا۔ ایک مغربی محقق کے بقول یہ لفظ کوئی 1900ء میں پہلی بار انگریزی بائبل میں ظاہر ہوا۔ بائبل سے مراد مقدس کتب یا روحانی کتابیں لیا جاتا ہے:

"The word "Bible" is never used in the volume itself, in english its first appearance was in the 9th century"

یہود کی اصل کتاب:

بہر حال موجودہ بائبل میں عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ قدیم یہود کی کتاب ہے۔

عہد نامہ قدیم اور تورات:

بعض حضرات غلطی سے عہد نامہ قدیم کو تورات کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے کیونکہ تورات عہد قدیم کا ایک جزو ہے جو عہد قدیم کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔

خمسہ موسوی اور عہد نامہ قدیم کی کتب میں اختلاف:

عہد نامہ قدیم کا ایک جزو ہے جس میں پانچ کتابیں ہیں۔ انہیں خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم عہد میں مزید 34 کتابیں ہیں۔

یہاں اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم اگرچہ یہود اور عیسائی دونوں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی کتابوں کی تعداد میں بڑا واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہود کے ایک گروہ کے نزدیک خمسہ موسوی کے علاوہ اس میں صرف 34 کتابیں شامل ہیں جو کل 39 کتب ہوئیں۔ ان کتابوں کو اپوکریف (Apocrypha) یعنی خفیہ تحریریں کہتے ہیں۔ رومن کیتھولک کے ہاں یہی نسخہ مقبول ہے۔

پروٹسٹنٹ (Protestant) مکتب فکر کے عیسائیوں کا مقبول نسخہ ساٹھ زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔

عہد نامہ قدیم

تین حصے:

عہد نامہ قدیم کو آسانی کے ساتھ ان تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- 1: تورات۔
- 2: انبیاء کی کتابیں (The Prophts nebak)
- 3: متفرق کتابیں۔

تورات مقدس

تقسیم تورات:

تورات کو "The Law" یعنی شریعت اور قانون بھی کہتے ہیں۔ تورات میں مندرجہ

ذیل پانچ کتابیں شامل ہیں:

1: کتاب پیدائش (Genesis)

2: کتاب خروج (Exodus)

3: کتاب احبار (Leviticus)

4: کتاب گنتی (Numbers)

5: کتاب استثناء (Deuteronomy)

بعض لوگوں نے یسوع کی کتابوں کو بھی تورات میں شامل کیا ہے، لیکن معروف و مقبول تقسیم کے دور سے یہی پانچ کتابیں ہی تورات کہلاتی ہیں۔

کتاب پیدائش:

تورات پانچ کتب پر مشتمل ہے۔ ان پانچ کتابوں میں پہلی کتاب پیدائش ہے جسے حضرت اسکو بن اور انگلش میں "Gcnesis" کہتے ہیں۔ قدیم ترین مسودات کی ورق گردانی کے بعد علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی قبل مسیح میں تحریری شکل میں آئی۔ اس میں ابتدائی تاریخ، اسرائیلیوں کی روایات اور کہانیاں مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ تخلیق کائنات، تخلیق آدم، انبیاء کے حالات کے ضمن میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، ان کے بھائیوں کا قصہ اور ان کی مصر میں وفات تک مذکورہ اس کتاب میں موجود ہے۔

کتاب الخروج:

دوسری کتاب کا نام کتاب خروج یا سفر الخروج ہے۔ اسے انگریزی میں "Exodus" کہتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی باہر نکلنے کے ہیں۔ اس سے مراد اجتماعی خروج ہے۔ اس کتاب کا نام اس کے مشتمل مضمون کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اس میں درج ہے کہ عبرانی لوگ کس طرح مصر سے روانہ ہوئے اور اس کے بعد صحرائے سینا میں دشت نوردی کرتے رہے۔ اس کتاب میں صحرائے سینا میں شریعت کے عطا کئے جانے کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ پہلے اٹھارہ ابواب میں صحرائے سینا میں قانون موسوی کے عطاء کئے جانے میں یہود کے خدا "یہوداہ" کا ارتقائی ذکر بھی موجود ہے۔

کتاب الاحبار:

تیسری کتاب کا نام کتاب الاحبار یا سفر الادیون ہے۔ حضرت یعقوب کے ایک بیٹے کا نام لادی تھا اور حضرت موسیٰ کا تعلق بھی بنو لادی سے تھا۔ دینی کتب کا پڑھنا پڑھانا اور مذہبی فرائض کی ادائیگی انہی کے ذمہ تھی۔ یہ کتاب ان کے فقہی احکامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں تاریخ کا بیان نہیں بلکہ قانون اور احکامات کی تشریح ہے۔ معاشرتی مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ گناہوں کے کفارے، کھانے پینے، صفائی، طہارت اور روزمرہ زندگی میں مختلف مواقع پر جن احکامات کو ملحوظ رکھنا چاہئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ قربانی سے متعلق قوانین اور ضوابط کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔ چونکہ پوری کتاب میں مذہبی قوانین کو بیان کیا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے اس کا نام سفر الادیون رکھا گیا۔

کتاب گنتی:

چوتھی کتاب گنتی یا سفر العدد ہے۔ جسے انگریزی میں "Numbers" کہتے ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے خاندان کے شجرہ ہائے نسب بیان کئے گئے ہیں۔ تاریخ اور حالات کا تذکرہ بھی ہے، لیکن بنی اسرائیل کے اعداد و شمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس لئے اس کو سفر العدد کا نام دیا گیا ہے۔ تاریخی حالات کے ضمن میں اس موضوع پر تبصرے موجود ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحرائے سینا سے نکل کر اردن اور ماورائے اردن کا علاقہ فتح کیا۔

کتاب استثناء:

پانچویں کتاب استثناء یا سفر التثنيه ہے۔ اس کا مفہوم ہے:

”کسی چیز کو دہرائیا اس کا اعادہ کرنا۔“

اس کتاب میں دوسری اور تیسری کتاب کے قوانین کی دہرائی یا وضاحت موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ بھی دوبارہ بیان کئے گئے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبات بھی شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔ ان پانچوں کتب کو "Pentateuch" یعنی اسفار موسیٰ یا کتب خمسہ کہا جاتا ہے۔

انبیاء کی کتب

دواقسام:

یہ کتب انبیاء کی تاریخ اور ابتدائی تاریخی کتابوں پر مشتمل ہے۔ انہیں دو طرح تقسیم کیا گیا ہے۔

- 1: انبیائے متقدمین کی کتب۔
- 2: انبیائے متاخرین کی کتب۔

انبیائے متقدمین کی کتب:

انبیاء متقدمین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

- 1: کتاب یسوع۔
- 2: کتاب قضاۃ۔
- 3: کتاب سموئیل ثانی۔
- 4: کتاب سلاطین اول۔
- 5: کتاب سلاطین ثانی۔

انبیائے متاخرین کی کتب:

انبیاء متاخرین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

- | | |
|----------------------|------------------|
| کتاب یسعیاہ (یسعیاہ) | کتاب جرمیاہ۔ |
| کتاب حزقیال۔ | کتاب ہوشیہ۔ |
| کتاب یوئیل۔ | کتاب عموس۔ |
| کتاب عبدیہ۔ | کتاب میکاہ نحوم۔ |
| کتاب جہوق۔ | کتاب حجی۔ |
| کتاب ہسکون۔ | کتاب زکریا۔ |
| کتاب ملاکی۔ | |

متفرق کتابیں

متفرق کتب کی اقسام:

متفرق کتب کی دواقسام ہیں:

1: عظیم کتب (مقدس صحائف) 2: پانچ مجلات۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عظیم کتب کی تقسیم:

عظیم کتب میں تین کتابیں شامل ہیں:

1: زیور۔ 2: امثال۔

3: ایوب مزامیر (Proverbs Psalms)

مجلات کی تقسیم:

پانچ مجلات اس میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

1: غزل الغزلات (Song of Songs) 2: روت۔

3: ہرمیہ کونوحہ۔ 4: الجماعہ۔

5: آستر (Esther)

کتب:

1: دانیال 2: لخمیاہ 3: توارخ الاول 4: توارخ الثانی

عہد نامہ قدیم کی کتب کی تعداد:

یہ 39 کتابوں پر مشتمل مقبول و معروف مجموعہ عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے اور یہ تقسیم پروٹسٹنٹ چرچ (Protestant Church) میں مروج ہے۔ جبکہ رومن کیتھولک چرچ والے اس میں سات کتابیں اور شامل کرتے ہیں۔ اس طرح رومن کیتھولک کے نزدیک کل کتب کی تعداد 39 کی بجائے 42 ہے۔

تالمود

وحی غیر مقطوع:

تالمود کو بھی یہود کے ہاں بہت اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کو وحی غیر مقطوع کی حیثیت حاصل ہے۔ تالمود ان روایات کا مجموعہ ہے جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بہ سینہ علماء کاتبوں، احبار اور پھر ربیوں تک پہنچا۔ المختصر تالمود عہد نامہ قدیم کے تشریحی لٹریچر کی حیثیت حاصل

ہے۔

پس منظر:

تالمود کا پس منظر یہ ہے کہ ہیکل کی تباہی کے بعد صدوقی مکتب فکر کے لوگ تدریجاً کم ہوتے چلے گئے اور فریسی رہ گئے۔ جن کے ذمے یہود کی روحانی زندگی کا مقدس فریضہ تھا۔ ایک سوعیسوی کے قریب یہود کی ایک مجلس نے مذہبی قوانین کی شیرازہ بندی کا اہتمام کیا تاکہ ہیکل کی عبادت اور نذر و قربانی کا سلسلہ جاری رہے۔ کئی صدیوں کے طویل عرصے میں یہود کے دینی قوانین کا ارتقاء ہوتا رہا جس کے نتیجے میں روایات کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا جس کو سامن اور اس کے بیٹے یہودا (Rabbi) ربی اور اس کے شاگردوں نے تیار کیا تھا۔

دو تالمودیں:

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ تالمود دو ہیں:

- 1: فلسطینی تالمود۔
- 2: بابلی تالمود۔

تالمودوں کی زبان:

فلسطینی اور بابلی دونوں تالمودوں کی زبان رومی ہے۔

حجم میں فرق:

فلسطینی تالمود بابلی تالمود سے حجم میں تین گنا بڑی ہے اور اس میں دین، قانون اور اخلاق پر مواد نسبتاً بہت مفصل ہے۔ یہ دراصل فلسطینی تالمود سے مستنبط ہے اور چھٹی صدی عیسوی میں اس کی تکمیل ہوئی۔

یہود پر تالمود کا اثر:

تالمود نے یہود کی زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس نے تالمود کی تعلیم سے بے اعتنائی برتی اور صرف تورات میں مشغول رہا تو وہ نجات نہیں پاسکتا۔

تالمود کے بغیر تورات:

یہود نے تورات کو ختم اور تالمود کو ادا ایم (سالن) سے تشبیہ دی ہے۔ یہود کا یہ بھی کہتے ہیں:

”جس نے تالمود کے بغیر تورات پڑھی اس کا کوئی خدا نہیں ہے۔“

تالمود کے دواہم ترین حصے:

تالمود دو حصوں میں منقسم ہے:

1: مشاء 2: گمارا

مشاء

(Mishinah)

اہم ترین معلومات:

تالمود کی بنیاد جس کو متن کہنا چاہئے مشاء (Mishinah) کہلاتی ہے۔ جس کا معنی تکرار اور اعادہ ہے۔ یہ علماء یہود کے ان اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے جو انہوں نے عہد قدیم کی روشنی میں منضبط کئے۔

اہم ترین مضامین:

مشاء میں زراعت، تہوار، عائلی قوانین، سول اور تعزیری قوانین، مذہب و قربانی، پادریوں سے متعلق احکام اور نظامت قوانین جاری کئے گئے۔ اس میں ۳۶ صحیفے ہیں اور یہ ۱۴۲۵ ابواب ہیں۔

مشاہ کے چھ حصے:

مشاء (Mishnah) بائبل کی نفس مضمون کے لحاظ سے شرح ہے۔ مشاء کے چھ حصے کئے گئے ہیں جن میں ہر حصہ ایک خاص عنوان اور بحث پر مشتمل ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

- 1: زراعیم (Zeraim) 2: موعد (Moed)
- 3: ناشیم (Nishim) 4: نزیقین (Nezkin)
- 5: کوداشیم (Kodoshim) 6: توہوروتھ (Tohoroth)

مختلف حصوں کی تفصیل:

زراعیم: زراعیم کے معنی بیج کے ہیں۔ پیداوار اور زراعت کے متعلق شرعی

حدود و قیود اور احکامات کا تذکرہ اس میں کیا گیا ہے۔

موعد: اس میں ان کے مذہبی تہواروں اور مذہبی رسومات کا ذکر ہے۔

ناشیم: ناشیم کا معنی ہے عورتیں۔ اس حصے میں عورتوں سے متعلق مسائل نکاح اور

عدت کے احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

نزیقین: نزیقین کا معنی ہے نقصانات۔ اس حصے میں کفارات، تاوان اور قصاص سے

متعلق احکامات بیان کئے گئے ہیں۔

کوداشیم: کوداشیم کے معنی مقدس چیزیں ہیں۔ پاکیزہ اشیاء کے متعلق اس حصے

میں اسی طرح وضاحتیں موجود ہیں جس طرح ہمارے ہاں تکریم کعبہ اور فضیلت قرآن کی ہیں۔

توہوروتہ: اس میں صفائی اور طہارت کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

گمارا

مثناء کی مزید تشریح:

مثناء کے اس متن کی بنیاد پر اس کی مزید تشریح و تعبیر کی گئی ہے۔ اس کے معنی تکمیل

(Completion) کے ہیں جسے گمارا کہا جاتا ہے۔ مثناء اور گمارا دونوں کے مجموعے کو تالمود

کہا جاتا ہے۔

گمارا کا معنی:

گمارا کا معنی ہے:

”مطالعہ ہدایت (Study of Instruction)“

یہ ایک وسیع مجموعہ ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں طب، نباتات، فلکیات،

جیومیٹری اور دوسرے مضامین کے بارے میں بھی تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔



یہودی لٹریچر تنقید و تحقیق کی نظر میں

مندرجہ ذیل تین عنوانات کے تحت ہم عہد نامہ قدیم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں:

1: عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت۔ 2: داخلی اور خارجی شہادت۔

3: عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں۔

عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت

سات قیامت خیز تباہیاں:

تاریخ کے اوراق اس بات پر گواہ ہیں کہ بنو اسرائیل پر سات مرتبہ قیامت خیز تباہیاں آئیں۔ اس طرح کئی بار یہ کتاب تورات گم ہوئی اور کئی بار لکھی گئی۔

پہلی تباہی، سامریہ کی شمالی سلطنت:

آٹھویں صدی قبل مسیح میں جب سامریہ کی شمالی سلطنت کو تباہ کیا گیا اور بنو اسرائیل گرفتار کر کے نینوا لائے گئے۔ یہ تباہی محض اس قدر ہولناک تھی کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ محققین کی دور رس عینکوں اور خوردبینوں سے بھی دریافت نہ ہو سکا کہ بنی اسرائیل کے دس قبائل کہاں گم ہو گئے؟

دوسری تباہی، شاہ مصر:

یروشلم پر 971 قبل مسیح میں شاہ مصر نے حملہ کر کے اسے تباہ کیا۔

تیسری تباہی، بابل کا بادشاہ بخت نصر:

600 قبل مسیح میں بابل کے تاجدار بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کیا، بیت المقدس میں محفوظ تبرکات اور عہد قدیم کی اس وقت تک موجود کتابوں کو جلا کر رکھ کر ڈالا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا۔

چوتھی تباہی، یونانی بادشاہ:

168 قبل مسیح میں اٹھارہویں کے یونانی بادشاہ اینٹوینس نے یروشلم پر حملہ کیا۔ اس دوران جمع کئے ہوئے مقدس صحیفوں کو جلا ڈالا اور تورات کی تلاوت کو حکماً بند کر دیا۔

پانچویں تباہی، بادشاہ طیطس:

70 عیسوی میں رومیوں نے یلغار کی اور طیطس (Titus) نے بیت المقدس کو اس طرح برباد کیا کہ یہودی پھر آ کر اس میں دوبارہ آباد نہ ہو سکے۔ اس دوران مقدس صحیفوں کو ہیکل سے نکال کر فتح کی یادگار کے طور پر روم کے محلات میں لے جایا گیا۔

چھٹی تباہی، قیصر روم:

اس کے بعد قیصر روم نے یلغار کی اور پانچ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔

ساتویں تباہی، خسرو پرویز:

613ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم کو تباہ کیا اور 90 ہزار یہودی قتل کئے گئے۔

عہد نامہ قدیم کا غیر محفوظ ہونا:

یہود کے قتل، ان کی عبادت گاہوں کی تباہی اور مقدس صحیفوں کے جلائے جانے کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ عہد نامہ قدیم محفوظ نہ رہ سکا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

موجودہ عہد نامہ قدیم یا جدید:

عہد نامہ قدیم کی تدوین کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی تدوین بہت بعد میں عمل میں آئی۔ ایک مغربی محقق کہتا ہے:

”موجودہ عہد نامہ قدیم کے متن کو آخری مرتبہ ساتویں صدی مسیح میں مرتب کیا گیا اور جن لوگوں نے اسے مرتب کیا ان کو مسور آئی کہا جاتا ہے۔ باقی کی جو کاپیاں تھیں یا وہ نسخے جو ناقص یا بوسیدہ پائے گئے ان کو اچھی طرح جانچنے کے بعد ضائع کر دیا گیا۔ چنانچہ عبرانی مخطوطہ کوئی بھی نویں صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں اور یہ سب کے سب مسور آئی متن کے حامل ہیں۔“

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم کی آخری شامل شدہ کتاب ”Dancial“ سے لے کر مسورائی متن کے اولین مخطوطے تک ہزاروں برس کا وقفہ ہے اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فلسطین کے نزدیک ”Dead Sea“ کے قریب ایک غار سے سیدھا اور

دوسری کتابوں کے اجزاء برآمد ہوئے۔ ان کے متعلق محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ دوسری صدی قبل مسیح میں لکھے گئے۔ اس سے قبل کے زمانے میں صرف عہد نامہ قدیم تورات والے حصے پر مشتمل ہے اور مسورائی متن سے ملتا ہے۔ دوسرے یونانی نسخے سے متعلق سیرینہ کے متعلق ایک عجیب و غریب واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ مصر کے بادشاہ مظلموس نے اپنے کتب خانے اسکندریہ کے لئے چاہا کہ یہودیوں کی مقدس کتابوں کی ایک ایک نقل وہاں رکھے۔ چنانچہ اس نے بہت سارے یہودی غلاموں کو آزاد کر کے یروشلم بھیجا، وہاں سے ستر علماء کا انتخاب کر کے انہیں ایک جزیرے میں رکھا گیا اور ان میں سے ہر ایک نے الگ الگ کتابوں کا ترجمہ کیا جو لفظ بلفظ یکساں تھا۔ اس لئے اسے الہامی قرار دے دیا گیا۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے آرٹیکل میں یہ بات موجود ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"The law veing burnt, ezru at his own request was insipred two rewrite it in 40 days he dictaed 94 books to five scribes"

الغرض ان مسلسل اور پے در پے تباہیوں سے نسخوں کا تواتر ختم ہو گیا اور ہر فرقہ نے اپنے مفاد اور نظریات کے مطابق توریت میں کمی بیشی کی۔ نیز اس کی زبان بدلتی رہی۔ کبھی عبرانی، کبھی رومی اور کبھی یونانی۔

عہد قدیم میں تحریف کی داخلی اور خارجی شہادت

حضرت موسیٰ کی وفات:

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اس طرح ہے:

”میں خداوند کے بندے موسیٰ نے خداوند کے کہنے کے مطابق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت مخفور کے مقابل دفن کیا۔ یہ آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور اس وقت سے لے کر آج تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی جس نے موسیٰ کی مانند خدا کے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔“

(کتاب استثناء، باب نمبر 34، آیات 5 و مابعد)

صندوق موسوی:

عہد نامہ قدیم کی کتاب سلاطین اول، باب نمبر 8 کی آیات نمبر 6 سے 9 میں مذکور ہے:

”اور اس صندوق میں کچھ نہیں تھا۔ سوا پتھر کی ان دو الواح احکام عشرہ کے جن کو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رکھ دیا جس وقت کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے جب وہ ملک مصر سے نکل آئے عہد باندھا تھا۔“

عہد نامہ قدیم کی تباہی بابل کی رو سے:

سلاطین دوم باب نمبر 20، آیت نمبر 16 اور 17 میں مذکور ہے:

”تب سبسیاہ نے حذقیہ سے یہ کہا: ”خداوند کا کلام سن لے۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ سب کچھ جو تیرے گھر میں ہے اور جو کچھ تیرا باپ دادا نے آج کے دن تک جمع کر رکھا ہے، وہ بابل کو لے کر جائیں گے اور خداوند فرماتا ہے کہ باقی کچھ نہیں رہے گا۔“

تحریف کا اقرار:

عزرافتہ نے (جسے تدوین بابل کا سب سے بڑا محسن قرار دیا جاتا ہے) اپنے متعلق دو کتابوں (عزرا اول اور عزرا دوم) میں یہ لکھا ہے:

”اے خداوند! دنیا میں اندھیرا چھا رہا ہے اور جو لوگ اس میں بستے ہیں سب بغیر روشنی کے ہیں، کیونکہ تیری ہدایت اور قانون جل چکا ہے۔ اس لئے کوئی شخص نہ ان معاملات کا علم رکھتا ہے جو گزر چکے ہیں اور نہ ان کا جو شروع ہو رہے ہیں، لیکن میں نے تیرے حضور عزت پائی ہے۔ اس لئے روح القدس کو مجھ میں داخل کر دے اور میں پھر وہ سب کچھ لکھوں جو دنیا میں ہو چکا ہے۔“

(عزرا دوم، باب نمبر 14، آیات نمبر: 12-20)

عزرا دوم میں لکھا ہے:

”اور میری روح نے میرے حافظے کو قوی بنا دیا ہے اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوتی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے تھے اور

میں دن بھر لکھتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ 40 دنوں میں انہوں نے 204 کتابیں لکھ ڈالیں۔“

(عزرا دوم، باب نمبر 14، آیت نمبر: 38 تا 40)

لحمیاء میں ہے:

”یہود غلامی کے دور میں اپنی زبان بھی بھول گئے تھے، یہود کی زبان پہلے عبرانی تھی، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ تورات کا نسخہ جو بطلیموس شاہ یونان نے تیار کرایا تھا وہ یونانی زبان میں نہیں تھا۔“

(لحمیاء، باب نمبر ۱۳، آیت نمبر: ۲۳ تا ۲۵)

عزرا کی ترتیب و تدوین:

زمانہ اسیری میں سبت کے دن علماء یہود مجلسیں قائم کرتے ہیں۔ پہلے تورات کی عبرانی زبان میں تلاوت کرتے تھے پھر اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ غالباً یہی مواد تھا جس سے عزرا نبی نے بعد کی کتابوں کو مدون کیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف ببلکل (Biblical) لٹریچر میں یہ مذکور ہے:

”عزرا نے تمام شقیق کو محض حافظے کی مدد سے تحریر کیا کیونکہ ان تمام کتابوں کے نسخے غفلت کی وجہ سے معدوم ہو چکے تھے۔“

عہد نامہ قدیم قرآن کی روشنی میں

عہد نامہ قدیم اور تورات:

قرآن کریم عہد نامہ قدیم کا سرے سے ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف تورات کے نزول کا حوالہ دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے:

”نزل عليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه وانزل

التورات والانجيل من قبل هدى للناس“

”اللہ نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے

یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی۔“

کتاب موسیٰ:

سورہ ہود میں اس کو کتاب موسیٰ کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ“

”اور اس سے پہلے اس نے کتاب موسیٰ (تورات) بھی نازل فرمائی۔“

صحیفہ موسیٰ:

قرآن مجید نے تورات کو صحف کا نام بھی دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”صُحُفَ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ“

”ابراہیم و موسیٰ کے صحائف۔“

گویا قرآن حکیم صرف تورات کے نازل ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔

تورات کا مبدل ہونا:

قرآن مجید میں ہے کہ یہود نے اپنی کتاب کو تبدیل کر لیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا

تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ“

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۱۳)

”انہوں نے کلام کو اس کی جگہ سے بدل دیا اور جو انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا اکثر

حصہ وہ بھول گئے۔ ان کی اس خیانت (تحریف) پر بہت کم لوگ مطلع ہوئے۔“

قیام تورات:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قُلْ يَا هَلَالُ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ

وَالْإِنْجِيلَ“

”فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تمہارا کوئی دین نہیں جب تک تم تورات و انجیل کو قائم نہیں

کرتے۔“

اس آیت میں اہل کتاب کو یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ اصل تورات اور انجیل پر عمل کریں اور

اپنی خواہشات کو بروئے کار لانے کی کوشش نہ کریں۔

تورات کو اپنانے کا حق:

سورہ جمعہ میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے تورات کو اپنانے میں حق ادا نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مثل الذین حمل التورات ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفار“

”جس آدمی نے تورات کو اٹھایا پھر اس پر عمل نہیں کیا اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔“

گویا اس آیت کریمہ میں قرآن کریم یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہود کو جو اصل تورات دی گئی تھی یہ لوگ اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے اور انہوں نے اصل تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔

موجودہ بائبل کے انبیاء کرام علیہم السلام پر الزامات

بانیان مذاہب کی عقیدت اور یہودی قوم:

ہر دین کے پیروکار اپنے بانیان مذاہب کے احترام اور اعزاز کے قائل ہیں کیونکہ کسی رہنما سے اس وقت تک قلبی عقیدت اور ڈھنی وابستگی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس شخصیت کی اخلاقی پاکیزگی اور بلند کرداری کا پختہ یقین نہ ہو لیکن یہودی قوم کا معاملہ اس ضمن میں بالکل جداگانہ ہے۔ وہ ایک طرف تو انبیاء و رسولوں کو خدا کا فرستادہ مانتے ہیں تو دوسری طرف ان کی سیرت و کردار پر ایسے اخلاق سوز الزامات لگاتے ہیں جن کا تصور رسول تو کجا ایک عام شریف انسان کے متعلق بھی نہیں کیا جاسکتا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

اپنی سیاہ کاریاں یا.....:

اس کا سبب بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جب بنی اسرائیل کے عوام و خواص، علماء و احبار اور حکام اخلاقی انحطاط کی پستی میں گر گئے تو اپنی اصلاح کی بجائے اولیاء عظام اور انبیاء کرام کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنا شروع کر دیا تا کہ ان کی اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ پڑا رہے اور جواز پیدا کیا جاسکے۔

یہود اور ہندو:

اس تاریک پہلو میں ہندو قوم بھی یہودیوں کی ہم نوا رہی ہے جس نے اپنے قومی ہیرو اور دینی راہنماؤں بلکہ دیوی دیوتاؤں کو اخلاقی بد اعمالیوں کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔

عہد نامہ عتیق اور انبیاء کی گستاخیاں:

ذیل میں ہم عہد نامہ عتیق سے کچھ مثالیں دیتے ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام پر گھٹیا، فحش اور ناقابل یقین الزامات لگائے گئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ باتیں اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایجاد بندہ ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

”اور نوح کاشت کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اس نے اس کی شراب پی، اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے پر برہنہ ہو گیا۔“

(کتاب پیدائش، باب نمبر ۹، آیت نمبر: ۲۰ اور ۲۱)

حضرت لوط علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

اسی طرح کتاب پیدائش باب نمبر ۱۹ میں حضرت لوط علیہ السلام پر شراب خوری اور اور خود اپنی بیٹیوں سے بدکاری کا ناقابل یقین غلیظ الزام ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

بائبل کی کتاب پیدائش اور تالمود میں حضرت یعقوب علیہ السلام پر بے صبری اور ناشکری کا بہتان ہے۔ نیز ان کا خدا سے تمام رات کشتی لڑنے کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

سلاطین اول، باب نمبر ۱۱، آیت نمبر ۱ تا ۶ میں درج ہے:

”سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خدا کی پوری پیروی نہ کی۔“

نیز اسی میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر بت پرستی، مشرک عورتوں سے نکاح کرنے اور ان

کے عشق میں مبتلا ہو جانے کا ذکر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

نیز کتاب سموئیل ، باب نمبر 11 میں حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے ایک ملازم کی خوبصورت جوان بیوی کی تاک جھانک کرنے کا الزام ہے۔ اسی طرح اس کے عشق میں مبتلا ہونے اور اس سے بدکاری کا الزام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

اس طرح بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ عشق بازی کا الزام ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

بائبل میں حضرت ہارون علیہ السلام پر شرک و کفر اور گائے پرستی کا الزام ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی:

بائبل میں حضرت ایوب علیہ السلام پر بے صبری کا الزام درج ہے۔

بائبل، قرآن مجید اور انبیائے کرام کی تعظیم:

بائبل کے برعکس قرآن حکیم نے تمام انبیاء اور رسل کی عصمت اور پاکیزگی کا اعلان کیا ہے اور ان تمام الزامات سے انبیاء کو بری الذمہ ٹھہرایا ہے جن کا تذکرہ ہمیں بائبل میں ملتا ہے کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔



دین یہود عقائد اور رسومات کے تناظر میں

عمل، ایمان اور اخلاق رذیلہ

بنیاد مذہب:

یہودی عقائد کی بنیاد خدا کی واحدانیت اور بنو اسرائیل کی فضیلت نیز اس نسل کے ساتھ خدا کے مخصوص تعلق پر ہے۔

خیر اور اس کا حصول:

یہودی عقیدہ کی رو سے یہ دنیا خیر ہے اور انسان کو اس خیر کے حصول کا پورا پورا اختیار دیا گیا ہے۔

اہمیت عمل، موجودہ صورت حال اور تفصیلی احکام:

یہودیوں کے ہاں عمل کی اہمیت ایمان سے زیادہ ہے۔ موجودہ صورت حال میں ان کا مذہب ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جو ہر انسانی عمل کو رضائے الہی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ زندگی کے ہر عمل کے لئے ان کے ہاں نہایت تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مثلاً: روزمرہ کی گفتگو میں ایک معمولی سا مبالغہ یا ادنیٰ سی دل آزاری یہودیوں کے نزدیک کسی بڑے گناہ کا موجب بن سکتی ہے۔ یہودیوں کے لئے مذہباً ممنوع ہے کہ وہ فحش کلامی کا ارتکاب کریں یا کسی کو اشتعال دلائیں یا کسی کمزور اور لاچار آدمی کے سامنے غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کریں۔

مذہبی رسوم، کفر اور تبلیغ یہودیت

یہودیوں میں اگرچہ مذہبی رسوم کی پابندی نہایت اہم بنیاد ہے لیکن عقیدہ اور عمل کی کوتاہی ایک یہودی کے لئے اس کے مذہب سے اخراج کا باعث نہیں بن سکتی، سوائے اس کے کہ کوئی یہودی اپنے مذہب کو اعلانیہ ترک کر دے۔ یہودیوں میں تبلیغ کا بھی کوئی دستور نہیں اور کسی دوسرے شخص کو تبلیغ کے ذریعے یہودی بنانا مستحسن خیال نہیں کیا جاتا۔ اس طرح یہودیت ایک غیر تبلیغی مذہب ہے۔

سیاسی، سماجی اور معاشرتی قوانین

یہودی مذہب سیاسی اور سماجی امور کے لئے بھی راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ اس نے انسانی تعلقات کی باہمی عہدگی پر زور دیا۔ معاشرے میں قیام امن کی خاطر جو قوانین نافذ کئے گئے ان میں سب سے اہم قانون ”قصاص“ ہے۔ قصاص کا معنی ہے کہ قتل کی صورت میں قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ ان کا قانون قصاص بڑی حد تک اسلام کے قانون قصاص سے مماثلت رکھتا ہے۔

فرائض خمسہ اور بنیادی عقائد

پانچ فرائض:

ہر یہودی پر مذہباً یہ پانچ چیزیں فرض ہیں:

- 1: وہ دن میں تین بار عبادت کرے۔
- 2: کھانے سے پہلے شکرانہ کی دعا پڑھے۔
- 3: زندگی کی ہر نعمت کے لئے اظہار شکر کرے۔
- 4: کتاب مقدس کی ہر روز تلاوت کرے۔
- 5: صبح کی عبادت کے وقت خاص مذہبی لباس میں ملبوس رہے۔

بنیادی عقائد:

یہودی عقائد کو ایک یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے اس طرح بیان کیا ہے:

- 1: وجود خداوندی پر ایمان۔
- 2: خدا کی وحدت پر ایمان۔
- 3: خدا کے دائم ہونے پر ایمان۔
- 4: خدا کے غیر مادی ہونے کا تصور۔
- 5: اس پر ایمان کہ عبادت صرف خدائے واحد کی ہی کی جائے۔
- 6: پیغمبروں پر ایمان۔
- 7: اس پر ایمان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے۔
- 8: اس پر ایمان کہ تورات (زبانی و تحریری) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ سینا پر عطاء کی

گئی۔

9: اس پر ایمان کہ تورات ناقابل تغیر ہے۔

10: اس پر ایمان کہ خدا علیم وخبیر ہے۔

11: یوم آخرت کی جزا و سزا اور حیات بعد موت پر ایمان۔

12: مسیح کے آنے پر ایمان۔

13: مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

یہودی احکام عشرہ

لوحوں پر کندہ احکام:

یہودیت کی معاشرتی تعلیمات ہمیں ان موسوی احکام عشرہ میں ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔

احکام کی تفصیل:

چنانچہ تورات میں ہے:

1: تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا

تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ 2: تو خون مت کر۔

3: تو زنا مت کر۔ 4: تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔

(بائبل، باب نمبر ۷۔ ۱۰)

دوسری جگہ ہے:

5: تو اپنے پڑوسی کی جو رو کا لالچ مت کر۔ 6: اس کے غلام کا لالچ مت کر۔

7: اس کی لونڈی کا لالچ مت کر۔ 8: اس کے بیل کا لالچ مت کر۔

9: اس کے گدھے کا لالچ مت کر۔

10: اور اس کی کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔

(کتاب استثناء: ۲۲: ۵) (خروج: ۲۰: ۱۷ تا ۱۷)

بائبل کے معاشرتی احکام

عمدہ ترین تعلیم:

بائبل میں ماں باپ کی عزت و تکریم کے خلاف بات کہنے، زنا، خون، چوری، جھوٹی گواہی اور پڑوسی کے گھر کا لالچ وغیرہ سے ممانعت کی گئی ہے۔

(استثناء، باب الخروج ۲۰: ۱۲ تا ۱۷)

عورت پر شوہر کی حکومت:

(The man is the owner the women is the chattle)

موجودہ موسوی شریعت نے عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ محکوم اور غلام بنایا ہے جبکہ اسلام نے ان کے حقوق مقرر کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”هن لباس لكم وانتم لباس لهن“

(سورہ بقرہ)

”عورتیں مردوں کا اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔“

جبکہ تورات میں ہے:

”خدا تیرے درد حمل کو بڑھائے گا۔ تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔“

(پیدائش، باب نمبر: ۳)

لڑکی کے اغواء کا جرمانہ:

موجودہ تورات کے مطابق شادی سے پہلے عورت باپ یا ولی کی ملکیت ہوتی ہے۔ لہذا لڑکی کو اغواء کرنے والا قانوناً لڑکی کے والد کو جرمانہ ادا کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

”اگر کوئی چھوکری کو فریب دے کر مباشرت کرے اور اس کی قیمت دے کر نکاح کرے تو اگر اس کا باپ راضی نہیں تو وہ کنواریوں کے اجراء کے مطابق نقدی دے۔“ (خروج، آیت نمبر: ۲۲ تا ۲۶)

دوسری جگہ ہے:

”اگر کوئی کنواری لڑکی کو پاوے جو کسی کی مگیت تھی۔ اس کو پکڑ کر ہم بستر ہو تو وہ لڑکی کے باپ کو 50 مثقال چاندی دے (اگر پکڑے جائیں) اور زندگی بھر اسے طلاق نہ دے۔“ (استثناء: ۲۲-۲۸)

یہ احکامات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں کیونکہ اسلام میں غیر شادی شدہ بدکار کی سزا سو کوڑے اور شادی شدہ کے لئے رجم ہے۔

حق مہر:

موسوی شریعت میں مہر دینا فرض ہے۔

(پیدائش، باب نمبر ۳۷) (خروج: باب نمبر ۲۲) (استثناء، باب نمبر ۲۲، آیت نمبر ۲۹) (سموئیل اول: ۱۸/۲۵)

تعداد ازواج:

عہد نامہ عتیق کے مطابق ایک سے زائد بیویاں کرنا جائز ہے۔ اسرائیلی انبیاء نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کئے۔ بی بی سارہ، بی بی حاجرہ اور بی بی قطورہ سے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ حضرت سموئیل نبی کے والد کی دو بیویاں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دو، داؤد علیہ السلام کی ایک سوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات بیویاں تھیں۔

(پیدائش: باب نمبر ۱۶) (استثناء: باب نمبر ۲۱) (احبار: باب نمبر ۱۸) (سموئیل: باب نمبر ۱) (سلاطین اول: باب اول) (تاریخ: باب نمبر ۳)

پادری فاکس اپنی کتاب ”غلطیوں کی اصلاح“ میں رقم طراز ہے:

”ہم تعداد ازواج کے بارے میں بے تردّد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خداوند نے اس کو منع نہیں فرمایا، بلکہ اس رسم پر چلنے والوں سے برکت کا وعدہ فرمایا۔“

طلاق کے احکام:

تورات میں ہے:

”عورت خاوند کی مملوکہ ہے۔ جب اس میں کوئی پلید بات دیکھے تو اس کو طلاق نامہ لکھ کر اس

کے ہاتھ میں دے اور اسے گھر سے باہر کر دے۔“

(استثناء: ۱:۲۳)

بائبل میں درج ہے:

”اگر کوئی غلام نکاح کرے، اس کی بیوی سے اولاد ہو تو جب ساتویں برس آزاد ہو تو اکیلا جائے۔ اس کی اولاد آقا کی ملکیت ہو جائے گی۔“

(خروج، باب نمبر: ۲۱)

ایک اور جگہ ہے:

”جب کسی اسرائیلی جنگ میں سے کوئی عورت پسند آئے تو وہ اس کو بیوی بنائے۔ اس کے بعد اگر اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے۔“

(استثناء: ۳:۲۱)

تورات میں غیر اقوام کی عورتوں کو طلاق دینے کا تاکید حکم پایا جاتا ہے۔

(نحمیا، باب نمبر: ۱۳۰، آیت نمبر: ۲۰)

یہ تعلیمات بھی اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام نے طلاق کو حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

وراثت کے احکام:

یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی تھیں جبکہ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی ہے۔ اس کا کمایا ہوا مال اس کا اپنا ہوتا ہے اور وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے۔

بائبل میں ہے:

”روبن نے جیتے جی اپنے باپ (یعقوب) کی منکوچہ پر قبضہ کر لیا۔“

(سومیل دوم: آیت نمبر: ۲۰ تا ۲۲) (پیدائش، آیت نمبر: ۲۸ تا ۲۲)

بائبل میں تعلیم و تربیت میں سختی کرنے کے احکام موجود ہیں۔ والدین کی جائیداد میں صرف پلوٹھا لڑکا ہی وارث ہوتا ہے جبکہ اسلام میں تمام اولاد وراثت میں برابر کی شریک ہے۔

غلاموں کے متعلق احکام:

بائبل میں درج ہے:

”غلاموں کو لائٹیوں سے مار دینے تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔“

(خروج: باب نمبر: ۲۱)

”اگر کوئی غلام نکاح کرے، اس کی بیوی سے اولاد ہو تو جب ساتویں برس آزاد ہو تو

اکیلا جائے۔ اس کی اولاد آقا کی ملکیت ہو جائے گی۔“

(خروج: باب نمبر: ۲۱)

جبکہ اسلام میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی وفات کے وقت جن باتوں کی امت کو تاکید کی ان میں سے ایک غلاموں کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے۔

جادوگر کے بارے میں احکام:

تورات میں ہے:

”مرد یا عورت جس کا یا ردیو ہو یا جادوگر تو دونوں قتل کئے جائیں۔ چاہئے کہ تم ان پر

پتھراؤ کرو اور ان کا خون انہی پر ہوئے۔“

(احبار: باب نمبر ۲۰، آیت نمبر ۲۷)

دوسری جگہ ہے:

”تم جادوگروں کو جینے مت دو۔“

(خروج: باب نمبر ۳۲، آیت نمبر ۱۸)

جنگ اور قیدیوں کے متعلق احکام:

تورات میں ہے:

”جب خداوند تیرا سے تیرے قبضہ میں کر دے تو تلوار کی دھار سے قتل کر..... کسی چیز

کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑ۔“

(استثناء، ۲۰، آیت نمبر ۱۳ تا ۱۸)

دوسری جگہ درج ہے:

”سوان بچوں کو جوڑ کے ہیں سب کو قتل کر اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے جان سے مارو۔ جو ابھی واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے رکھ لے۔“

(گنتی: باب نمبر ۳۱، آیت نمبر ۹، ۱۶، ۱۷)

ایک اور جگہ درج ہے:

”جب کسی ایسران جنگ میں سے کوئی عورت پسند آئے تو وہ اس کو بیوی بنائے۔ اس کے بعد اگر اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے۔“

(استثناء: ۲۱:۳)

حضرت داؤد کے متعلق لکھا ہے:

”اور داؤد نے اس سرزمین کو حرام کہا اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا اور ان کی بھیڑ بکریاں اور گدھے سب کو تہہ و تیغ کیا۔“

(ایسوع، ۶:۲۱)

تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

”جب خدا تیرا خدا ان کو تیرے حوالے کرے تو تو انہیں مار پھر اور حرم کچنچو، نہ تو ان سے کوئی عہد کر یو اور نہ ان پر رحم کر یو۔ نہ اس سے بیاہ کرنا، اس کی بیٹی کو اپنی بیٹی نہ بنانا اور نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی بیٹی لینا۔“

(استثناء، باب نمبر ۷، آیت نمبر ۳۲)

اسی طرح کے اور واقعات بھی ”گنتی دوم“ اور ”استثناء“ وغیرہ میں تفصیلاً ملتے ہیں۔

طہارت:

تورات میں طہارت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

(احبار، باب نمبر ۱۵) (استثناء، باب نمبر ۲۳) (سموئیل دوم: باب نمبر ۱۱)

شراب نوشی کی ممانعت:

احبار باب نمبر ۱۰ میں شراب کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

سود:

تورات میں سود سے بھی منع کیا گیا ہے۔

(خروج: باب نمبر: ۲۲) (احبار: باب نمبر: ۲۵) (استثناء: باب نمبر: ۲۳) (زبور: باب نمبر: ۱۵، آیت نمبر: ۱)
(مثال: ۲۸، آیت نمبر: ۸) (خرقی ایل: باب نمبر: ۱۸، آیت نمبر: ۱۶) (پرمیاء: باب نمبر: ۱۵، آیت نمبر: ۱۰)

سور کا گوشت:

تورات میں سور کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

(احبار: باب نمبر: ۱۱، آیت نمبر: ۷) (استثناء: باب نمبر: ۱۳، آیت نمبر: ۸۰) (یسعیاہ: باب نمبر: ۶۵، آیت نمبر: ۳ اور ۴)

یہودی معبد

سینا گاہ کے معنی اور معبد کے خاص آداب:

سینا گاہ کے اصل معنی: ”یہودی مجالس عبادت“ کے ہیں۔ اس سے مراد ان کی سپریم مذہبی کونسل بھی لی جاتی ہے۔ یہودیوں کے ہاں معبد میں جانے کے خاص آداب ہوتے ہیں۔ سر پر ٹوپی پہن کر جانا ضروری تھا لیکن جدید تحریفات کے نتیجے میں ننگے سر جانے کی اجازت ہے۔ یہودیوں کے ہاں آداب عبادت بہت سخت اور شدید ہوتے تھے۔

سینا گاہ کا وجود:

انسائیکلو پیڈیا آف ریپبلکس اینڈ اٹھیکس کا نامہ نگار لکھتا ہے:
”سینا گاہ مذہبی ادارے کی حیثیت سے مکمل کی تباہی اور اس کے نتیجے میں قربانیوں پر مشتمل عبادت سے انقطاع سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ اس ادارہ نے اس اشد مذہبی ضرورت کو پورا کیا۔“

صومعہ نامی عبادت گاہیں اور ان کا طرز تعلیم و تبلیغ:

الغرض فلسطین سے باہر جو یہودی آباد تھے، انہوں نے اپنے لئے علیحدہ عبادت گاہیں تعمیر کر لیں جنہیں ”صومعہ“ کہا جاتا ہے۔ ہر قریہ، قصبہ اور شہر میں یہودی وقتاً فوقتاً عبادت کے لئے

جمع ہوتے۔ یہاں عبادت کے علاوہ مذہبی قوانین کی درس و تدریس کا انتظام بھی تھا۔ اس طرح ”صومعہ“ نے معبد یروشلم کی جگہ لے لی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ”صومعہ“ عوامی زندگی سے قریب تر تھے اور ان میں جو خوبیاں تھیں وہ معبد یروشلم میں مفقود تھیں۔ یہاں کا امام عوام سے منتخب ہوتا جو قوانین موسوی پڑھ کر سناتا۔ ان مجالس کی ترتیب اس طرح ہوتی کہ حاضرین کا رخ یروشلم کی طرف ہوتا۔ اس کے گوشہ میں ایک تابوت رکھا ہوتا اور اس کے قریب ایک چراغ جلتا رہتا۔ حاضرین مجلس مذہب پر آزادانہ تنقید کر سکتے تھے۔ عمارت کے بیچ میں ایک چبوترہ پر منبر ہوتا۔ جس کے دونوں جانب لوگ بیٹھتے۔

مدرسہ جانبیہ اور اسکی خدمات:

ایک اور عقیدہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہودیت کی بقا کے لئے فلسطین سے وابستگی ضروری نہیں اور دوسرے ممالک میں بھی یہودی مذہب فروغ پاسکتا ہے۔ چنانچہ جب رومی شہنشاہ ٹائٹس (Titus) بیت المقدس کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔ یہودیوں کا اس زمانے کا مشہور رہنما وہاں سے فرار ہو گیا۔ یروشلم کے معبد کی تباہی کے بعد یہودیوں پر جو افسردگی طاری ہو گئی تھی اس مدرسے نے اسے اُمید میں بدل دیا۔ یہ مدرسہ جانبیہ کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ مدرسہ جانبیہ نے یہودی مذہب کی ایک اور خدمت سرانجام دی کہ یہودیت کی مذہبی روایات کو یکجا کر دیا، جو کہ بالآخر تالمود کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔

گلیلی اور بابل کے مدارس کی خدمات:

مدرسہ جانبیہ کی طرز پر کچھ اور مدرسے بھی وجود میں آئے۔ ان میں ایک گلیلی اور دوسرا بابل میں تھا۔ یہاں پر ہی علمائے یہود نے کتب مقدسہ کی تحقیق اور ان کی تفسیر و تشریح کا شاندار کارنامہ انجام دیا۔ مذہبی کتب کی عبارات کو جدید معانی دیئے گئے اور ان کے مسائل و احکام کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا گیا۔ ابھی یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ حکومت فلسطین کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کے بعد یہودی مذہبی قوانین کے مطالعہ اور تحقیق کا کام مزید جوش و خروش سے شروع ہوا اور عقبہ بن یوسف نے اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ الغرض یہودیت میں لادینی دائرہ کار کا یہ ادارہ ہیکل کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کو تسلیم کرانے میں کامیاب ہوا اور ہیکل کی تباہی کے بعد آج تک ان کی مذہبی ضرورت کو پورا کرتا رہا ہے۔

یوم سبت کی تعطیل

ہفتہ کا دن:

یہودیوں کے یہاں سبت کی تعطیل بڑی اہم ہے۔ یہ رخصت جمعہ کے دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر ہفتہ کے دن ستاروں کے نمودار ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ راسخ العقیدہ یہودی اس روز دنیاوی کاموں کے نزدیک بھی نہیں جاتے بلکہ عبادت و مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں۔

☆☆☆

تحریک صہونیت

(Zionistic Movement)

فلسطین پر قبضہ

تقریباً 1300 قبل مسیح میں بنی اسرائیل فلسطین کے علاقہ میں داخل ہوئے اور دو صدیوں کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر اس پر قابض ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اس علاقے کی رہنے والی اقوام کا قتل عام کر کے اس سرزمین پر اسی طرح قبضہ کیا تھا جس طرح فرنگیوں نے ریڈ انڈینز (Redindians) کو ختم کر کے امریکہ پر قبضہ کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خدا نے یہ ملک میراث میں ان کو دے دیا ہے۔ اس لئے ان کو حق پہنچتا ہے کہ اس کے اصل باشندوں کو بے دخل کر کے بلکہ نسل کو مٹا کر اس پر قابض ہو جائیں۔

شمالی و جنوبی فلسطین کی ریاست اور بخت نصر

آٹھویں صدی قبل مسیح میں آشوریوں نے شمالی فلسطین پر قبضہ کیا اور ان کی جگہ دوسری اقوام کا لالہ بسایا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے جنوبی ریاست پر قبضہ کر کے تمام یہودیوں کو ہلاک کر دیا، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کر دیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہی۔

ہیکل کی از سر نو تعمیر

ایک طویل مدت کی جلاوطنی کے بعد ایرانیوں کے دور حکومت میں یہودیوں کو پھر سے جنوبی فلسطین میں آکر آباد ہونے کا موقع ملا اور انہوں نے بیت المقدس میں ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی لیکن یہ دوسرا وقفہ بھی تین چار سو برس سے دراز نہ ہوا۔

ہیکل اور شہر کی دوبارہ تباہی

70 قبل مسیح میں یہودیوں نے رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی جس کی پاداش میں شہر اور ہیکل دوبارہ مسمار کر دیا گیا۔

دو ہزار سال سے مذہبی دعا

2000 سال سے یہودی یہ دعا مانگتے رہتے ہیں:

”اے خداوند! بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے تاکہ ہم ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کریں۔“

بچے اور فلسطین کی حکومت کا حصول

مذہبی تقریبات کے موقع پر یہودی اپنے گھروں میں اپنی تاریخ کا پورا ڈرامہ دہراتے ہیں گویا بیس صدیوں سے یہودیوں کے بچے بچے کے دل میں یہ بات بٹھائی جا رہی ہے:

”فلسطین تمہارا ہے تمہیں واپس لینا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر سے تعمیر کرو۔“

گویا بیس صدیوں سے یہودی قوم کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کریں۔“

سازشی لوگ

یہ وہ پس منظر ہے جس سے تحریک صہونیت کو سمجھنے میں بہت آسانی رہتی ہے۔ آخری جلاوطنی کے بعد یہودی یورپ، ایشیا اور افریقہ کے جن ممالک میں بھی رہے۔ یہ سیاسی سازشوں میں ملوث رہے۔ یہ کسی بھی حکومت کے وفادار نہیں ہوتے تھے۔

باغی ذہن

تمام حکومتیں اکثر و بیشتر ان کے ساتھ ناروا سلوک اور ظالمانہ سلوک روا رکھتی تھیں اور یہ ہمیشہ باغیوں کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

دوطبقات

یہودی جہاں بھی رہے ہمیشہ ان کے دوطبقات ہوتے تھے۔ ایک عام مزدور طبقہ اور دوسرا وہ جو اپنی صلاحیتوں اور ذہانت کی وجہ سے مارکیٹ پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیتے تھے۔ خصوصاً اقتصادی امور میں ان کی گرفت بڑی مضبوط ہوتی تھی۔

ہٹلر اور یہودیوں کی بیخ کنی

ہٹلر کے زمانے میں جرمنی کی دولت کے تمام ذرائع، تجارت، بنکوں، اخبارات اور ریڈیو پر یہودیوں کا ہی تسلط تھا۔ ہٹلر نے ان کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔

روس اور یہودی

اکثر یہودی روس کے خلاف بغاوتوں کے مرتکب ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے خلاف تادمی کارروائیاں ہوتی تھیں۔ 1882ء میں ان کا قتل عام ہوا جس کے نتیجہ میں لاتعداد یہودی مارے گئے۔ اس قتل عام سے ان کی اس تحریک کا آغاز ہوا جو بعد میں تحریک صہیونیت کہلائی۔

جمعیت عشاق صہیون

احمد شیلی نے مقارنۃ الادیان میں لکھا ہے:

”اس شدید قتل کے بعد یہودیوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ ان کے لئے ان کے آباء کی سر زمین ارض موعود کے علاوہ اور کہیں امن و چین نہیں۔ اس تحریک کا بانی لیون ہٹلر تھا۔ اس نے ایک جماعت تشکیل دی جس کا نام ”جمعیت عشاق صہیون“ تھا۔“

(مقارنۃ الادیان، از احمد شیلی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 97)

وجہ تسمیہ

جبل صہیون یروشلم کے قریب واقع تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پر ایک قلعہ اور چھاؤنی تعمیر کی تھی۔ چونکہ یہ یہودیوں کے عروج کا زمانہ تھا اس لئے انہوں نے اپنی جماعت کے لئے یہی نام استعمال کیا تا کہ یہودی کے ذہن میں عظمت رفتہ کے حصول کا جذبہ پیدا ہو۔

اتحاد کی وجہ

ایک دفعہ بن گوریاں نے کہا تھا:

”ہم یہودیوں میں اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کے ذہن میں ارض موعود کا ایک واضح تصور موجود ہے اور ارض موعود میں قیام حکومت کا عقیدہ ہی یہودیوں کے درمیان باعث اتحاد ہے۔“

بن گوریاں کی اس تقریر کے اس حصہ کا تجزیہ کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ اپنی تحریک کا نام انہوں نے اس علامت اور نشان سے منسوب کیا جو ماضی میں عظمت و شوکت کی دلیل تھا۔

تحریک کا باقاعدہ قیام

انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ اٹھیک کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

صہونیت (Zionism) ایک جدید قومی یہودی تحریک کا نام ہے جس کا پروگرام باقاعدہ طور پر سوئٹزر لینڈ کے شہر بال (Ball) میں 29 سے 31 اگست 1897ء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں طے کیا گیا۔

قیام تحریک کے مقاصد

تحریک صہونیت کا مقصد یہ تھا کہ یہودی لوگوں کے لئے ایک عام تسلیم شدہ، قانونی طور پر تحفظ والا وطن فلسطین میں مہیا کیا جائے۔ اس بال کانفرنس میں ہی اس تحریک کو جمعیت عشاق صہونیت کا نام دیا گیا تھا۔ کانفرنس میں جو قرارداد پاس ہوئی اس کی شقیں درج ذیل تھیں:

1: یہودی زراعت پیشہ افراد، صنعت کاروں اور تاجروں کو فلسطین میں آباد کیا جائے جس حد تک مطلوبہ مقاصد کے لئے ضروری ہو۔

2: تمام یہودی لوگوں کو ان ممالک کے قوانین کی مطابقت سے مقامی اور عام جماعتوں

کی صورت میں بین الاقوامی پیمانہ پر منتخب اور منظم کیا جائے۔

3: یہودیوں کے قومی احساسات اور خودی کے جذبات کو تقویت دی جائے۔

4: تحریک صہیونیت کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے متعلقہ حکومتوں کی اجازت کے سلسلے میں اقدامات کئے جائیں اور اسرائیل کے قیام کی حمایت کی یقین دہانی کی جائے۔

فلسطین کی طرف ہجرت

تحریک صہیونیت کی منظم شکل تو 1897 میں سامنے آئی۔ تاہم فلسطین کی طرف ہجرت کا سلسلہ 1882ء میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ روس نے ہجرت کرنے اور ترک عثمانوں نے ان کے فلسطین میں داخلے پر کڑی پابندیاں لگا دیں لیکن ان احتیاطی اقدامات کے باوجود ان کے کچھ گروہ فلسطین میں آنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہجرت اول اور ہجرتی تنظیموں کا قیام

بن گوریاں کے نزدیک یہ پہلی ہجرت تھی۔ اس تحریک ہجرت کو بین الاقوامی حیثیت دی گئی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے تنظیمیں قائم کی گئیں۔

عظیم یہودی مصلح

انسائیکلو پیڈیا آف ریپچن اینڈ اٹھیکس کا مضمون نگار لکھتا ہے:

”1996ء میں یہودی دنیا ”وی آنا“ (Viena) کے ایک شخص تھیوڈر ہرزل (Theodore Herzal) کے منظر عام آنے پر بیدار ہوئی۔ اس نے ان خیالات کا اظہار کیا کہ یہودیوں کو وہ تمام غیر موافق ممالک چھوڑ دینے چاہئیں جہاں وہ آباد ہیں۔ ایسی سکیم تفصیل سے طے کرنی چاہئے جس کے ذریعے یہودی دولت مشترکہ کا قیام عمل میں آ سکے۔

تھیوڈر ہرزل کی پرکشش شخصیت کا ہی اثر تھا جس میں اس کے خیالی منصوبے کو لوگوں کی اکثریت کے سامنے ایک عملی حقیقت کی صورت میں پیش کیا۔ بعد میں آنے والے ادوار میں اس کی شخصیت سے مسیح موعود کے دعوے کو بھی منسلک کیا گیا۔ بلاشبہ وہ ایک بے مثال شخصیت ثابت ہوا اور موجودہ یہودی آبادی میں اس کی

حیثیت ایک مصلح کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے۔“

(انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ تھیکس، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 856)

متعینہ پروگرام کی تکمیل کے طریقے

چنانچہ 1897ء میں جو بال (Ball) کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں جس پروگرام کو متعین کیا گیا اس کو پورا کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ ان میں سے ایک تو یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ عبرانی زبان کو اس کا جائز مقام دیا گیا، اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور تمام یہودیوں کے لئے یہ پہلا زمی ٹھہرایا گیا کہ وہ عبرانی سیکھیں اور اپنے روزمرہ کے معمولات عبرانی میں لکھیں اور پڑھیں۔ اسی کانفرنس میں عبرانی کو یہودیوں کی کاروباری اور رسمی زبان کا درجہ دیا گیا۔ گویا یہودی قوم کے سامنے ان کی آئیڈیالوجی رکھ دی گئی۔

الین بائی کی یونیورسٹی

1925ء میں لارڈ بال فور (Bil Four) کی مدد سے الین بائی نے جو یونیورسٹی قائم کی تھی وہ اسی تحریک کا نتیجہ تھی۔

مجوزہ علاقے کا مخصوص نام

بال کانفرنس میں ایک اور اہم فیصلہ جو ہوا وہ یہ تھا کہ فلسطین کے نام کو استعمال کرنے کی بجائے مجوزہ علاقے کا کوئی مخصوص نام رکھا جائے۔ اس سلسلے میں دو تجاویز سامنے آئیں:

1: ارض صہیون۔

2: اسرائیل۔

غور و فکر کے بعد انہوں نے اسرائیل کا نام منتخب کیا۔

عالمی جیوری

انہوں نے ایک عالمی جیوری (World Jury) قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی اور اس کے علاوہ بین الاقوامی تنظیمیں قائم کرنے کی حمایت کی۔

فلسطین میں نوآبادیاں

ایک تجویز یہ پیش ہوئی کہ یہودی یہ سمجھیں کہ جلاوطنی کا دور ختم ہو گیا ہے اور اپنے وطن کی طرف ہجرت کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔ یہودیوں کو فلسطین کی طرف ہجرت کرنی چاہئے اور وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کرنی چاہئیں۔

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف قسم کا لٹریچر پمفلٹوں اور رسالوں کی صورت میں شائع ہونا شروع ہو گیا تاکہ قومی احساسات کو اجاگر کیا جاسکے۔ یہودیوں کی مالی حیثیت چونکہ بہت مضبوط ہوتی تھی اس لئے اپنے میں سے غریب یہودیوں کو وظیفے دیتے تاکہ ان کی مالی مشکلات ختم ہوں۔

ہجرت ثانیہ

1905ء میں اس کانفرنس کے بعد دوسری ہجرت ہوئی جسے ہجرت ثانیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہجرت اس بغاوت نما سازش کا نتیجہ تھی جو روس کے خلاف کی گئی اور اسے دبا دیا گیا تھا۔ اس ہجرت میں ان کالیدرن بن گوریاں بھی آیا جو روسی یہودی تھا۔ انہوں نے خلیل اور سامریہ کے علاقوں میں بہت کالونیاں اور بستیاں قائم کر لیں۔ ان آبادیوں میں یورپ کے متمول یہودیوں کی زبردست اعانت موجود تھی۔

سلطان عبدالحمید خان کی حمیت

فلسطین کا علاقہ اس وقت عثمانی ترکوں کی سلطنت میں تھا۔ 1901ء میں تھیوڈر ہرزل نے سلطان ترکی عبدالحمید خان کو ”حاحام قرہ صوا آفندی“ کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا:

”یہودی لوگ ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کے لئے تیار ہیں اگر فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دی جائے۔“

لیکن سلطان نے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور صاف جواب دیا:

”جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک سلطنت ترکیہ موجود ہے اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے۔ اگر یہودیوں کی ساری دولت بھی مجھے دے دی جائے تو بھی ارض مقدس کی ایک انچ بھی ان کو دینے کو تیار

نہیں۔ تمہاری ساری دولت کو میں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔“

بال کانفرنس کا پیدا کردہ جذبہ

1897ء سے لے کر 1916ء تک تحریک صہونیت نے آباد کاری کے سلسلے میں اہم رول ادا کیا۔ پہلی جنگ عظیم کی ابتدا کے ساتھ ہی یہودیوں کے لئے ہجرت کے مواقع بڑے آسان ہو گئے اور انہوں نے وسیع پیمانے پر ہجرت شروع کر دی۔ یہ جذبہ اور شوق اسی بال کانفرنس کا پیدا کردہ تھا۔

جرمنی سے معاملہ اور ناکامی

پہلی جنگ عظیم کے شروع میں یہودیوں نے حکومت جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا کیونکہ جرمنی میں ان کا بہت زور تھا۔ انہوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے میں مدد کرے لیکن اس کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ثابت ہوئی کہ ترکی اس کا حلیف ملک تھا اور وہ اس کی ہمدردی اور حمایت کھوتا نہیں چاہتا تھا۔

انگلستان سے مدد اور حصول مقصد میں کامیابی

اس موقع پر ڈاکٹر وائزمان (Weiz Manu) کی شخصیت منظر عام پر آئی۔ اس نے حکومت انگلستان کو یہ یقین دلایا کہ تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور اعلیٰ دفاعی صلاحیتیں انگلستان اور فرانس کے کام آسکتی ہیں۔ اس یقین دہانی کی صورت میں کہ فتحیاب ہونے کے بعد فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنادیں گے۔ اس نے حکومت سے یہ وعدہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جو بال فور اعلان کہلاتا ہے۔ یہ اعلان عربوں کے لئے بڑا نقصان دہ تھا۔

1917ء میں انگریز جنوبی فلسطین میں داخل ہوئے اور انہوں نے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ جرمن اور ترکی کی فوجیں بتدریج شمالی فلسطین اور شام کی طرف ہٹ گئیں۔ فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں آ گیا اور اس اعلان کے ساتھ وہ پہلا مرحلہ کامیابی کے ساتھ طے ہو گیا جس کے لئے 1880ء سے 1914ء تک تقریباً 37 سال کا عرصہ لگا۔

یہودی اور عرب مسلمان

مسلسل ہجرت کی وجہ سے 1939ء میں ان کی تعداد چار لاکھ کے قریب ہو چکی تھی۔ عام عرب آبادی یہودیوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی آبادی سے خائف رہنے لگی۔ اس عرصہ کے دوران 1928ء، 1933ء اور 1939ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات بھی ہوئے۔ 1933ء میں عراق، شام اور لبنان کی آزادی کے بعد فلسطینی عربوں نے آزاد ریاست کا مطالبہ کیا لیکن انگریز حکومت کے وزیر اعظم ان کو تسلی دلا سہ دیتے رہے۔ دوسری طرف یہودی عالمگیر جنگ کے زمانے میں فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ ان کی مسلح تنظیمیں قائم ہوئیں، جنہوں نے ارد گرد کے علاقوں میں مار دھاڑ کر کے عربوں کو ہراساں کرنا اور بھگانا شروع کر دیا۔ جن کے مظاہرے سر عام ہوئے تھے۔

تحریک کا دوسرا دور

1917ء سے 1947ء تک کا دور تحریک صہیونیت کا دوسرا مرحلہ تھا۔ یہودیوں نے جو مجلس دفاع ذات قائم کی تھی وہ عربوں پر حملے کر کے ان کا صفایا کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ انہوں نے انگریز چاہیوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ فوج میں یہودی بریگیڈ قائم کیا گیا۔ مختلف علاقوں میں ہونے والے فسادات اتنے نازک صورت اختیار کر گئے کہ نومبر 1947ء میں برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ جنرل اسمبلی میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

تقسیم فلسطین

فلسطین کا 55 فیصد رقبہ 33 فیصد یہودی آبادی کو اور 45 فیصد رقبہ 67 فیصد عرب آبادی کو دے دیا گیا۔

یہودیوں کی در ماندگی اور ریاست اسرائیل کا قیام

اس فیصلے کے بعد یہودیوں کی دہشت پسند سرگرمیاں مزید تیز ہو گئیں۔ انہوں نے قتل و غارت اور سفاکی کے ذریعے ملک کے زیادہ علاقے پر اپنا قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ 1948ء میں

برطانوی قبضہ فلسطین سے ختم کر دیا گیا۔ ساتھ ہی 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا جسے روس اور امریکہ نے فوراً تسلیم کر لیا۔

مسلل ملک کی توسیع کی کوششیں

اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد عربوں اور یہودیوں میں کئی جنگیں ہوئیں جن میں یہودیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ استعمار پسند طاقتیں مسلسل یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ نیز یہ طاقتیں داسے، درے اور سخنے ان کی مدد کرتی رہی ہیں۔ یہودی متحد ہیں اور وہ جہاں کہیں بھی ہیں یہودی ریاست کی عملی مدد اور تعاون کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عرب ممالک نفاق کا شکار ہیں اور باہم ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ عربوں کے ان اختلافات کی وجہ سے اسرائیل اپنے توسیع پسندانہ عزائم میں کامیاب ہو رہا ہے۔ جون 1967ء میں اسرائیل نے ہمسایہ عرب ممالک پر حملہ کر کے ان کے کئی علاقے ہتھیائے۔ اکتوبر 1973ء میں مصر نے تو اپنے بعض علاقے واپس لے لئے لیکن گزشتہ سال اسرائیل نے لبنان کے اکثر علاقے پر جارحانہ قبضہ جمایا ہے۔ اس طرح اسرائیل اپنے توسیع پسندی میں کامیاب ہے۔

سپر پاور امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر اور اسرائیل

1990ء میں خلیجی جنگ میں عراق کی شکست اور روس کا بطور عالمی طاقت کے خاتمہ نے حالات یکسر بدل دیئے ہیں۔ امریکہ اب واحد سپر طاقت ہے اس کے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت اسرائیل مشرق وسطیٰ کی مضبوط ترین قوت ہے جس کا امریکہ سرپرست ہے۔ مصر اور تنظیم فلسطین نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ باقی عرب ممالک اسے تسلیم کرنے پر تیار بیٹھے ہیں۔



www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

حصہ نمبر 2:

دین مسیح

پس منظر، تعارف، بانی، کتاب، عقائد، اہم ترین معلومات اور حقائق

ابتدائی تعارف

ایک معاشی قوت

اب ہم ایک اہم اور بین الاقوامی مذہب کا ذکر کرتے ہیں جو موجودہ دور میں سیاسی تفوق اور معاشی قوت کا حامل ہے۔ اس کے پیروکار تعداد، سیاسی قوت اور معاشی اثر و نفوذ کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس مذہب نے تاریخ پر دور رس اثرات ڈالے ہیں اور آج بھی ہر لحاظ سے قابل توجہ ہے۔

بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب

عیسائیت بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس کے پیروکار دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں پائے جاتے ہیں اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں عیسائیت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔

یہودیت اور عیسائیت کا باہم تعلق

یہودیت کی طرح عیسائیت بھی دراصل ابراہیمی مذہب کی ایک شاخ ہے۔ یہودیت سے اس کا تعلق نہایت گہرا ہے، یہاں تک کہ ابتدا میں عیسائیت یہودیت کا ایک حصہ تھی، اس لئے عیسائیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہودیت کی تاریخ سے پوری طرح باخبر ہوں۔

یہود کا انبیاء سے سلوک

یہود کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو کچھ عرصے کے لئے فلسطین کی حکومت نصیب ہوئی، لیکن ان کی گمراہیوں نے انہیں اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حکومت کا کاروبار چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجتا رہا لیکن یہودیوں نے ان کے نصائح کو دور

خوراقتنا نہ سمجھا۔ ان انبیاء کے ساتھ ان کا رویہ شرمناک تھا۔ انہوں نے کچھ کو قتل کر ڈالا، بعض کو یہودیوں کے ہاتھوں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، کچھ سنگسار کر دیئے گئے اور بعض کو آروں سے چیر ڈالا گیا۔ گویا یہودیوں میں گمراہی اس حد تک پیوست ہو چکی تھی کہ وہ جہالت و توہمات کا مرقع بن گئے تھے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

یہودی علماء کی تحریف

آمد عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہودیوں کے علماء وفقیہ غیر ضروری مسائل کی توجیہات میں مصروف ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا دین اصل حالت میں موجود نہ رہا تھا کیونکہ یہودی علماء نے اس میں اپنی مرضی سے ترمیم و تحریف کر لی تھی۔

ظہور عیسائیت کے وقت کے سیاسی حالات

عیسائیت کا ظہور اس وقت ہوا جس یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی۔ ان کی آبادیاں اب بحیرہ روم کے آس پاس کے علاقوں میں قائم ہو چکی تھیں اور مشرق وسطیٰ کے دیگر علاقوں میں بھی ان کی آبادی بڑھ چکی تھی۔ فلسطین پر آریوں کی حکومت تھی جو رومیوں کے تابع تھے۔ یروشلم رومیوں کا ایک ماتحت صوبہ تھا اور رومی حکومت کا یہ حصہ یہود ایا جوڈیا کہلاتا تھا۔ یہاں کا حاکم بھی رومی حکومت کی طرف سے مقرر تھا۔

اس وقت فلسطین پر رومی حاکم ہیروڈ تھا جو شہنشاہ روم آگلس کا وفادار تھا۔ طاقت و اقتدار کے لحاظ سے یہ بھی اپنے ملک میں آگلس سے کم نہ تھا۔ ظلم و ستم میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ یہ ذرا ذرا سے شبہ پر بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتا۔ اس کا ظلم و تشدد اور دراز دستیاں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھیں۔

انسانیت کی اپاہجی کا زمانہ

اس وقت غلامی کا دور دورہ تھا۔ حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان کے سدھرنے کی کوئی توقع نہ تھی۔ انسانوں کے ایک محدود طبقے نے طاقت و قوت کے تمام سرچشموں پر قبضہ کر کے خدا کی مخلوق کو مفلوج اور اپاہج بنا دیا تھا۔ انسانیت ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور انہیں ان مصائب سے نجات دلانے والا کوئی نہ تھا۔

دیگر مذاہب اور اجتماعی قوانین

بدھ مت، جین مت اور کنفیوشس نے زخمی انسانیت کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر ان کے پیغام میں مصائب کا مقابلہ کرنے کی بجائے مصائب سے کنارہ کشی ہونے کا درس دیا گیا تھا۔ یونان و روما کے مذاہب زینو، دیوجانس کلبی اور اپی کیورس میں بھی مصائب سے چور انسانیت کو کوئی مستقبل نظر نہ آتا تھا۔ گوتم بدھ کی نجات ابدی ایک منفی سی چیز تھی۔ جس کا کوئی مثبت پہلو نہ تھا۔ اس کے نزدیک انسان کی آخری معراج یہ تھی کہ نروان کے نام پر ”کچھ نہیں“ ہو کر رہ جائے۔ یہی حال زینو کے فلسفہ کٹوئس ازم، دیوجانس کلبی کے فلسفہ کلہیت اور اپی کیورس کے فلسفہ مسرت کا تھا۔ یہ سب لوگ اجتماعی زندگی میں انسان کی کوئی مدد نہ کرتے تھے بلکہ جو اندھیر نگری مچی ہوئی تھی اس سے دامن بچا کر گزر جانا سکھاتے تھے۔

یہود کی آرزوئیں اور خوش خیالیاں

مادی اسباب و حالات کی بنا پر اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہودی پھر کبھی آزادی کا منہ دیکھ سکیں گے اور نہ ہی انہیں یہ امید تھی کہ وہ رومی حکمرانوں کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اس لئے قدرتی بات یہ تھی کہ یہودیوں نے مستقبل سے اپنی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور ہر وقت اس انتظار میں رہتے کہ خدا ان کے معاملات کو سدھارنے کیلئے ضرور مداخلت کرے گا۔ وہ اپنی سیاسی محرومی کو ایک عارضی حادثہ قرار دیتے۔ ان کے خیال میں وقت قریب تھا جب ظالم و جابر حکمران رخصت ہو جائیں گے اور خداوند بنی اسرائیل کو ایک بار پھر آزادی کی نعمت سے سرفراز کر کے انہیں ایک ایسی عالمگیر قوت و حکومت عطا کرے گا جو ابدی ہوگی۔

یہ خیالات اس دور کے یہودیوں میں عام تھے اور ان کتابوں کا مشترکہ موضوع تھے جنہیں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت دانیال اور عزرا کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ ان کتابوں نے یہودیوں کو آسمانی بادشاہت اور مسیح نجات دہندہ کے تخیل سے آشنا کر دیا تھا۔ عین اس زمانہ اور انہی حالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے لطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

سیرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

قرآن اور بائبل کی روشنی میں

نام اور القاب

عیسیٰ:

آپ کا نام یثوع، عبرانی میں یسوع اور عربی میں عیسیٰ تھا جو انگریزی میں "CHRIST" بن گیا۔ یسوع کے معنی سید اور مبارک کے ہیں۔ نیز اس کا معنی ہے: "نجات دلانے والا۔"

مسح:

آپ علیہ السلام کا دوسرا نام مسح ہے جو مسح سے مشتق ہے۔ مسح کے معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور اس سے برا اثر دور کرنا ہے یعنی بیماری دور کرنا۔

(مفردات القرآن، از امام راغب)

سیر اور چلنے کو بھی مسح کہتے ہیں۔

"قِيلَ مَسْمًى عِيسَىٰ مَسِيحًا فِي الْأَرْضِ إِذْ هَبَّ فِيهَا"

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین پر چلنے والے یا سیاحت کرنے والے تھے۔"

یسوع ناصری:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "یسوع ناصری" ناصره قصبہ کی نسبت سے کہا جاتا ہے۔

الغرض آپ کا ذاتی نام یثوع یا یسوع عیسیٰ تھا۔ مسح آپ کا وضعی نام تھا اور ناصری آپ کا

لقب تھا۔ نیز ابن مریم کنیت تھی۔

قرآن اور مقدس کتب

مستند شواہد:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مستند تاریخی شواہد صرف قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن قرآن حکیم کا مقصود ان کی زندگی کا بیان اور تذکرہ نہیں تھا اس لئے تفصیلات یہاں موجود نہیں۔ صرف اور صرف بنیادی مباحث کو جو ضروری تھیں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے لامحالہ عیسائیت کے ماخذوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں اناجیل اربعہ اور اپوکریفہ (Apocrypha) لٹریچر شامل ہے۔

اناجیل اربعہ اور اپوکریفہ:

اناجیل اربعہ میں سے انجیل مرقس، انجیل متی اور انجیل لوقا بیانیہ اور تفصیلی ہیں۔ ان تینوں کو "Synoptic Gospels" بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں رنگ آمیزی شامل یا موجود نہیں ہے، لیکن انجیل یوحنا میں رنگ آمیزی موجود ہے اور خدا کا بیٹا بنانے کی تاویل سب سے پہلے اسی انجیل میں ظاہر ہوئی۔ ان اناجیل میں جتنی معلومات ہیں وہ بہت مختصر ہیں جبکہ ان سے کئی گنا تفصیلی لٹریچر اپوکریفہ (Apocrypha) میں شامل ہے۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ بناوٹی لٹریچر تیار ہوتا رہا۔ اگرچہ اس عقیدے کو ہمت حاصل نہ ہو سکی تاہم مذہبی لٹریچر میں اسے شامل سمجھا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی روشنی میں

نذر حنا اور مریم کفالت زکریا میں:

حضرت عیسیٰ کی ولادت کے بارے میں جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ نے خدا کی نذر کیا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی ذمہ داریوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت مریم ہیکل کی محرابوں میں سے ایک میں رہتی تھیں۔

چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرِئُؤُمَّ اِنِّى لَكَ هَذَا قَالَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 37)

”ان کی کفالت زکریا نے کی۔ جب کبھی زکریا محراب میں ان کے پاس آتے تو وہ ان کے پاس بے موسم کارزق پاتے تو وہ کہنے لگے کہ اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی طرف سے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب عطا کرتا ہے۔ ۝“

باعظمت مقام سے آگاہی:

بے شک یہ آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ حضرت مریم باعظمت مقام کی حامل اور برگزیدہ خاتون تھیں۔ اس مقام فضیلت کے بارے میں انہیں غیب سے اطلاع حاصل ہو چکی تھی۔ سورۃ آل عمران میں ہے:

”وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَمْرُؤُۤمَۤىۤ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيۤنَ ۝ يَمْرُؤُۤمَۤىۤ اَقْنَتِىۡ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِىۡ وَ اَرْكَعِىۡ مَعَ الرَّاكِعِيۡنَ ۝“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 42-43)

”اور فرشتوں نے کہا: ”اے مریم! بے شک تجھے اللہ نے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزہ کیا ہے اور سارے جہاں کی عورت پر تجھے چن لیا ہے۔ ۝ اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری اور سجدہ اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ ۝“

بچے کی پیدائش کی خوشخبری:

اسی دوران حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ولادت مسیح کی بشارت دی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَمْرُؤُۤمَۤىۤ اِنَّ اللّٰهَ يَبْشِرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ

الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝
 قَالَتْ رَبِّ اِنِّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَلِكِ
 اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝
 وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ وَرَسُولًا اِلٰى
 بَنِي اِسْرَآئِيْلَ“

(سورة آل عمران، آیت نمبر: 45 تا 49)

”اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بیشک اللہ تعالیٰ تجھے اپنے کلمے مسیح عیسیٰ کی
 بشارت دیتا ہے جو مریم کا بیٹا ہوگا اور دنیا و آخرت میں عزت والا ہوگا اور مقربین میں
 سے ہوگا۔ ۝ وہ بھنگوڑے اور بڑھاپے میں کلام کرے گا اور صالحین میں سے
 ہوگا۔ ۝ مریم نے کہا: اے میرے رب! میری ہاں بچہ کیسے ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی
 بشر نے چھوا بھی نہیں۔ فرمایا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ جب اللہ کسی کام کا ارادہ فرمائے
 تو فرماتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ ۝ اللہ تعالیٰ مسیح عیسیٰ کو کتاب و حکمت اور
 تورات و انجیل سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔“

لوگوں سے الگ تھلگ:

سورة المریم میں ہے:

”فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَّكَانًا قَصِيًّا ۝“
 ”پس مریم حاملہ ہو گئی اور دور کی جگہ چلی گئی۔“

(سورة المریم، آیت نمبر: 22)

غم ہونا، صبر کی تلقین اور انعامات:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَاجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنِىْ مِثُّ قَبْلِ
 هٰذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا اَلَا تَحْزَنٰى قَدْ

جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتِكَ سَرِيًّا ۝ وَهَزَيْتَ إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ
عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا ۝ فَكَلِمَتِي وَأَشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا

(سورۃ المريم، آیت نمبر 23 تا 26)

پس جب جفنے کا درد آیا تو وہ ایک سوکھے کھجور کے درخت کی طرف آگئی اور کہنے لگی:
کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور کاش میں بھولی بھلائی جا چکی ہوتی۔ ۝ پس
اس کے نیچے سے آواز آئی: خبردار! غم نہ کر تحقیق تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر
چلا دی ہے اور اور کھجور کے درخت کو ہلا تو وہ تجھ پر تازہ کھجوریں گرائے گا۔ پس کھا اور
پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔“

لوگوں کو جواب دینے کا طریقہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَإِمَّا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنَّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا
فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۝“

(سورۃ المريم، آیت نمبر 26)

”پھر اگر کوئی فرد تجھے نظر آئے (اور تجھ سے بچے کے بارے میں پوچھے) تو اس سے
کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے۔ اس لئے آج میں کسی
سے نہ بولوں گی۔ ۝“

قوم کے سوالات و طعن اور بچے کا خود جواب دینا:

سورۃ المريم میں ہے:

”فَآتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَمْرِئِمُ لَقَدْ جُنْتَ شَيْئًا فَرِيًّا ۝
يَا خُتَّ هَلْ رُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمَّكَ بَغِيًّا ۝
فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ
إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي الْكُتِبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا آيِنَ
مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا

بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ
وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27-33)

”پس لوگ مریم کے پاس آئے جبکہ اس نے بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا: اے مریم! تم تو عجیب چیز لائی ہو۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا تھا اور نہ ہی تیری ماں۔ پس مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگ کہنے لگے: وہ بچہ جو چھوٹا ہو وہ کیسے کلام کر سکتا ہے؟ تو عیسیٰ بول اٹھے اور کہنے لگے: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔“

بچپن میں کلام بطور معجزہ:

درحقیقت یہ وہ مقدس نشانی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں گے تو لوگ خود ہی گواہی دیں گے کہ یہ بچہ گہوارے میں کلام کی وجہ سے ابتداء میں ہی غیر معمولی حیثیت کا مالک تھا۔ اس طرح لوگوں کے لئے ان کے پیغام کی قبولیت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور حضرت آدم کی پیدائش میں مماثلت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ۝“

”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مانند ہے۔ جس کو اس نے مٹی سے بنایا پھر کہا: ”ہو جا۔“ پس وہ ہو گیا۔“

(سفورۃ آل عمران، آیت نمبر 59)

سورہ مریم کی آیت نمبر 35 میں بھی اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

”ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝“

”یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سچی بات ہے جس میں وہ (عیسائی) شک و شبہ کر رہے ہیں۔ ۝ اللہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے۔ ۝“

(سورہ المریم، آیت نمبر 34 تا 36)

رہائش گاہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝“

(سورہ المؤمنون: آیت نمبر 50)

”اور ہم نے مریم اور عیسیٰ کو نشانی بنا دیا اور ان کو ایک ٹیلے پر رکھا۔ وہ اطمینان والی جگہ تھی اور چشمے جاری تھے۔“

حضرت مریم کا زہد و تقویٰ:

حضرت مریم کی پاکیزگی، ان کے زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کی گواہی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ حالات کی نوعیت کا تقاضا تھا کہ یہ واقعہ اس انداز سے وقوع پذیر ہو، تاکہ لوگ اپنے خالق اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

حضرت یحییٰ و عیسیٰ:

قرآن حکیم میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے جو حضرت زکریا کے بیٹے تھے۔ ان کے ہاں حضرت یحییٰ کی ولادت ایک

نشانی اور غیر معمولی کیفیت کا نشان تھی۔ یہ یروشلم کے قریب ناصره (Nazareth) نامی جگہ پر رہتے تھے۔ انہوں نے بڑے ہو کر اصلاح قوم کا کام کیا اور قوم کو اخلاقی بے راہ روی اور زائل سے بچنے کی تلقین کی۔ اس کے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار کو اہمیت دی اور اس وقت کی رائج شدہ فحاشی اور بدعنوانیوں سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام قوم کو یہ تنبیہ بھی کرتے تھے:

”اگر تم نے ان باتوں کو نہ چھوڑا تو پھر وہ آنے والا آئے گا۔“

قرآن مجید میں ہے:

”یحییٰ کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ) کی خوشخبری دیا کرتے تھے۔“

حضرت یحییٰ علیہ السلام توبہ و استغفار کی نشانی کے طور پر پتسمہ دیتے تھے۔ انہوں نے اصلاحی سرگرمیوں میں جامعیت پیدا کرنے اور ان کو منظم کرنے کے لئے بیت ابارہ یا عبارہ کے مقام کو منتخب کیا جو دریائے اردن کے کنارے واقع تھا۔ ہر زمانے میں بدی کے مقابلہ میں نیکی بھی موجود ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ دبی ہوئی کیوں نہ ہو۔ اس لئے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے توبہ کی ترغیب دی تو نیک فطرت اور دین پسند لوگوں نے ان کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ فحاشی کے اس زمانے میں ان کی سادہ اور بڑی حد تک متصوفانہ زندگی میں لوگوں کے لئے ایک خاص کشش تھی۔ ان کی اصلاحی کوششوں میں وسعت کے ساتھ ساتھ دشمن قو میں بھی مقابلہ پر آئیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پتسمہ دیا تھا اور فرمایا:

”میں نے تو تمہیں پانی سے پتسمہ دیا ہے لیکن تم لوگوں کو روح مقدس سے پتسمہ دیا کرو۔“

بعد میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بادشاہ نے قتل کروادیا۔

حضرت عیسیٰ کی سعی توحید اور شریعت ربانی پہنچانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ عرض کریں گے:

”مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ
وَكَنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ
الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 117)

”میں نے انہیں بس وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا تو میں ان پر گواہ تھا اور جب تو نے مجھے اپنی جانب بلایا تو تو ہی ان پر رقت تھا اور بے شک تو ہر چیز کا نگران ہے۔“

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عقیدہ صلیب کا رد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

”إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَتَوَقَّفِكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 55)

”اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تیری مدت پوری کروں گا اور تجھے اپنی جانب اٹھاؤں گا اور تجھے ان لوگوں سے بچالوں گا جو کافر ہیں۔“

سورۃ النساء میں ہے:

”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 157)

”اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔“

حضرت عیسیٰ کا آسمان کی جانب اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں واپس آنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ

شہیداً ۵

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157-158)

”بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ ۵ اور بیشک ضرور بالضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ ۵“

عقیدہ الوہیت کا رد:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالِ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 116)

”اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے علاوہ معبود بنالو“ وہ عرض کریں گے: ”تو پاک ہے میری کیا مجال کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تحقیق تجھے علم ہوتا۔ جو میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو تیرے نفس مبارک میں ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ بیشک تو غیوبوں کا جاننے والا ہے۔ ۵“

عقیدہ تثلیث کا رد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا

خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَنَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرْهُمْ اِلٰهٍ جَمِيعًا ۝

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 171-172)

”اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ پر سوائے حق بات کے کچھ نہ کہو۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول تھے اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ اس قول سے باز آ جاؤ! یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ بیٹے سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اللہ کافی ہے کار ساز۔ ۝ بیشک مسیح اس بات میں بے عزتی نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے۔ اور جو اس کی عبادت سے بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو پس ان سب کو اسی کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ ۝“

حیات عیسیٰ بائبل اور عیسائی روایات کی روشنی میں

حضرت مریم کی متنگنی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور جوانی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے تاہم جو کچھ حالات ہمیں اناجیل اور عیسائی روایات سے دستیاب ہیں ان کا خلاصہ حاضر خدمت ہے۔ عیسائی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ کی ولادت کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت مریم کی متنگنی یوسف نامی ایک شخص سے ہو چکی تھی۔ جس فرشتے نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری دی تھی اسی فرشتے نے حضرت مریم کو نوید ولادت سنائی تھی۔ جب یوسف نے یہ بات سنی تو متنگنی توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کو بھی فرشتہ دکھائی دیا اور وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔

”یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی متنگنی یوسف کے ساتھ

ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے قبل وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئی۔“
(انجیل متی، باب نمبر ۱، آیت نمبر: ۱۸)

حضرت مریم کا کنوارہ پن اور رخصتی:

عیسائی روایات کے مطابق جہاں تک کنوارہ پن میں مسیح کی پیدائش کا تعلق ہے تو اس چیز پر وہ متفق ہیں، لیکن انہوں نے اس پر رخصتی کا اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کی روایات کے مطابق مریم کی رخصتی یوسف کے ساتھ ہو چکی تھی۔ حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے رومی حاکم نے تمام یہودیوں کو یروشلم لے جا کر اپنے نام درج کرانے کی ہدایت کی تاکہ مردم شماری ہو سکے۔ حضرت مریم اور یوسف کو بھی وہاں جانا پڑا۔ راستے میں جب وہ بیت اللحم (Batlahem) کے قریب پہنچے جو یروشلم اور ناصره سے اسی میل کے فاصلے پر ہے تو مریم پر آثار ولادت نمایاں ہوئے۔ چنانچہ وہ ایک علیحدہ اور بے آباد جگہ پر چلی گئیں جو اصطبل نما تھی۔ یہیں حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

یہودیوں کے بادشاہ کا ستارہ:

اس سلسلے میں ان کے ہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ کچھ مجوسی جو فاسری کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ وہ اس جگہ پہنچے اور کہا: ”ہم نے ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوتے دیکھا ہے جو لامحالہ اس بچے کا ہے جو یہودیوں کا بادشاہ ہوگا۔“

جب انہوں نے مسیح کو دیکھا تو اس کی تصدیق کی۔

حضرت مسیح کا سن ولادت:

جدید تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سن ولادت 3ء یا 4ء قبل مسیح ہے نہ کہ ایک قبل مسیح۔ نیز آپ علیہ السلام کی ولادت دسمبر کے مہینے میں نہیں ہوئی جیسا کہ عیسائیوں میں معروف ہے۔

ختنہ اور نام:

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

”جب آٹھ دن کے ہوئے تو ان کا ختنہ ہوا اور نام یسوع رکھا گیا۔“

یہودی بچوں کا قتل:

حکمرانوں نے جب مسیح کی ولادت اور معجزاتی کیفیات کے بارے میں سنا تو ہیراڈ (Harod) نے یہودی بچوں کا قتل کا حکم دیا۔ اس حکم کو سننے کے بعد یوسف مریم اور بچے کو لے کر مصر کے علاقے کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پانچ چھ ماہ کا عرصہ وہیں گزارا۔ یہاں تک کہ موجودہ حاکم مرگیا۔ اس کی وفات کے بعد یہ پھر ناصرہ آ کر مقیم ہو گئے۔

تعلیم و تربیت:

مسیح چونکہ یہودی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کی تعلیم و تربیت ایک اچھے یہودی کی طرح کی گئی کیونکہ ان کا گھرانہ مذہبی تعلیمات پر کاربند تھا۔ اس لئے باقاعدہ حصول تعلیم کا بندوبست کیا گیا اور انہیں نیک شعار بنانے کی تلقین کی گئی۔ ان کی زندگی کے اس دور کے واقعات کا بہت کم علم ہے۔

یہودیت کی ابتدائی تعلیمات اور تعلم میں بحث مباحثہ:

یسوع کے گاؤں کا نام ناصرہ تھا جو صوبہ گلیل میں تھا۔ یسوع کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی تھی کیونکہ یوسف اور مریم شاہی فرمان کے بموجب اپنا نام درج کرانے کے لئے ناصرہ سے بیت اللحم گئے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے معمولی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی تھی۔ یوسف نے انہیں متبرک اصول سکھائے اور صبح و شام کی عبادت کے طریقے انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے۔ البتہ وہ مجالس میں نہایت پابندی کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ مسیح کے بچپن کے بے شمار معجزات انجیلوں میں بیان ہوئے ہیں۔ جیسا کہ احمد شیلی لکھتے ہیں:

”امکان غالب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پرورش اور تعلیم و تربیت اسی طرح ہوئی کہ جس طرح اس زمانے کے بچوں کی ہوتی تھی۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ ناصرہ اور بیت المقدس کے درمیان آتے جاتے تھے۔ وہ ذکاوت اور عمیق نگاہ کی وجہ سے ممتاز تھے۔ وہ اشیاء کے ظاہر کی بجائے ان کی حقیقت اور گہرائی کا مطالعہ کرتے۔ وہ استادوں اور حکماء سے جو کچھ سنتے محض اس کو ہی تسلیم نہ کر لیتے بلکہ بحث و تحقیق سے ان کے کلام کا مکمل مفہوم سمجھتے تھے۔“

(مکارنتہ الادیان، از احمد شیلی، جلد نمبر 2)

عید فصح:

مسیحی روایات کے مطابق بارہ سال کی عمر میں پاسور (Passover) یا عید فصح کے مذہبی تہوار کا ایک واقعہ کا تذکرہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ مریم اور ان کے شوہر یوسف کے ساتھ یروشلم کا سفر کیا۔

عید فصح وہ موقع ہوتا تھا جب تمام یہودی یروشلم کے مرکزی عبادت خانے میں جمع ہوتے تھے۔ مذہبی رسوم اور قربانیاں ادا کی جاتی تھیں۔ یہاں حضرت یسوع مسیح نے علماء سے ایسی باتیں کیں جن سے ان کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

باپ کے گھر رہنا:

سینٹ لوقا (Luke) اپنی انجیل میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”جب مسیح یروشلم گئے تو تقریبات کے ختم ہونے کے بعد یروشلم میں ہی ٹھہرے رہے۔ والدہ اور ان کا شوہر لاعلمی میں جب ایک دن کا سفر کر چکے تو تلاش کرنے لگے اور مسیح قافلہ والوں میں نہ ملے۔ اس پر وہ واپس یروشلم آئے اور تین دنوں کی تلاش کے بعد انہوں نے مسیح کو ہیکل میں ڈھونڈ لیا جہاں وہ یہودی عالموں کی باتیں سن رہے تھے اور ان سے سوال کر رہے تھے۔ وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے بڑا معنی خیز جواب دیا:

”آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ میرے لئے اپنے باپ کے گھر رہنا لازمی ہے۔“

لوقا میں ارتقائی منازل کا ذکر:

اس کے بعد لوقا تحریر کرتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد مسیح علم اور جہالت نیز خدا اور بندے کے درمیان تعلق کے بارے میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔

اگلے باب میں 18 سال بعد یعنی 30 سال کی عمر میں پسمہ لینے کا تذکرہ موجود ہے۔

بارہ سال سے لے کر تیس سال تک:

موشیم ”تاریخ کلیسا“ میں لکھتا ہے:

”آپ کی بقایا زندگی بالکل نجی حیثیت سے گوشہ ظلمت میں گزری حتیٰ کہ آپ کی

عمر 30 سال کی ہو گئی۔“

E-R-E کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

”اوائل نو جوانی میں وہ کس قسم کے تجربات اور سلسلہ خیالات سے گزرے ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ Gospels میں وہ ہمارے روبرو اس حیثیت سے آتے ہیں کہ وہ بالغ نظر ہیں اور ان کی خود آگہی مکمل طور پر ارتقاء یافتہ ہے۔“

(E-R-E، جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر: ۵۰۸)

اٹھارہ سال کا دور:

13 سال کی عمر میں اس واقعہ کے تذکرے کے بعد 18 سال کا دور حیات ”Years

Hidden“ کہلاتا ہے۔“

مسح کا گھر سے بھاگنا:

ان 18 سالوں کے متعلق کسی مستند روایت کی خاموشی کے باوجود اپوکریفہ (Apocrypha) لٹریچر میں مختلف اور متضاد روایات موجود ہیں۔ ایک روایت تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ کوہستان ہمالیہ میں تبت میں Convent of Himis کے مقام پر جہاں لاماؤں کی خانقاہ ہے۔ پالی زبان میں ایک الگ نوشتہ ملا کہ جب عیسیٰ 13 برس کے ہوئے تو ان کے گھر بہت سے لوگ آئے جو اپنی بیٹیوں کی شادی ان سے کرنا چاہتے تھے، لیکن مسح گھر سے بھاگ کر سندھ کے علاقے کی طرف نکل پڑے اور ہندوستان آئے تاکہ روحانی علم کو مکمل کریں اور بدھوں کے مذہب کا مطالعہ کریں۔

طب و معالجے میں مہارت:

دوسری روایت میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک فرانسیسی شخص Bardn von rabenan کو مصر سے ایک تحریر پیپری (Papyri) پر لکھی ہوئی ملی۔ اس نوشتے کو عام طور پر Letter of Benan کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس تحریر کے مطابق مسح نے یہ اٹھارہ سال کا عرصہ مصر میں گزارا تھا۔ وہاں طب اور علاج معالجے کا فن اپنے عروج پر تھا۔ انہوں نے ایک طبیہ کالج میں داخلہ لیا تو مسح نے ابی Memphis کے بیٹے Benan (جو وہاں میڈیکل

کالج کا طالب علم تھا) کے گہرے دوست بن گئے اور اس فن میں اتنے ماہر ہوئے کہ اپنے استادوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔

علم طلسم:

تیسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مسیح کے زمانے میں مصر میں جادو اور طلسم کا بہت چرچا تھا۔ شعبہ بازی عام تھی اور انہوں نے یہ علم اسی علاقے سے سیکھا۔ احیائے موتی اور دیگر معجزات (نعوذ باللہ) اسی علم کا نتیجہ تھے۔

صوفیانہ فرقے میں رہنا:

چوتھی روایت یہ بیان کی جاتی ہے:

Dead Sea Scrolls جو 1949ء تا 1950ء میں دریافت ہوئے، ان سے

ایک فرقے "Essenses" کا پتہ چلا جو اپنے زہد و قناعت اور صوفیانہ حیثیت کے مالک تھے۔ روایت کے مطابق آپ نے کچھ عرصہ اس علاقے میں گزارا۔

بعض کا خیال ہے کہ مسیح نے یہاں تبلیغ کی اور ان کے عقائد کی اصلاح کی تھی جبکہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان کے درمیان رہ کر ان کے عقائد اور خیالات کا گہرا اثر قبول کیا کیونکہ اس فرقے کی تعلیمات کے ساتھ آپ کی تعلیمات کی بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔

بڑھئی کا کام:

کتاب مقدس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے والدین اور بہن بھائیوں کا پیٹ پالنے کے لئے بڑھئی کا کام شروع کر دیا تھا۔ انجیل مرقس میں لکھا ہے:

”جب سبت کا دن آیا تو یسوع عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اور بہت لوگ حیران

ہوئے اور کہنے لگے: یہ باتیں اس میں کہاں سے آگئیں اور یہ کیا حکمت ہے جو اسے

بخشی گئی اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا یہ وہی بڑھئی نہیں

جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور شمعون کا بھائی ہے۔؟“ پس انہوں نے اس کے سبب

سے ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا: ”نہی اپنے وطن اور رشتہ داروں اور اپنے

گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔“

(انجیل مرقس، ۶: ۳ تا ۴)

دور نبوت:

تین سال کی عمر میں ان کی نبوت شروع ہو جاتی ہے۔ غالب خیال یہی ہے کہ اس عرصے میں وہ اپنے خاندان کے ہمراہ اپنے علاقے ہی میں رہے۔ یہودیوں کی بے عملی اور فحاشی کے خلاف ان کے دل میں مذہبی جوش اور ولولہ تازہ رہا۔ روایات کے مطابق وہ تیس سال کی عمر میں صاحب نبوت کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔

حضرت یحییٰ سے پتسمہ لینا:

30 سال کی عمر میں روایات کے مطابق آپ ناصره سے بیت عبارہ کے علاقے کی طرف گئے جو یروشلم سے 80 میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت یحییٰ اس دوران ایک نیک انسان کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکے تھے۔ جب یہ یحییٰ کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کو پتسمہ دیا اور فرمایا:

”میں تو پانی سے جسمانی تزکیہ کرتا ہوں مگر تو ان کی ارواح کو تزکیہ دے گا۔“

چالیس دن کا مجاہدہ:

یہ بیعت یا خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت مسیح جنگل کی طرف چلے گئے اور بحیرہ مردار کے نزدیک جو بنجر اور سنسان علاقہ ہے وہاں گھومتے رہے۔ چلہ کشی، ریاضت اور رہبانیت ہمیں مسیح کی زندگی کے اسی دور سے ملتی ہے جو بعد میں عیسائیت کا شعار بن گئی۔ عیسائی روایت کے مطابق انہوں نے چالیس دن خواہشات نفس کے خلاف مجاہدہ کیا جبکہ ان کی روایات میں یہ الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں کہ وہ بدی کے ساتھ چالیس دن تک زور آزمائی کرتے رہے۔

تبلیغ اور دو افراد کا ایمان لانا:

حضرت عیسیٰ اس 40 روز چلہ کشی کے بعد بیت عبارہ واپس آئے اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے دو آدمی جو ان کے ساتھ ہو گئے وہ سائمن پیٹر (Simon Peter) اور اینڈریو (Andrew) نامی دو بھائی تھے جو پرہیزگار یہودیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ مسیح کے زمانے میں لوگ ان دونوں بھائیوں کو پرہیزگار اور بزرگ مقام کے حامل یہودی

قرار دیتے تھے۔ یہ دونوں پہلے حضرت یحییٰ کے پیروکار بھی بن چکے تھے۔

پہلا معجزہ:

ان دونوں بھائیوں کے ساتھ حضرت مسیح اپنے علاقے ناصره کی طرف چلے۔ جب وہ کنا (Kana) نامی گاؤں میں پہنچے تو ان کے ساتھیوں کی تعداد پانچ ہو چکی تھی۔ یہاں انہوں نے پہلا معجزہ دکھایا۔ گاؤں میں بارات اترنی ہوئی تھی، لوگ زیادہ تھے اور شراب کم تھی۔ ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے آپ نے برتن پر ہاتھ مارا تو شراب تمام مہمانوں کے لئے کافی نکلی۔ اس واقعے کے بعد لوگوں نے ان کو بابرکت انسان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ اس دعوت میں ان کی والدہ مریم بھی شامل تھیں۔

کفرہنوم میں تبلیغ:

آپ اور آپ کے ساتھی یہاں سے آگے روانہ ہوئے اور بحیرہ طبریاس یا Sea of Galili کے شمالی علاقے کفرہنوم (Capernaum) یا کفرہنوم پہنچے۔ یہی شہر ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔

دوبارہ یروشلم جانا:

کچھ دن قیام کر کے آپ دوبارہ یروشلم کی طرف روانہ ہوئے۔

ہیکل میں تبلیغی زندگی کا اہم ترین واقعہ:

آپ اپنے پیروکاروں کے ساتھ جب وہاں پہنچے تو ان کی تبلیغی زندگی کا ایک اہم واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ وہ یہ کہ جب عید فصح کا سالانہ میلہ لگتا تھا تو قربانیاں بھی دی جاتی تھیں۔ جن جانوروں کی قربانیاں ہوتی تھیں ان کو فروخت بھی ہیکل میں ہی کیا جاتا تھا۔ گویا ہیکل کے بیروں اور کمروں میں ایک مارکیٹ کا گمان گزرتا تھا۔

ہیکل کے پادری اعظم اور دوسرے پادریوں کو جو نذرانہ دیا جاتا تھا وہ ایک خاص کرنسی (Shekle) کی صورت میں دیا جاتا تھا اور رومی حکومت کے سکے کو ہیکل کے اندر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ انہوں نے ایک خاص مذہبی کرنسی بنائی ہوئی تھی۔ سکوں کا تبادلہ ہوتا تھا اور تبادلے کا کاروبار یہودی پادری بھی کرتے تھے۔ اس تبادلہ میں بدعنوانی اور زیادتی کا پہلو بھی موجود تھا۔

مذہبی عبادت خانے میں مارکیٹ کے شور، جانوروں کی دھکم پیل اور سکوں کے تباہی کے کاروبار کو جب مسیح نے دیکھا تو وہ یہودی پادریوں کی اس دنیا داری پر بہت برہم ہوئے اور اس طرز عمل کو برا خیال کیا۔ مسیح نے ایک ڈنڈا لے کر تمام جانوروں کو مار بھگایا۔ مذہبی بے حسی اور اخلاق انحطاط پر ان علماء کو سخت برا کہا۔ اس واقعے سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ دینی شعار کی تذلیل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ مسیح جنہوں نے صرف اخلاقی تعلیمات پر ہی زیادہ زور دیا وہ بھی دین کی اور مرکزی عبادت خانے کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تذلیل کو برداشت نہ کر سکے اور عملی طور پر اس کی اصلاح کی کوشش کی۔

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

حضرت یحییٰ کی شہادت کی خبر اور دوبارہ کفر نجوم کی طرف ہجرت:

ابھی حضرت مسیح یروشلم میں ہی تھے کہ انہیں حضرت یحییٰ کی شہادت کی اطلاع ملی۔ مشن چونکہ ایک ہی تھا اس لئے آپ نے یروشلم میں اپنی موجودگی کو محفوظ خیال نہ کیا اور دوبارہ کفر نجوم کے علاقے میں پہنچے۔ اس جگہ تک پہنچنے کے دوران انہوں نے کئی ایک معجزات دکھائے۔

سادگی اور تبلیغی سرگرمیاں:

آپ بحیرہ طبریاس کے ارد گرد کے علاقے میں گھوم پھر کر تبلیغ کرتے رہے۔ آپ غریب لوگوں کے گھروں میں قیام کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہودی علماء اپنے وقار کو بڑھانے کے لئے جن چیزوں کو ہاتھ لگانا بھی ناپسند کرتے تھے آپ نے ان کو استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی۔ دوران سفر آپ کمپ لگاتے اور رات کو اشاعت دین میں مصروف رہتے۔ ان کے زہد، تقویٰ، قناعت پسندی، سادگی، نیکی اور اخلاقی برتری سے متاثر ہو کر لوگ ان کے حلقے میں داخل ہونے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

سفری زندگی:

تبلیغ کے ان سالوں میں آپ نے زیادہ سفر اختیار کیا ہے جن کی تفصیلات اناجیل اربعہ میں مذکور ہے۔

عید فصح میں شرکت، معجزات اور عوامی ہمدردیاں:

حضرت مسیح ہر سال عید فصح کے موقع پر یروشلم ضرور جاتے تھے۔ سفر کے دوران معجزات

دکھانے سے ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ عامۃ الناس میں ان کے ساتھ ہمدردی اور نیکی کا جو جذبہ پیدا ہو چکا تھا، اس نے بھی لوگوں کے قلوب و اذہان پر اثرات چھوڑے۔ یہ جہاں کہیں جاتے لوگ پہلے ہی سے وہاں اکٹھے ہو جاتے تاکہ آپ کی باتوں سے مستفید ہو سکیں۔ اعلیٰ روحانی عظمت اور شہرت دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ کہیں وہ مسیح موعود تو نہیں ہیں۔

مسیح موعود سے یہود کی امیدیں:

یہودیوں نے آپ سے یہ امیدیں وابستہ کرنی شروع کر دیں کہ اب یہ ہتھیاراٹھائیں گے اور رومیوں سے لڑائی کے بعد یہودیوں کی عظمت رفتہ اور دینی و دنیاوی سیاست واپس لائیں گے۔

یہودی علماء کی برہمی:

مسیح چونکہ اخلاقی برائیوں کی مذمت کرتے تھے اس لئے یروشلم کے تمام یہودی علماء آپ کے خلاف تھے۔ ان کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں لوگ خود یہودی علماء پر تنقید شروع نہ کر دیں۔

آپ کا دور نبوت، معجزات اور وعظ کی تاثیر:

مسیحی روایات کے مطابق نبوت کا قطعی دور تو معین نہیں کیا جاسکتا، لیکن اندازاً یہ تین سال سے زائد نہیں تھا۔ اس عرصے میں وہ بیماروں کو تندرست کرتے رہے اور لوگوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر پھرتے رہے۔ اس دور میں اگرچہ بہت سے داعظ اور مبلغین موجود تھے، لیکن جو کچھ مسیح کرتے تھے وہ ان سے کہیں بالاتر تھا۔ وہ غریب اور حقیر لوگوں کے پاس جاتے۔ غمزدوں کو تسلی دیتے، بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کا بوجھ ہلکا کرتے، مایوس دلوں میں امید کی شمع جلانے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ کے دواقوال:

آپ فرماتے تھے:

”تندرست لوگوں کو معالج کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ یہ ضرورت بیمار لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔“

نیز فرماتے:

”میں صالح لوگوں کو بلائے نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کی طرف مائل کرنے آیا ہوں۔“

یہودی علماء بطور مخالفین مسیح:

عیدِ صبح کی تقریبات ایک ہفتے تک جاری رہیں اور اس دوران مختلف علماء دور دراز سے آتے اور اپنے اپنے کیمپ لگا کر عبادت کی رسومات ادا کرتے تھے۔ مسیح بھی اپنا کیمپ لگاتے چونکہ عوام میں ان کی شہرت زیادہ تھی اس لئے لوگ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ چنانچہ یہودیت کے پرانے گدی نشینوں کو اپنے مقام کا خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔ انہیں اپنی عزت کی مسند ڈوبتی ہوئی نظر آتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے خلاف ایک مہم شروع کی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے مسیح کے روزمرہ معمولات کے کچھ واقعات کو مخالفت کی وجہ بنا لیا۔

دو واقعات بطور دلیل مخالفت:

حضرت مسیح ایک دفعہ سائمن فریسی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ایک بدکار عورت میری میکڈالہ (Mary Macdalla) آئی۔ اس نے مسیح کی خدمت کی۔ آپ کے پاؤں دھوئے اور اپنے بالوں سے خشک کئے لیکن سائمن نے اس کو بہت برا خیال کیا، جبکہ مسیح نے فرمایا:

”یہ عورت چونکہ نیک بندوں سے محبت رکھتی ہے اس لئے بخش گئی۔“

ایک دوسرا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسیح جب سفر کرتے تھے تو مردوں کے علاوہ عورتوں کی ایک تعداد بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ دورانِ سفر مسیح نے کئی عورتوں کے ہاتھوں سے پانی لے کر پی لیا تو یہ لوگ ان کے خلاف ہو گئے کہ یہ تو ان سے پانی پیتا ہے جس سے تعلق بھی نہیں رکھنا چاہئے۔

یہودی علماء سے مباحثے اور مخالفت ہی مخالفت:

نبوت کے اس عرصے میں عیسیٰ بحیثیت ایک رسول اور مصلح کے متعارف ہو چکے تھے، ایک ایسی شخصیت کے طور پر بھی مشہور ہو چکے تھے کہ جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی تھی اور دکھی انسانیت کو سکون ملتا تھا۔ دوسری طرف یہودی علماء کے ساتھ عیدِ صبح کی تقریبات کے دوران ان کے مباحث اور جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے۔ دین کو رسومات کا گورکھ دھندلانے پر بحش

ہوتی تھیں۔ جس نے عوام کو مذہب سے ہی دور کر دیا تھا۔ اس وجہ سے آپ کی مخالفت بڑھتی جا رہی تھی اور مسیح کو یہ اندازہ تھا کہ ان کے حالات شاید یحییٰ سے بھی زیادہ دشوار ہوں گے۔

کفر نخوم کی طرف ہجرت اور ایک طویل وعظ:

آپ اپنے شاگردوں کو لے کر کفر نخوم کے مغربی حصے میں کانا (Kana) جگہ کے قریب ٹھہرے اور وہاں ایک پہاڑی پر وعظ کیا۔ یہ وعظ مسیح کی طویل ترین تقاریر میں سے ہے۔ اسے ”Sermon of the Mount“ کہا جاتا ہے۔ اس میں گزشتہ شریعتوں کی تعلیمات کا تذکرہ کر کے پھر اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جہاں ظاہر داری غالب آچکی تھی، وہاں اصل حقیقت کو آپ نے روشناس کرادیا۔ یہ واقعہ آپ کے رفع آسمان سے کچھ ماہ پہلے کا ہے۔

خطبے کے چند پہلوں:

خطبہ دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”یہ نہ سمجھو کہ میں اگلے پیغمبروں یا ان کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے آیا ہوں۔ میں تو اس کے حقیقی مقصد و منشاء کو پورا کرنے آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان قوانین کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشے پر عمل ہو۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو تحمل و بردباری سے کام لیتے ہیں۔! وہی خدا کے رحم کے مستحق ہیں۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو امن و صلح کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔! وہی خدا کے محبوب بندے ہیں۔ خدا کی رحمت ہو ان پر جو ظلم و ستم سہتے ہیں۔! وہی خدائی حکومت کے اصلی حق دار ہیں۔ خدا کی رحمت ہو تجھ پر جب لوگ تجھے گالیاں دیں، تجھ پر ظلم ڈھائیں اور ہزاروں قسم کے بہتان تجھ پر تراشیں۔ تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے، لیکن میں یہ کہتا ہوں اگر تم اپنے بھائی کو گالی دیتے ہو، اسے دھتکارتے ہو یا بلا وجہ اس سے ناراض ہوتے ہو تب بھی تم خدا کے غضب سے نہیں بچ سکتے۔

تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت بڑا پاپ ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرانی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ اس لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔

تم یہ سن چکے ہو کہ آنکھ کا بدلہ آنکھ اور دانت کا بدلہ دانت ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ تم

بدی کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ اگر تمہارے دائیں گال پر کوئی تھپڑ مارے تو تم اپنا بائیں گال بھی اس کے سامنے کر دو۔

تمہیں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو۔ جو تمہیں گالیاں دیں انہیں بھی دعائیں دو۔ جو تم سے نفرت کریں ان کے ساتھ بھی نیکی کرو۔ جو تمہیں ستائیں اور تم پر بہتان باندھیں ان کے لئے بھی دعا مانگو۔“

عیسائیوں نے اس خطبے کی بڑی حفاظت کی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ ٹھیک ہی ہو۔

نبوت کا تیسرا سال، عیدِ فصح اور یروشلم واپسی:

نبوت کے تیسرے سال بھی عیدِ فصح کے موقع پر آپ یروشلم آئے اور یہاں سے دو یا تین میل کے فاصلے پر باتھانی (Bathany) نامی گاؤں میں اپنے ایک دوست نزا عرس (Nazars) کے ہاں قیام کیا۔

ہولی ویک:

اس ہفتے کے دوران جو کچھ آپ نے کہا اور جہاں جہاں گئے عیسائیوں نے اس کی جزوی تفصیلات کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی اس ہفتے کو ہولی ویک (Holy Week) یا ”Passion Week“ کا نام دیتے ہیں۔ عیسائی روایات کے مطابق اسی دوران ان کی گرفتاری اور صلیب دیئے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔

یہودی علماء کا فتویٰ کفر اور انجیل کے مطابق صلیب دیا جانا:

اس ہفتے کے دوران ایک روز بہت سے یہودی عالم ان کے پاس جمع ہوئے۔ آپ کو مختلف نوعیت کے سوالات کئے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسیح کو اپنے اسی منصوبے کے جال میں پھنسا سکیں جس کا مقصد ان پر تکفیر کا الزام لگانا تھا یا رومی حکومت کے خلاف کوئی بات کہلو اگر انہیں ذلیل کیا جائے کیونکہ اس صورت میں یہودی علماء کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ شریعت موسوی کے مطابق فیصلے کر سکیں لیکن فیصلوں کا عملی نفاذ رومی عہدے دار ہی کرتے تھے۔ یہودیوں کی ایک جیوری ہوتی

تھی جو تیس کے قریب علماء پر مشتمل تھی۔ یہودی جب ان کے پاس آئے تو رومی حکومت کو ادا کئے جانے والے ٹیکس کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کے علاوہ مختلف پہلوؤں سے ان پر تنقید کر کے ایک چارج شیٹ بنائی اور فتویٰ کفر صادر کر دیا۔

انہوں نے یہ تمام کارروائی بہت اجالت میں کی۔ روایات کے مطابق اس دوران مسیح زیتون کے باغ میں چلے گئے اور یہیں سے رومی حکومت کے کارندے ان کو پکڑ کر لے گئے۔ اگلے روز جیوری کے سامنے پیش کر دیا اور جب سزائے موت کا فیصلہ ہوا تو اس فیصلہ کی اطلاع رومی حکام کو دے دی گئی۔ فیصلہ کرنے میں یہودیوں نے خود بھی جلد بازی کی اور حاکم کو بھی فیصلہ کے نفاذ میں جلدی کرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اناجیل کے مطابق مسیح کو صلیب دے دی گئی۔ عیسائی اس دن کو ”Good Friday“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

گویا عیسائی ماخذوں کے مطابق روایت یہی بنتی ہے کہ آپ یرושلم میں گرفتار ہوئے، مقدمہ یہودیوں کی مجلس اعلیٰ میں چلایا گیا اور سزائے موت کا فیصلہ جاری کیا گیا۔ جس کی تنقید کی ذمہ داری رومی حکام کے سپرد کی گئی۔ اگرچہ وہ متذبذب تھا لیکن یہودیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ انتہائی عجلت میں اس فیصلہ کو عملی شکل عطا کر دے کیونکہ جمعہ کی شام سے یوم السبت کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس کے بعد عید فصح کی تقریبات کا آغاز بھی ہوتا تھا جس کے نتیجے میں یہ تمام کارروائی تقریبات کے اختتام تک ملتوی کرنا پڑنی تھی۔ یہ تاخیر جلد باز یہودیوں کو قطعاً منظور نہ تھی۔

صلیب یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق:

چنانچہ ان کی کوششوں کے نتیجے میں عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ صلیب دیئے گئے۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب پانا اچھی موت کی نشانی نہ تھی بلکہ ملعون موت کی علامت تھی، اس لئے وہ مسیح کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے، جبکہ ان کے برعکس عیسائیوں نے یہ کہا کہ ان کا صلیب پانا بے مقصد نہ تھا۔ وہ بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے اور انسانیت کو سزا کے عذاب سے بچانے کے لئے خود قربان ہو گئے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو مسیح موعود بھی خیال کرتے ہیں۔

عقیدہ کفارہ کی اصل:

اس طرح عیسائیوں کے خیال کے مطابق مسیح ساری انسانیت کے لئے کفارہ ادا کر گئے۔

ان کی روایات کے مطابق آپ تیسرے دن زندہ ہوئے اور اس دن کو ایسٹر (Easter) کہا جاتا ہے۔ کفارے کے اس عقیدے کو ڈاکٹرین آف اٹونمنٹ (Doctorain of Atonment) کہتے ہیں۔ جو یہودیوں کے اس اعتراض کے جواب میں وضع کیا گیا ہے کہ مسیح کا صلیب پانا ملعون کی موت تھی۔ مسلمان صلیب کے واقعے کو سرے سے مانتے ہی نہیں کیونکہ قرآن مجید نے اس کی سختی سے تردید کی ہے۔

شاگردوں اور بہت سے لوگوں کو ملنا اور واپسی کا وعدہ:

تیسرے دن سے لے کر چالیس دنوں تک وہ اپنے خاص شاگردوں سے ملتے رہے اور چالیسویں دن ان کو بہت سے لوگوں کے ایک گروہ نے دیکھا کہ وہ ان کے سامنے آسمانوں کے طرف چلے گئے اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے۔

☆☆☆

قدیم دین مسیح

ذیل میں ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل اور حقیقی تعلیمات پیش کرتے ہیں جو عیسائیت کی موجودہ تعلیمات کے خلاف ہیں۔

توحید کی تعلیم

تعلیم توحید قرآن کی رو سے:

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”اللہ ربی وربکم فاعبدوه هذا صراط مستقیم“

(سورۃ المریم، آیت نمبر 36)

”اللہ میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو! یہی صراط مستقیم ہے۔“

حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہی واحد و یگانہ ہستی ہے کہ فقط

جس کی عبادت کی جاسکتی ہے۔

تعلیم تو حید انجیل کی رو سے:

مذکورہ بالا قرآنی آیت کی تائید میں مقدس کتاب میں درج ہے:

”پھر ابلیس یسوع کو اونچے پہاڑ پر لے گیا۔ دنیا کی سب سلطنتوں کی شان و شوکت اسے دکھائی اور کہا: اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کر دے تو میں یہ سب کچھ دے دوں گا۔ یسوع نے کہا: اے شیطان دور ہو جا کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔“

(انجیل متی، باب نمبر 4، آیت نمبر 10-11)

یسوع نے ایک فقیہ کے جواب میں فرمایا:

”اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے اور تو خداوند سے اپنے سارے دل، اپنی ساری جان، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔“

(انجیل مرقس، باب نمبر 12، آیت نمبر 28-32)

انجیل کی یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں اور وہی معبود حقیقی ہے۔ اسی کے سامنے سر جھکانا چاہئے۔

خدا کی صفات

صفات خدا انجیل کی رو سے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا کی تعلیم دی ہے جو اول و آخر ہے۔ چنانچہ فرمایا:

”جس کی ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی چیزوں کے ذریعہ سے صاف نظر آتی ہے۔“ (رومیوں ۱: ۲۰)

ایک جگہ فرمایا:

”اس سے مخلوقات کی کوئی بھی چیز چھپی نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں۔“

اور اور جگہ فرمایا:

”وہی تجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے ساری چیزیں پیدا کیں۔ وہ انسانوں کا روز قیامت میں حساب لے گا۔“

(مکافئہ ۱۱: ۴)

کرنٹیوں میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

”خدا رحم دل ہے۔ خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باب ہے۔“

(کرنٹیوں ۱: ۳)

صفات خدا انجیل کی رو سے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”لن یستکف المسیح ان یکون عبد اللہ“

(سورۃ النساء)

”مسیح اس بات سے نہیں شرماتے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔“

قرآن مجید میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے کہا:

”الحمد لله رب العالمین“

”ساری خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔“

حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے رسول

حضرت مسیح کا اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہنا بائبل کی رو سے:

اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے نہ کہ بیٹا یا خود

خدا۔ چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے:

”یسوع نے پکار کر کہا: ”جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے

پر ایمان لاتا ہے۔“

(انجیل یوحنا، باب نمبر: ۱۲، آیت نمبر: ۲۳)

دوسری جگہ فرمایا:

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔“

(انجیل یوحنا، باب نمبر ۱۳، آیت نمبر ۲۰)

ایک اور جگہ فرمایا:

”میں نے کہا تھا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔“

(انجیل یوحنا، باب نمبر ۱۱)

حضرت مسیح نے فرمایا:

”بیشک کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد اور برحق اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔“

(انجیل یوحنا، باب نمبر ۱۷، آیت نمبر: ۱۳)

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”میں احکام موسوی کی تعمیل کے لئے آیا ہوں نہ کہ ان کی منسوخی کے لئے۔“

(انجیل متی)

حضرت مسیح کا رسول ہونا قرآن مجید کی رو سے:

سورة المریم میں ہے:

”قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اَتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَجَعَلَنِیْ مُبْرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْ لِّیْ جَبْرًا شَقِیًّا ۝ وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وُلِدْتُ وَیَوْمٍ اَمُوتُ وَیَوْمٍ اُبْعَثُ حَیًّا ۝“

(سورة المریم، آیت نمبر ۲۷ تا ۳۳)

”عیسیٰ بولے اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر

جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔“

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

سورۃ آل عمران میں ہے:
”وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 45 تا 49)

”عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔“

سورۃ النساء میں ہے:

”إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 171-172)

”پیشک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی روح ہیں پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔“
قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن بارگاہ الہی میں عرض کریں

گے:

”مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 117)

”میں نے انہیں بس وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو

میرا اور تمہارا رب ہے۔“

سورۃ الصف میں ہے:

”وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَٰءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ“

”اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! پیشک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جو تمہارے پاس تورات ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔“

(سورۃ الصف، آیت نمبر: 6)

توبہ کی تلقین

توبہ اور گناہوں کے دھبے:

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کو توبہ اور استغفار کرنے کی بہت تلقین فرمائی اور کہا: ”انسان توبہ کے ذریعہ ہی اپنے گناہوں کے دھبوں کو دھوسکتا ہے۔“

توبہ کا نسخہ کیمیا:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر نبی نے انسان کو روحانی اور اخلاقی اصلاح کا نسخہ کیمیا توبہ ہی بتایا ہے۔ توبہ سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ توبہ سے جنت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۴، آیت نمبر ۱۷)

اللہ تعالیٰ کی خوشی:

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ”جس طرح گڈ ریا گمشدہ بھیڑ کو پا کر خوش ہوتا ہے اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہگار کے باعث خداوند! خدا آسمان پر زیادہ خوش ہوگا۔“

(انجیل لوقا، باب نمبر ۱۵، آیت نمبر ۱۷)

نجات اعمال پر ہے

عمل کرنے اور عمل نہ کرنے والے کی مثال:

ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کے لئے ایمان اور خدا کے احکام کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اسی اصول کی تبلیغ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کی۔ آپ نے اعمال صالح پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

”جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خداوند کہتے ہو۔؟ جو کوئی

میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کس مانند ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی۔ جب رو آئی تو دھارا اس گھر پر زور سے گری مگر اسے ہلانہ سکی، لیکن جو سن کر عمل نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر کو بے بنیاد بنایا۔ جب دھارا اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور گھر بالکل برباد ہوا۔“
(انجیل لوقا، باب نمبر: ۶، آیت نمبر: ۴۶ تا ۴۹)

سچے کا اجر:

نیز فرمایا:

”راست باز ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔“

(انجیل متی: باب نمبر: ۲۵، آیت نمبر: ۴۶)

گناہ جہنم میں دخول کا موجب

جہنم سے بچنے کی تاکید:

حضرت مسیح علیہ السلام نے گناہ کو جہنم میں دخول کا سبب قرار دیا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اے ریاکار و فریسیوں! تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ اے افنی بچو! تم جہنم کی آگ سے کیونکر بچو گے۔“

(انجیل متی، باب نمبر: ۲۳، آیت نمبر: ۲۹ تا ۳۳)

بدکاروں کا انجام:

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

”فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پینا ہوگا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے۔“

(انجیل متی: ۲۳ تا ۳۱)

نجات کا دار و مدار:

حضرت مسیح علیہ السلام کے مطابق نجات کا دار و مدار صرف ایمان اور احکام الہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے۔

اخلاقی تعلیمات

خدا پرستی کی تعلیم:

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم برحق تھی۔ انہوں نے مادہ پرستی اور شکم پروری کا رد کر کے خدا پرستی کا تصور لوگوں کے ذہن و دماغ میں راسخ کرنے کی کوشش کی۔ اس مضمون کو تمثیلات اور محاورات کی زبان میں پیش کیا تا کہ دنیا پرستانہ ذہن کا رخ موڑا جاسکے۔

محبت الہی:

حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا کی محبت پر بڑا زور دیا۔ اسے بنی آدم کا مجاز باپ کہا۔ خدا کی محبت کو بعض اچھوتی تمثیلوں کے ذریعہ بیان کیا اور یہود کو غفور و رکر کرنے کی تعلیم دی۔

انفاق فی سبیل اللہ کو قواعد:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی خلق حسنہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول قرار دیتے ہیں جو ریاکاری اور دکھاوے سے پاک ہو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خبردار! اپنے راست بازی کے کام آدمی کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کریں۔ نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے، تمہارے لئے کچھ اجر نہیں۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگانہ بھجوا۔ جیسا کہ ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے ہیں بلکہ جب تو خیرات کرے تو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے، تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۶، آیت نمبر ۳ تا ۴)

غریب و نادار، مظلوم و رحمدل:

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مبارک ہیں! وہ دل کے غریب ہیں جو حلیم ہیں۔ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ جو رحمدل ہیں۔ جو پاک دل ہیں۔ جو صلح کراتے ہیں۔ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۵، آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲)

رہبانیت کی اختراع:

غلو پسند طبائع نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سادہ زندگی سے رہبانیت مراد لے لی ہے جو غیر فطری عمل تھا۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم غیر فطری نہیں ہو سکتی۔

توکل علی اللہ:

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی طرح توکل کی بھی تعلیم دی۔

معاشرتی تعلیمات

معاشرے کی بنیاد محبت:

حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل محبت کا پودا مرجھا چکا تھا۔ آپ نے اسے از سر نو شاداب کیا اور آپ نے معاشرے کی بنیاد محبت پر رکھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”اور تم سن چکے ہو کہ اگلوں نے کہا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور میں تم سے کہتا ہوں: جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کا اور جو کوئی اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔ تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو تو چوڑھ بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اسے

دے۔ اس سے منہ نہ موڑ۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۵، آیت نمبر: ۲۱-۲۲)

پڑوسی اور دشمن دونوں سے محبت:

حضرت مسیح نے فرمایا:

”تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمنوں سے عداوت، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور ستانے والوں کے لئے دعا کرو۔ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان میں ہے بچے ٹھہرو۔“

(انجیل متی، باب نمبر: ۵: ۴۳-۴۴)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

اجنبی خاتون کے متعلق حکم:

حضرت مسیح نے فرمایا:

”آپ اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت پاپ ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرانی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ اس لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دے۔“

(انجیل متی، باب نمبر: ۵)

بری خواہش سے بچنا:

حضرت مسیح نے فرمایا:

”جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی تو وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہا اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔“

(انجیل متی، باب نمبر: ۵، آیت نمبر: ۲۷-۲۹)

والدین کا احترام:

حضرت مسیح نے فرمایا:

”تم لوگ خدا کے حکم کو باطل کرتے ہو اور اپنے گھرے ہوئے قوانین برقرار رکھتے ہو۔؟ خدا نے تو تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ ”جو شخص اپنے ماں باپ کو یہ کہہ دے کہ میری جو خدمت تمہارے کام آسکتی تھی، انہیں میں خدا کی نظر کر چکا ہوں۔ اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ ماں باپ کی کوئی خدمت نہ کرے۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۱۵: آیت نمبر ۳ تا ۹)

خیرات و صدقہ کی تعلیم:

ایک دولت مند شخص حضرت مسیح کے پاس آیا اور پوچھا:

”اے نیک استاد! میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔؟“

آپ نے جواب دیا:

”اگر تو کامل ہونا چاہے تو جا کر سب کچھ تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے۔ تجھے

آسمان پر خزانہ ملے گا۔ تب آ کر میرے پیچھے ہو لے۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۱۸، آیت نمبر ۲)

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو! جہاں کیڑا خراب کرتا ہے اور جہاں چور لے جاتے

ہیں، بلکہ اپنا مال آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے اور نہ چور چراتا ہے۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۶، آیت نمبر ۱۹ اور ۲۰)

سور کھانے کی ممانعت:

تورات مقدس میں ہے:

”سور تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم ان کے گوشت میں سے کچھ نہ کھاؤ۔ یہ تمہارے

لئے ناپاک ہے۔“

(تورات، کتاب الاحبار، باب نمبر ۸، آیت نمبر ۷)

دین موسوی کا تکملہ

الغرض حضرت عیسیٰ کی تعلیمات توحید، رسالت اور درست عقائد نیز اعمال صالح پر مبنی تھیں۔ انہوں نے کوئی نیا دین یا نئی شریعت پیش نہیں کی تھی۔ ان کی دعوت موسیٰ علیہ السلام کے دین کا تکملہ و تتمہ تھا۔ جیسا کہ آپ کا قول ہے:

”میں احکام موسوی کی تعمیل کرانے کے لئے آیا ہوں نہ کہ ان کی منسوخی کے لئے۔“
(انجیل متی) (انجیل لوقا) (انجیل یوحنا)

رسالت فقط بنی اسرائیل کے لیے

حضرت مسیح نے فرمایا:

”میں اسرائیل (بنی اسرائیل) کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو دے دیں۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۱۵، درس نمبر ۲۱)

مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اسے ایک مستقل دین بنا دیا گیا اور پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انہی اخلاقی تعلیمات میں چند باطل عقائد شامل کر کے علیحدہ مسیحیت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔

☆☆☆

جدید دین مسیح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات اور موجودہ عیسائیت کی تعلیمات دو متضاد چیزیں ہیں۔ ہم نے مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم موجودہ عیسائیت کی تعلیمات پر گفتگو کرتے ہیں۔

موجودہ عیسائیت کا بانی اور اس کے تغیرات

دوست یا دشمن:

موجودہ عیسائیت کا بانی سینٹ پال یا پولوس رسول تھا جو مسیح کا حواری نہیں تھا بلکہ آپ کا شدید دشمن یہودی تھا۔ وہ اچانک نمودار ہوا، کشف والہام کا دعویٰ کیا اور مسیح کا فرستادہ بن بیٹھا۔ بعد ازیں اس نے عیسیٰ کے پیغام کو مشرک اقوام یونانیوں، رومیوں اور دیگر بنی اسرائیلی عوام میں مقبول بنانے کی خاطر اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔

پولوس کی دین مسیح میں تبدیلیاں:

- 1: پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات میں مندرجہ ذیل اہم تبدیلیاں کیں:
- 1: شریعت کو لعنت ٹھہرایا اور عیسائیوں کے لئے تورات اور موسوی قانون کی تمام پابندیاں ختم کر دیں۔
- 2: نختے کا حکم منسوخ کر دیا، کیونکہ وہ غیر یہودی لوگوں کو ناپسند تھا۔
- 3: رومی اور یونانی تہواروں کی مشرکانہ رسوم و عبادات کو مسیحیت کا جزو بنادیا گیا جس کے نتیجے میں عیسائیت ایک مشرکانہ مذہب بن گیا۔
- 4: کئی باطل عقائد مثلاً الوہیت مسیح، ابیت مسیح اور عقیدہ کفارہ اختراع کئے اور جدید عیسائیت کی بنیاد ان عقائد پر رکھی۔

جدید عیسائیت کے بنیادی عقائد:

- سینٹ پال اور دیگر عیسائیوں نے جدید عیسائیت کی بنیاد جن عقائد پر رکھی وہ مندرجہ ذیل ہیں:
- 1: عقیدہ تثلیث۔
 - 2: عقیدہ کفارہ۔
 - 3: عقیدہ پاپائیت۔
 - 4: دستاویز مغفرت۔

عقیدہ تثلیث

عقیدہ تثلیث کا مفہوم:

عیسائی مذہب میں خدا ان تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے:

1: باپ 2: بیٹا 3: روح القدس

اس عقیدے کو عقیدہ تثلیث کہا جاتا ہے۔

عیسائی علماء کا اقانیم ثلاثہ میں اختلاف:

اس عقیدہ کی تشریح میں عیسائی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں باپ، بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام خدا ہے اور عام عیسائیوں کا یہی مقبول عقیدہ ہے۔ جبکہ بعض عیسائی علماء باپ، بیٹے اور کنواری مریم کو تین اقنوم قرار دیتے ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ ان اقانیم ثلاثہ کی ہم قدرے توضیح پیش کرتے ہیں۔

باپ (Father):

عیسائیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے۔ یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل ہے۔ مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس نے اس طرح تشریح کی ہے:

”باپ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کسی کو جنم دیا اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کی اصل ہے۔ جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے۔ ورنہ جب باپ موجود ہے اس وقت سے بیٹا موجود ہے اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی اولیت حاصل نہیں ہے۔“

(تھامس کی بنیادی تحریریں، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر: 324)

پھر خدا کو باپ کیوں کہا جاتا ہے اس کا جواب ایک عیسائی عالم الفریڈ ای گاروے اس طرح دیتا ہے:

”اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیع اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹوں پر مہربان ہوتا ہے۔“

(انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ ایمپکس، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 585)

بیٹا (The Son):

بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام ہے۔ لاگس کا کلمہ ابتدا خدا کی ایک صفت تھی لیکن یونانی فلاسفر فائلو نے اس کو ایک مستقل بالذات ہستی اور خدا کا نقش اول قرار دیا ہے۔ اس کے خیال میں خدا نے براہ راست تخلیق عالم کا کام انجام نہیں دیا بلکہ پہلے کلمے کو تخلیق کیا اور اس کی وساطت سے دنیا پیدا کی۔ اس طرح گویا کلمہ (Logos) ایک خدائے ثانی تھا۔ گویا کہ اول درجے کا خدا بیٹا تھا یعنی خدا اور خدا کا مولود ایک ہی ذات میں شریک تھے اور اس شرکت کی وجہ سے خدا کا بیٹا اس بات کا اہل تھا کہ خطا کار انسان اور خدائے قادر میں جس تک انسان کی رسائی ممکن نہیں ایک واسطہ بن جائے۔

انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان کیا فرق ہے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے عیسائی عالم سینٹ تھامس کہتا ہے:

”انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوابی وجود نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی بابت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اس لئے اس کو حقیقتاً نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے بلکہ اس کی اصل کا نام بیٹا ہے۔“

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

الغرض عیسائیوں کے نزدیک صفت کلام باپ کی طرح قدیم ہے۔ خدا کی یہی صفت حضرت عیسیٰ کی انسانی شکل میں حلول کر گئی تھی جس کی وجہ سے یسوع بن مریم کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے اور یہ عقیدہ مسیح ایمان کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ ۳۲۵ء میں شقیہ کی کونسل نے فیصلہ صادر کیا کہ ”بیٹا“ بھی باپ کی طرح ابدی اور غیر فانی ہے اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو قابل گردن زنی قرار دیا گیا۔

بعد ازیں ڈنٹ کی کونسل نے اس کی تاکید کی اور عیسائیت کے یہ اصول مذہب طے کر دیئے:

”ہم ایمان لائے خدا کی قدرت والے باپ پر جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے۔ ہم ایمان لائے رب یسوع مسیح ابن اللہ پر جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے جو باپ کے یہاں جملہ کائنات سے پہلے پیدا ہوا۔ وہ عین ذات ہے۔ الہ الہ اور نور نور ہے۔ وہ عین خدا ہے۔ وہ مولود ہے، مخلوق نہیں،

باپ اور اس کا جوہر ہے۔ وہ ایک ہے۔ اس کی وساطت سے تخلیق اشیاء ظہور میں آئیں۔ یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول و حلول ہوا اور وہ انسان بن کر آیا مبتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور اب زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا۔“

(کونسل آف ٹرنٹ)

روح القدس (The Holy Spirit):

اس سے مراد باپ بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعے خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔ یہ صفت بھی جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم ہے۔ اس وجہ سے اسے مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے۔“

(اگستائن۔ شی آف گاڈ)

اناجیل میں ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی ہے کہ جب حضرت مسیح کو پتہ دیا جا رہا تھا تو آسمان کھل گیا اور یہی روح القدس ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح پر نازل ہوئی اور آسمان سے آواز آئی:

”یہ میرا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۳، آیت نمبر: ۱۶)

الغرض عیسائیت میں خدا تین اقانیم پر مشتمل ہے:

- 1: خدا کی ذات جسے باپ کہتے ہیں۔
- 2: خدا کی صفت کلام جسے بیٹا کہا جاتا ہے
- 3: خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔

ان تین میں سے ہر ایک خدا اور تینوں مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔ معنی ہوا:

”تثلیث فی التوحید“

اور

”توحید فی التثلیث“

”تین میں ایک اور ایک میں تین ہے۔“

عقیدہ تثلیث کارد

عقیدہ الوہیت کا ابطال:

قرآن مجید نے عقیدہ الوہیت کو باطل، غلط اور خود ساختہ قرار دیا ہے اور متعدد آیات میں اس کی شدت سے تردید کی ہے۔

مثال مسیح عیسیٰ:

قرآن مجید میں ہے:

”إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 59)

”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مانند ہے۔ جس کو اس نے مٹی سے

بنایا پھر کہا: ہو جا اور پس وہ ہو گیا۔“

یعنی پیدائش کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ کی مثال حضرت آدم کی مثل ہے۔

اگر عیسائی عقیدہ کے مطابق بن باپ پیدا ہونا الوہیت یا ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے تو

حضرت آدم علیہ السلام اس کے زیادہ حقدار تھے جو بن باپ پیدا ہوئے۔

منصب رسالت اور بشر ہونے کا اعلان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”حضرت مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں جس طرح قبل ازیں رسول

گزر چکے تھے اور اس کی والدہ صدیقہ تھیں اور یہ دونوں ماں بیٹا انسانوں کی طرح

کھانا کھاتے تھے جبکہ الہ کھانے سے مستغنی ہوتا ہے۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر ۶، رکوع نمبر ۱۲)

عقیدہ الوہیت کا رد:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي
وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا
لَيْسَ لِي بِحَقِّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا
أَعْلَمَ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 116)

”اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ
مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے علاوہ معبود بنالو“ وہ عرض کریں گے: ”تو پاک ہے
میری کیا مجال کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی
ہوتی تو تحقیق تجھے علم ہوتا۔ جو میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو تیرے
نفس مبارک میں ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ بیشک تو غیوب کا جاننے
والا ہے۔“

عقیدہ تثلیث کا رد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا
الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا
إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا
خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ لَنْ يَسْتَنْكِفَ
الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ
يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 171-172)

”اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر سوائے حق بات کے کچھ نہ کہو۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول تھے اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ اس قول سے باز آ جاؤ! یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ بیٹے سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اللہ کافی ہے کار ساز۔ بیشک مسیح اس بات میں بے عزتی نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے۔ اور جو اس کی عبادت سے بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو پس ان سب کو اسی کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔“

اللہ کا بندہ ہونے کا اعلان:

قرآن مجید میں ہے:

”قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اَتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَجَعَلَنِیْ مُبْرَكًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْ لِّیْ جَبْرًا شَقِیًّا ۝ وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وُلِدْتُ وَیَوْمٍ اَمُوْتُ وَیَوْمٍ اُبْعَثُ حَیًّا“

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27-33)

”عیسیٰ بولے: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے۔ بیشک اللہ نے مجھے ہر جگہ برکت سے نوازا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ بیشک اللہ نے مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا ہے۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔“

ابنیت کا رد:

سورۃ مریم کی آیت نمبر 35 میں بھی اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

”ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝“

”یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ جچی بات ہے جس میں وہ (عیسائی) شک و شبہ کر رہے ہیں۔ ۝ اللہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ ۝“

(سورۃ المریم، آیت نمبر 34 تا 36)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

حضرت عیسیٰ کا اعلان توحید

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حضرت مسیح عریس
”مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ
وَكَنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ
الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 117)

”میں نے انہیں بس وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا تو میں ان پر گواہ تھا اور جب تو نے مجھے اپنی جانب بلایا تو تو ہی ان پر رقیب تھا اور بے شک تو ہر چیز کا نگران ہے۔ ۝“

حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات عقیدۃ الوہیت کے خلاف ہیں جیسا قبل ازیں گزر چکا ہے اور جس کی شہادت آج بھی انجیل دے رہی ہے۔

اناجیل مٹا شے کی مخالفت:

علاوہ ازیں ابتدائی حواری اس عقیدہ کے خلاف تھے جیسا کہ انہوں نے پولوس کی مخالفت

کی۔ نیز یوحنا انجیل کے علاوہ باقی تینوں اناجیل اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔

تعلیمات انبیاء کے خلاف:

پھر یہ عقیدہ انبیاء کی مشترکہ تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

عقل و فطرت کی مخالفت:

نیز عقل اور فطرت بھی اس کی تائید نہیں کرتی کیونکہ یہ عقیدہ خود ساختہ اور ایجاد ہے۔

لہذا اس میں اختلاف لازمی ہے۔

ضرب المثل:

کہا جاتا ہے کہ دس عیسائی عقیدہ تثلیث کے مسئلے کے تھفے کے لئے جمع ہوں تو ان میں

گیارہ فرقے بن جائیں۔

عقیدہ کفارہ

کفارہ کے معنی:

عقیدہ کفارہ موجودہ عیسائیت کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ اس کے لفظی معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپالیا ہے اور ان کے لئے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ یہ عقیدہ موجودہ عیسائیت کی جان ہے۔

کار فرما دو مفروضے:

اس عقیدے کی تشریح انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ”عقیدہ کفارہ“ کے شے میں یوں آئی ہے:

”عیسائی عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ سے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ انسان کی صفت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے“

مفروضوں کا رد:

اس مقالہ کے کاتب نے جن دو مفروضوں پر اس عقیدہ کفارہ کی بنیاد رکھی ہے وہ دونوں سرے سے غلط اور ناپید ہیں۔ اول تو آدم سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ گناہ نام ہے احکام شرع کی خلاف ورزی کا۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت دنیا میں نہیں بلکہ عالم بالا میں تھے جہاں شریعت کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ دوسرا اس لغزش کی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تھی جو مل بھی گئی تھی۔ یہ تصور ہی غلط ہے کہ اللہ نے معافی دینے کے بعد اس گناہ کو برقرار رکھا اور نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس کی سزا اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی کی شکل میں دی۔

عقیدہ کفارہ کا آغاز اور پولوس کا کردار:

ادیان عالم میں مسیحیت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے پیروکار انسان کی نجات کے لئے باطل اور غیر فطری نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ پولوس کی اس تعلیم کا شاخسانہ ہے جس کی رو سے مسیحیت کے پیروکار یسوع کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ان کی مصلوبیت کو گناہ کا کفارہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ کرنٹیوں میں ہے:

”مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا۔“

(کرنٹیوں، باب نمبر ۱۵، آیت نمبر ۳ اور ۴)

دوسری جگہ ہے:

”اور یہ کہ مردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔“

(رومیوں)

مصلوبیت کو یہ کہہ کر پولوس نے کفارہ ٹھہرایا ہے:

”ہم یسوع کے ایک بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کئے گئے ہیں۔“

عقیدہ کفارہ، سینٹ پال کا کردار اور یقیہ کی کنسل:

عقیدہ کفارہ کا آغاز دراصل سینٹ پال کے زمانے سے شروع ہوا۔ سینٹ پال جس نے

ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی جو کہ عقائد، اصول اور احکام میں اس دین سے بالکل مختلف تھا جو حضرت مسیح نے پیش کیا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کی کوئی صحبت نہ پائی تھی بلکہ ان کے مخالفوں میں سے تھا۔ جب اس نے نیا دین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس کے پیروؤں نے ان بدعات کی مخالفت کی مگر چوتھی صدی کے آغاز ۳۳۵ء میں نیقہ (Nicaea) کی کونسل نے پولوس کے عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا حتمی مذہب قرار دے دیا۔

عقیدہ کفارہ کے بارے میں معروضات:

کفارہ کا عقیدہ موجودہ عیسائیت کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بائبل میں براہ راست کفارہ کے معروضات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تاہم اس غیر فطری عقیدہ کی بنیاد ان معروضات پر رکھی گئی ہے:

- 1: سانپ کے بہکانے پر باغ عدن میں شجر ممنوعہ کھالینے سے حضرت آدم نے خدا کا گناہ کر کے اسے غضب ناک کیا اور ان کا یہ گناہ معاف نہیں کیا گیا تھا۔
- 2: حضرت آدم کا باغ عدن میں گناہ ہر انسان کو ورثہ میں ملتا ہے جس سے ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہگار ہوتا ہے۔
- 3: پیدائشی طور پر گناہگار ہونے سے جہنم ہر انسان کا مقدر ہے۔
- 4: آخر کار لاکھوں برس بعد خدا تعالیٰ نے ایک راہ نکال کر اپنے اکلوتے بیٹے کو نجات دہندہ کے طور پر بھیجا اور اس نے صلیب پر جان دے کر انسان کو کفارہ سے پاک کرنے کا مداوا کیا۔
- 5: مسیحیت کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ یسوع پر ایمان لانے سے ان کی صلیبی موت کفارہ بن کر انسان کو پیدائشی گناہ سے پاک کر دیتی ہے اور غضبناک خدا کا گناہگار ہونے کے ساتھ ساتھ ملاپ اور قرب کا باعث بنتی ہے۔

6: عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے کیونکہ انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ اگر اللہ بندے کے گناہ کو توبہ سے معاف کر دے تو اس کا یہ رحم عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے جس کا تقاضا انسان کو معاف کر دینے کا ہے اور خدا عادل بھی ہے جس کا مطالبہ سزا دینے کا ہے۔ چنانچہ رحم و عدل یکجا نہیں ہو سکتے۔ بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے اور

اس کی یہ صورت نکالی کہ یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے۔

غیر متعصب مسیحیوں کا تجزیہ:

قرآن مجید میں ہے:

”اے پیغمبر! تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی و مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر تم ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔“

(القرآن الکریم)

مسیحیوں میں ہر زمانہ میں حق پسند علماء مشائخ اور دانشور موجود رہے ہیں۔

1: سلیپس مصلوبیت مسیح اور اس سے پہلے کی کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے:

”مسیح کو اپنے باپ سے کچھ مدد نہ ملی اور وہ خود اپنی امداد نہ کر سکتا تھا۔ دکھ اور تکلیف کے وقت اس میں برداشت کی طاقت نہ تھی۔ جب دکھ کو رفع کرنے کے لئے اسے شراب دی گئی تو وہ منہ کھول کر اسے پینے کو کہا اور پیاس کو برداشت نہ کر سکا۔ جسے معمولی آدمی بھی اکثر اوقات کیا کرتے ہیں۔“

(بارہ ضروری سوالات، صفحہ نمبر ۱۸۰)

2: پین کفارہ کی تشریح اس طرح کرتا ہے:

”دیوتاؤں کے حالات قلم بند کرنے والے مسیحی بیان کرتے ہیں کہ مسیح جہان کے گناہوں کے لئے مر گیا اور وہ اسی مقصد کے لئے آیا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مسیح کی موت ہم کو مرنے سے نہیں روک سکتی۔ اس لئے کہ ہم صرف مر جاتے ہیں۔ مغالطوں کے گھڑنے والے مقدس پولس نے ایک اور ذومعنی لفظ آدم کا مغالطہ دے کر مغالطہ موت کو تقویت دی۔ وہ کہتا ہے کہ دو آدم تھے۔ ایک وہ جو فی الحقیقت گناہ کرتے ہیں اور اس کی جگہ سزا اٹھاتا ہے اور دوسرا وہ جو قائم مقام ہو کر گناہ کرتے ہیں اور فی الحقیقت سزا پاتا ہے۔“

3: ایک بائبلسٹ ماتھولوجی کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

”شریعت، سزا اور کفارہ کے بارے میں پولیس کا نظریہ دور جدید کے انصاف کے احساس کو ناگوار گزرتا ہے اور ہر پہلو سے ہمارے اخلاقی تصورات کے متناقض

ہے۔“ www.only1or3.com

(بارہ ضروری سوالات، صفحہ نمبر ۱۶۸) www.onlyoneorthree.com

عقیدہ کفارہ کا رد از روئے قرآن و انجیل

صلیب و قتل کی تردید:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی ”صلیب پر موت“ کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:

”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا“
بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝“

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157 تا 159)

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 157)

”اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ ۝ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ ۝ اور بیشک ضرور بالضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر

ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔“

انا جیل اربعہ اور عقیدہ کفارہ:

انا جیل اربعہ سے بھی مصلوبیت مسیح، ان کے دفن کئے جانے اور مر کر اٹھنے کا افسانہ محض خواب و سراب اور رویا پر استوار کیا جانا عیاں ہے۔ خود انجیل برناباس کے مطابق عقیدہ کفارہ سینٹ پال کا ایجاد کردہ ہے۔

کیا آدم علیہ السلام حوا کی لغزش معاف نہیں ہوئی:

بائبل کی رو سے باغ عدن میں خدا کا گناہ حوا نے سانپ کے بہکانے پر کیا تھا لیکن حضرت آدم حوا کی پیروی میں درخت کا پھل کھا لینے سے قصور وار نہ تھا۔ پولوس کہتا ہے:

”پہلے آدم بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔“

(حمطاؤس ۲-۱۲ تا ۱۳)

سانپ کے بہکانے، حوا کے گناہ کرنے اور حضرت آدم کی حوا کی پیروی کرنے پر بائبل کی رو سے خدا نے اس وقت انہیں یہ سزائیں دے دیں تھیں:

”خداوند نے سانپ سے کہا: ”اس لئے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور جانوروں میں مطعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک چھانے گا۔“ عورت سے کہا: ”تو درد سے بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔“ اور آدم سے کہا: ”چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا، اس لئے زمین تیرے سبب کے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا۔“

(کتاب پیدائش، باب نمبر ۳: آیت نمبر ۱۳ تا ۱۷)

حضرت آدم کے اس گناہ کی سزا بائبل کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود تجویز کر دی ہے۔ اب اصولاً انسان کو گناہگار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس نے اپنی سزا پوری کر لی ہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے پیدائشی گناہ دھل جاتے ہیں تو پھر دیگر مذاہب کی طرح مسیحیت کی پیروکار عورتوں اور مردوں کو اپنی سزا کیوں پوری کرنا پڑ رہی ہے؟

پیدا شدہ بچہ سزا کا مستحق:

ایک طرف تو پولوس حضرت حوا کو گناہگار قرار دیتا ہے تو دوسری طرف وہ آدم کو گناہگار ٹھہرا کر انسان کو پیدا انشی طور پر جہنمی قرار دیتا ہے۔

ایک عیسائی فاضل جان کالون کہتا ہے:

”در حقیقت ہم نے آدم سے صرف وراثت میں سزا نہیں پائی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک وبائی مرض جاگزیں ہے جو آدم سے ہم کو لگا ہے اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انصاف کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں۔ اس طرح شیر خوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے سزا کا استحقاق لے کر آتے ہیں اور یہ سزا خود ان کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے کسی اور کے قصور کی نہیں۔“

بائبل کی رو سے گناہ کے ارتکاب کا اول منبع عورت کی ذات ہے۔ جبکہ حضرت مسیح کو بھی پیدا کرنے والی بھی عورت ہے جو کہ گناہ کا اصل منبع ہے۔ عیسائیوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

نسیان آدم کی معافی:

حقیقت یہ ہے کہ آدم کی لغزش اللہ تعالیٰ نے معاف کر کے انہیں پاک صاف کر دیا تھا اور اس کی تصدیق قرآن مجید سے ہوتی ہے:

”فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ“

(سورۃ البقرة، آیت نمبر 37)

”آدم نے اپنے پروردگار سے (معافی کے) کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی تو اس نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔“

قرآن مجید میں ہے:

”فَنَسِيَ آدَمُ فُلْمَ نَجْدٍ لَهُ عَظْمًا“

”حضرت آدم بھول گئے پس ہم نے ان میں لغزش کا ارادہ نہیں پایا۔“

کیا ہر بچہ پیدائشی گناہگار ہے:

نہ ہی انصاف اس بات کو گوارا کرتا ہے اور نہ عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ غلطی باپ کرے اور سزا بیٹا پائے۔ بلکہ خود بائبل اس باطل خیال کی تردید کرتی ہے۔ چنانچہ کتاب استثناء میں ہے:

”بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں، نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔
ہر ایک اپنے گناہ کے سبب مارا جائے۔“

(کتاب استثناء، باب نمبر ۲۴، آیت نمبر: ۱۶)

اولاد آدم کا پیدائشی طور پر گناہگار نہ ہونے کا ثبوت یوحنا کی پیدائش کی بشارت کے اس بیان میں ہے:

”بہت سے لوگ اس کی پیدائش سے خوش ہوں گے کیونکہ وہ خدا کے حضور بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ کوئی شراب پیے گا اور اپنی ماں ہی کے لپٹن سے روح القدس سے بھر جائے گا۔“

(انجیل لوقا: ۱۴: ۱۵)

ایک عیسائی بزرگ ایکوفاس کا قول:

”جو بچے پتسمہ لینے سے پہلے مر جاتے ہیں ان میں چونکہ اصلی گناہ برقرار ہے اس لئے وہ کبھی خداوند کی بادشاہت نہیں دیکھیں گے۔“

پھر تو عیسائیوں کی جو اولاد پتسمہ سے پہلے مر جائے تو وہ جہنمی اور ہمیشہ کی سزا کی مستحق ہے۔

کیا صرف یسوع پر ایمان سے آدمی نجات پاتا ہے:

اگر اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جتنے بھی انسان ہوئے وہ گناہگار تھے۔ ان میں عہد عتیق کے بزرگ و برگزیدہ لوگ بھی شامل تھے۔ جبکہ مسیحی لوگ ان لوگوں کی لکھی گئی عہد نامہ عتیق کو مقدس مانتے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح سے پہلے کے تمام انسان گناہگار تھے خود بائبل کی رو سے غلط ہے۔ بائبل میں بے شمار ایسے آدمیوں کا ذکر موجود ہے جو راست باز، مقدس اور نیک تھے۔ جن میں حضرت یحییٰ (یوحنا)، حضرت آدم کا فرزند، حضرت دانیال، یوسیع، ذکر یا اور ان کی بیوی فرنینا، بادشاہ سمشون بن

منوحہ، عمویٰ الہی اور شمعون خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان تمام برگزیدہ شخصیات کے بارے میں لوقا، مرقس، متی، یوحنا، سموئیل اور دانیال وغیرہ میں آیات موجود ہیں۔ جس سے عیسائیوں کا یہ عقیدہ (کہ حضرت عیسیٰ کے علاوہ اور کوئی نیک نہیں اور ہر شخص فطری طور پر گنہگار ہے) غلط ثابت ہوتا ہے۔

کیا خدا نے اپنے ہمسر کے ذریعہ اپنے غضب کو ختم کیا:

اول تو یسوع خدا کا ہمسر نہیں اور اگر خدا کے ہمسر ہوتے یا ان کے ذریعہ خدا نے اپنے غضب کو ختم کرنے کی ترکیب نکالی ہوتی تو یسوع اس بات سے ضرور آگاہ ہوتے اور یہودیوں کی طرف سے قتل کئے جانے کے منصوبے سے خوفزدہ ہو کر ان کی نہ تو یہ حالت ہوتی اور نہ ہی وہ یہ دعا مانگتے:

”اے باپ! اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹالے! تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری ہی مرضی پوری ہو۔“

اور آسمان سے ایک فرشتہ اسے دکھائی دیا وہ اس کو تقویت دیتا تھا۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔“

انجیل لوقا کے اس بیان سے واضح ہے کہ یسوع کی مرضی یہ تھی کہ وہ قتل نہ کئے جائیں لیکن خدا کی مرضی اور تھی۔

انجیل متی، باب نمبر ۲۶، آیت ۲۶ میں ہے:

”شاگردو! جاگو! اور دعا کرو! روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔“

کفارہ سے پہلے سب شاگرد پیداؤشی گنہگار تھے اور مسیح خود خدا تھا تو کیا خدا اپنے مصائب کو دور کرنے کے لئے گنہگاروں سے دعا کی التجا کرتا ہے؟

کیا یسوع کی مصلوبیت دنیا کے گناہوں کا کفارہ ٹھہری تھی:

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیا بائبل کی رو سے ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرا اٹھا سکتا ہے۔؟ بائبل کی تعلیم اس کے سراسر منافی ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے:

”اولاد کے بدلے باپ دادا مارے جائیں، نہ باپ داداؤں کے بدلے اولاد قتل کی

جائے۔ ہر ایک اپنے گناہ کے سبب مارا جائے۔“

(کتاب استثناء، باب نمبر ۴، آیت نمبر: ۱۶)

اس حوالے کے علاوہ اور بھی اس قسم کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی بھی دوسروں کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ایک اور اہم بات جس سے اس عقیدہ کا رد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں کئے گئے تھے جیسا کہ انجیل برنباس میں لکھا ہے کہ حضرت عیساٰ سمان پر اٹھائے گئے تھے اور ان کی جگہ ان کا شاگرد یہودا پھانسی دیا گیا تھا۔ اس لئے نہ تو حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے اور نہ گناہوں کا کفارہ ادا ہوا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کیا اللہ تعالیٰ کی صفت رحم بلا بدل نہیں:

عیسائیوں کا یہ استدلال ہے کہ انسان نے گناہ کیا، خدا کا عدل گناہ کی سزا کا متقاضی ہے اور خدا کا رحم نجات کا متقاضی۔ ہر دو تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو دنیا میں بھیج کر لوگوں کو اپنے رحم سے مستفید کیا اور خود اپنی جان صلیب پر دے کر عدل کے تقاضے کو پورا کیا اور مسیح لوگوں کے لئے بخشش کا موجب ٹھہرا۔

لیکن عیسائیوں کا یہ استدلال کہ اللہ تعالیٰ کا رحم بلا بدل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کی صفات کی ناسمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان ہے جس کا ظہور انسانوں کے اعمال اور محنت کے نتیجے میں نہیں ہوتا جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی اس کی زندگی کے تمام سامان دنیا میں موجود تھے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ سامان اس کے اعمال کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ جب خدا کی ذات پیدائش سے قبل رحم بلا بدل کر سکتی ہے تو وہ موت کے بعد انسانوں پر رحم بلا بدل کیوں نہیں کر سکتی؟ اللہ تعالیٰ کا رحم عدل کے تقاضوں میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔

کفارہ کے بارے میں عہد نامہ عتیق کی شہادت:

عہد عتیق میں کفارہ کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ فرقی ایل نبی کی معرفت خدا نے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیا ہے:

”جو جان گناہ کرتی ہے وہ دے گی۔ بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اس کے لئے اور شریر کی شرارت

اس کے لئے ہے، لیکن شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے اور میرے سبب آئین پر چلے جو جائز اور روا ہے تو یقیناً زندہ رہے گا۔ وہ نہ مرے گا، وہ سب گناہ جو اس نے کئے ہیں اس کے خلاف محسوس نہ ہوں گے، وہ اپنی راست بازی جو اس نے کی زندہ رہے گا۔“

(مزدی ایل، باب نمبر ۱۸، آیت نمبر: ۱۳ تا ۲۰)

پولوس نے خود تسلیم کیا ہے کہ شفاعت کنندہ بے گناہ ہونا چاہئے مگر یسوع تو کروڑوں انسانوں کے گناہوں کا مجموعہ تھا۔ چنانچہ کہتا ہے:

”جو نبی اس نے گناہوں کا گھڑا اٹھایا وہ باقی قربانی کے لائق بھی نہ رہا۔ کیونکہ قربانی بے عیب کی ہونی چاہئے۔“

پھر یسوع کو خود اقرار ہے:

”میں نیک نہیں تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک خدا“

نیز فرمایا:

”اور جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر نیک ٹھہرے؟“

انسان کے پیدا نشی گناہگار ہونے کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ اب تو خود کیتھولک علماء بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد نہیں۔

ایک جرمن عیسائی ہربرٹ باگ نے ”پیدائشی گناہ مذہبی کتابوں میں موجود ہے؟“ کے نام سے ایک کتاب لکھی اس میں لکھتا ہے:

”یہ عقیدہ تیسری صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔“

کفارہ پولوس کا وضع کردہ من گھڑت نظریہ ہے:

ایک عیسائی سکالر کہتا ہے:

”پولوس کی تصانیف خطرے کا باعث اور چھٹی چٹان ہیں اور مسیحی متھیا لوجی کے بڑے بڑے نقص انہی سے واقع ہوئے ہیں۔ پولوس تیز فہم اور خونخوار مالتھالوجی کا باپ ہے جو لعنت کا فتویٰ دیتی اور جہنم کی سزا مقرر ٹھہرا دیتی ہے۔“

(بارہ ضروری سوالات، صفحہ نمبر ۱۳۹)

کیا یہ بات عقل کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے:

عقیدہ کفارہ کو تسلیم کرنے کے بعد تو مسیحیت کے قانون اخلاق کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر یہ کفارہ کا عقیدہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی قتل کر کے، چوری کر کے، زنا کر کے، ہمسائے کو ستا کر اور حرام کی کمائی کے ذخیرے سے بھی آسمانی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ مسیح پر ایمان لے آئے۔ اس صورت میں وہ ساری تعلیمات مہمل ہو جاتی ہیں جو مسیح نے اپنے مواعظ میں دیں، بلکہ خود مسیح کا یہ قول بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے:

”ان (نمرے) اعمال کے ساتھ کوئی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔“

اگر مسیح کی بات سچی ہے تو یقیناً کفارے کا عقیدہ باطل ہے۔ بہر حال یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں اور نہ ہی عقل و منطق کی رو سے ممکن ہیں۔“

پاپائیت

سرکاری مذہب:

عیسائیت کو سرکاری مذہب کا درجہ قسطنطین شہنشاہ روم نے دیا۔ اس لحاظ سے مذہبی اور دنیاوی امور یکجا ہو گئے اور حکومت روم مقدس بن گئی۔

کلیسا کے پانچ منتظمین:

اس دور میں کلیسا کا انتظام پانچ بڑے پادریوں کے ذمے تھا جنہیں ”Patriachs“ کہا جاتا تھا، جو انگریزی میں فادر کے ہم معنی ہے۔

دو عظیم کلیسا اور ان کا باہم اختلاف:

کلیسا دو تھے۔ مغرب میں روم کا اور مشرق میں قسطنطنیہ کا۔ رومی کلیسا کو اس بات پر ناز تھا کہ پطرس اور پولوس نے روم میں ہی وفات پائی تھی اور وہی عیسائیت کی اصل روایات کے علمبردار تھے۔ دوسری طرف قسطنطنیہ کا کلیسا بھی اپنے آپ کو کم اہم نہ سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں قسطنطنیہ ہی سلطنت روم کا دار الحکومت یا مرکزی مقام تھا۔ اس لئے وہ رومی کلیسا پر برتری رکھتا تھا۔ دونوں کلیساؤں میں اختلافات کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ دونوں کی زبانیں مختلف تھیں۔ رومی

کلیسا میں لاطینی اور قسطنطنیہ میں یونانی۔ دونوں کی تعلیمات کا ترجمہ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں ہوتا تو مطالب و مفہوم میں اختلاف پیدا ہو جاتا اور دونوں میں بحث چھڑ جاتی۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے دونوں میں اختلافات کی خلیج اس حد تک وسیع ہوئی کہ دونوں کبھی متحد نہ ہو سکے اور مذہب کے ایک منظم ادارے کی حیثیت سے کلیسا کا نظام پارہ پارہ ہو گیا۔ اس پر مزید ستم یہ کہ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی افواج نے کلیسائے قسطنطنیہ کے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا جس سے اختلافات اور بڑھ گئے۔

پاپائی نظام کو مستحکم کرنے والا:

وہ شخص جس نے سب سے پہلے پاپائی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا وہ گریگوری اول (ولادت: ۵۴۰ء۔ وفات ۶۰۹ء) تھا۔ اس دور میں بہت سی وحشی اقوام عیسائیت میں داخل ہوئیں جس سے پوپ کی قوت میں اضافہ ہوا۔ وہ دنیوی اور دنیاوی دونوں طاقتوں کا منبع و سرچشمہ قرار دیا گیا اور اس سلسلے میں اسے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے عیسائی بادشاہوں کو پوپ کی حمایت کئے بغیر چارہ نہ رہا۔

پوپ کی طاقت:

پوپ کی زبردست طاقت کا یہ دور ۸۰۰ عیسوی سے شروع ہوا۔ جب رومہ الکبریٰ کی مقدس سلطنت کے پہلے شہنشاہ شارلی مان کو روم میں پوپ نے مذہبی رسوم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے تاج پہنایا۔ اسی تاج پوشی کے بعد سے ہی سلطنت روم کا نام ”مقدس سلطنت روم“ رکھ دیا گیا۔ جب پوپ نے شارلی مان کو اس سلطنت کا فرمانروا بنایا تھا اس وقت اس کی حدود میں وہ تمام ممالک شامل تھے جو آج کل فرانس، جرمنی، اٹلی اور وسط یورپ کی ریاستوں یوگوسلاویہ اور رومانیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بحر روم سے لے کر بحر ہند تک دولت عباسیہ کے سلاطین کا آفتاب اقبال جگمگا رہا تھا اور اسپین میں عرب سلاطین کے ہاتھوں قرطبہ و غرناطہ کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔

سلطنت پوپ کے ہاتھ میں:

۸۰۰ء کے بعد سے پوپ ہی معنوی فرمانروا تھا۔ اس تاریخ کے بعد سے سولہویں اور

سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کے بادشاہوں کا تخت و تاج عملاً پوپ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جسے چاہتا تخت پر بٹھاسکتا اور جسے چاہتا تخت سے محروم کر سکتا تھا۔ چنانچہ شارلی مان کی وفات کے بعد جب اس مقدس سلطنت روما میں انتشار پیدا ہو گیا اور ہر چھوٹا حکمران اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھا تو یہ پوپ ہی تھا جس کی مداخلت سے آٹو اعظم کو باقاعدہ تاجدار تسلیم کیا گیا۔ اس تاج پوشی کے بعد یورپ کے تمام سرداروں، جاگیرداروں اور چھوٹے بڑے سب فرمانرواؤں نے یہ طے کیا کہ آئندہ سے ہر بادشاہ کی تاجپوشی پوپ یا اس کے مقرر کئے ہوئے نائب ہی کیا کریں گے اور جس بادشاہ کے سر پر پوپ تاج نہ رکھے گا وہ بادشاہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اسی زمانے میں یہ بھی طے ہوا کہ مقدس سلطنت روما کے بادشاہ کا انتخاب یورپ کے رؤسا اور پوپ مل کر کیا کریں گے۔ یہ تعداد بعد میں محدود ہو کر سات تک رہ گئی۔ ان میں تین پاپائیت کے نمائندے ہوتے تھے اور چار رؤسا کے۔ ان رؤسا پر بھی پوپ کا اثر و رسوخ ہوتا۔ گویا بادشاہت کا پورا اختیار پوپ کے ہاتھوں میں تھا۔ تیرہویں اور چودھویں صدی میں پورے یورپ میں صرف پوپ ہی کا ڈنک بج رہا تھا۔ یورپ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام چھوٹے بڑے فرمانروا اس کے ہاتھ میں کٹے پتے تھے۔ پوپ کا قانون ہی سب کچھ تھا۔

پوپ کا تاج اور رقبہ:

پوپ کے اثر و اقتدار کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ پوپ صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے بھی اس کا دربار بڑے بڑے حکمرانوں کے دربار کو شرماتا تھا۔ پوپ کا بھی باقاعدہ تاج ہوتا جس میں لاکھوں کے جواہرات نکلے ہوتے اور جب بھی نیا پوپ مقرر ہوتا تو اسے وہ تاج انہیں مذہبی رسوم کے ساتھ پہنایا جاتا جو بادشاہوں کی تاجپوشی کے وقت ادا کی جاتی تھیں۔ پوپ کے ”صرف خاص“ کے لئے جو جاگیر تھی اس کا رقبہ تیرہویں صدی عیسوی میں سترہ ہزار مربع میل تھا۔

پوپ کا محل:

پاپائیت کا مرکز روم تھا۔ جہاں ”وے ٹی کن“ مقام پر پوپ کا محل ہے۔ اسے ۱۳۷۷ء میں پوپ گریگوری یارزہم نے اپنا مستقر بنایا تھا اور جو اس وقت سے آج تک پاپائیت کا مستقر ہے۔ یہ اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ یہ محل گیارہ سو ایکاون فٹ لمبا اور

سات سو چھتر فٹ چوڑا ہے۔ اس کے کمروں کی تعداد چار ہزار کئی مزلیں ہیں۔ جن پر جانے کے لئے بے شمار زینے ہیں، بیسوں ایوان ہیں، متعدد پائے، متعدد باغ اور چند در چند بڑے ہال ہیں۔

جس طرح ہر بادشاہ اپنے پیش رو کے بنائے ہوئے محلات کو آراستہ و پیراستہ کرنے اور اس کی رونق و شان بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح ہر پوپ نے یکے بعد دیگرے اس محل کے حسن و آرائش اور عظمت و شان کو بڑھانے میں اپنے پیشرو سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی چھتوں اور دیواروں کو سولہویں صدی عیسوی کے مشہور مصور و نقاش مائیکل انجلو کے نقش و نگار سے آراستہ کرایا گیا تھا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کلیسا کے مظالم اور عدالت تفتیش:

پوپ کے ایک ہاتھ میں یورپ کے بادشاہوں کے تاج تھے تو دوسرے ہاتھ میں عوام کے دل و دماغ کی باگ دوڑ، سیاسی قوت اور مذہبی اثر۔ پھر دولت نے کلیسا کو وقت کا اہم ترین ادارہ بنا دیا تھا، لیکن کلیسا نے ان اختیارات کا صحیح استعمال نہ کیا۔ اگر بادشاہ کلیسا کے احکام سے سرتابی کی جرأت کرتے تو وہ تخت و تاج سے محروم کر دیئے جاتے اور عوام میں سے کسی کے سر میں سرکشی کا سودا سانا تو اسے الحاد و بے دینی کی سزا دی جاتی تھی۔

جب اس قسم کے سرکش افراد کی تعداد کچھ بڑھنے لگی تو ۱۲۴۸ء میں پوپ انوسینٹ چہارم (Innocent IV) نے عدالت تفتیش (Inquisition) کے نام سے استیصال الحاد کے لئے ایک عدالت قائم کی، جس کی شاخیں پورے یورپ میں تھیں۔ پندرہویں صدی عیسوی میں یہ عدالت اپنے شباب پر تھی۔ ہر وہ شخص جس کے خلاف پوپ کی بے چون و چرا اطاعت سے سرتابی کرنے کا شبہ ہوتا اسے گرفتار کر کے اس عدالت کے ججوں کے سامنے لایا جاتا۔ مگر ملزم کو نہ تو الزام لگانے والوں کا پتہ ہوتا اور نہ ہی اسے صفائی کا موقع دیا جاتا۔ مقدمے کی کارروائی بند کمرے میں ہوتی اور دو ٹوک فیصلہ ہوتا۔ ملزم اقرار کرے یا انکار دونوں صورتوں میں موت اس کی منتظر تھی۔ ملزم اگر اقرار جرم نہ کرتا تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سچ بلوانے کے لئے اس پر ہولناک سختیاں کی جاتیں۔ بالآخر وہ اقرار جرم کر لیتا۔ بجز اس کے کہ پادری ججوں کو اس پر رحم آجائے اور وہ اسے معاف کر دیں۔

ایک اندازے کے مطابق ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک ان احتسابی عدالتوں نے تقریباً تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف سزائیں دیں۔ ان میں سے صرف ۳۲ ہزار وہ تھے جنہیں دہکتی آگ کی نظر کیا گیا۔ جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں ان میں گلیلو جیسے ماہرین سائنس شامل تھے۔ اٹلی کے مشہور سائنس دان برنولی کو بھی اشاعت علم کے جرم میں آگ کی نذر کر دیا گیا۔

کلیسا کے ان ہی مظالم کی بناء پر بہت سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور اسی پس منظر کی بناء پر آج بھی بعض لوگ مذہب اور سائنس کو متضاد تصور کرتے ہیں۔

تحریک اصلاح مذہب، مارٹن لوتھر اور اس کے جانشین

دو متضاد ادارے:

پاپائے اعظم کے تحت مقدس سلطنت روما کا قیام دراصل مذہب و سیاست کو یکجا کرنے کی کوشش تھی لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ پوپ نے جو اقتدار قائم کیا اس سے بادشاہت کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس نے بادشاہت کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کو ہی کافی سمجھا اور اس پر اپنا تسلط رکھنا ضروری خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت کے لحاظ سے دو برابر سیاسی ادارے قائم ہو گئے جو حصول اقتدار کے لئے باہم متضاد رہنے لگے۔ جس کا پلہ بھاری ہو جاتا وہ دوسرے پر چھا جاتا۔

کلر جی یا برہمنیت:

آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کی تاریخ پاپائیت و بادشاہت کے تضاد کی ایک مسلسل داستان ہے۔ اس تضاد میں پاپائیت نے اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے ”برہمنیت“ کے تصور سے فائدہ اٹھایا۔ مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں کی تشریح کا حق عوام کی بجائے ایک مخصوص و محدود طبقے کے سپرد کر دیا گیا اور ”کلر جی“ یا پادری کے نام سے پاپائیت ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہو گئی اور ہر وہ شخص ”کلر جی“ بن جانے کا حقدار گردانا گیا جو پوپ کی منظور شدہ مذہبی تعلیم کی تکمیل کرے۔ باقی لوگوں کو دینی معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ پوپ نے عوام پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ”کلر جی“ کے نام سے ایک مستقل فوج تیار کر لی اور عوام کو یہ سمجھایا گیا کہ خدا تک بندے کی رسائی صرف اسی

فوج سے ہو سکتی ہے۔

کلرجی کا عروج و عیش پسندی:

ابتدا میں ”کلرجی“ کا یہ طبقہ اپنی اہمیت کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اعمال و کردار میں بہت محتاط تھا لیکن جب اس کی عظمت کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا تو رفتہ رفتہ اس کا عیش پسندی کی طرف میلان بڑھنے لگا۔ آخر وہ وقت آیا کہ پوپ اور بادشاہ میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔

کلیسائی اقتدار کے خاتمہ کے خواہاں:

کلیسا کے بڑھتے ہوئے مظالم اور مذہبی طبقہ کی اس عیش پسندی نے عوام میں کچھ ایسے لوگ پیدا کر دیئے جو کلیسا کے اقتدار کو ختم کر دینے کے درپے تھے۔ اصلاح مذہب میں ان لوگوں کے ناموں میں سرفہرست مارٹن لوتھر ہے۔

مارٹن لوتھر کا مختصر تعارف:

مارٹن لوتھر جرمنی کے ایک گاؤں ”آئل بین“ میں ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین نہایت غریب تھے۔ اس نے عسرت اور تنگدستی میں ایک معمولی سے جھونپڑے میں آنکھ کھولی۔ لیکن اس کے والدین نے اس کی تعلیم و تربیت کی طرف بڑی توجہ کی۔ چند سال میں لوتھر نے مذہبی تعلیم کو مکمل کر لیا۔ اسے بالآخر پادری بنا دیا گیا۔

علمی ذہانت اور پاپائیت کا خاتمہ:

مارٹن لوتھر کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۲۵ سال کی عمر میں اسے وٹن برگ یونیورسٹی میں مذہبی معلم کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اس نے اپنی علمیت، قابلیت اور خطابت سے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھادی۔ اسی زمانے میں لوتھر کے دماغ میں پاپائیت کے خلاف خیالات جنم لینے لگے اور بالآخر چند سال میں اس نے حالت اخروی کے ان اصولوں کے خلاف (جو پوپ نے رکھے تھے) احتجاج کیا۔

دستاویز مغفرت کو خلاف مذہب قرار دینا:

پوپ نے دستاویز مغفرت جاری کیں کہ کوئی آدمی پیسے دے اور اپنے گناہ بخشوا لے۔ اسی

طرح پیسے دے اور اپنے مردوں کو بخشوالے۔ یہ دستاویز یورپ کے ہر شہر قصبے اور گاؤں میں پادریوں کے ذریعے فروخت کی جانے لگیں۔ مارٹن لوتھر جس شہر میں قیام رکھتا تھا وہاں پر بھی ایک پادری جان ٹیٹ زیل (Tet Zel) کے پاس ان دستاویزوں کی انجنسی تھی۔ اس صورت حال سے لوتھر کا پیمانہ صبر چھلک پڑا اور اس نے پادری مذکور سے کہا:

”تمہارا یہ فعل عیسائیت کے خلاف ہے۔ میں تم سے اس بات پر مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔“

پاپائیت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ اور اس کی حمایت:

اس دعوت مناظرہ کے بعد لوتھر نے ۹۵ نظریات تیار کئے اور انہیں خوش خط لکھوا کر ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو مقامی گرجا گھر کے صدر دروازے پر لٹکا دیا۔ یہ گویا پاپائیت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ تھا۔ جب جرمنی کے عوام کو اس بات کا علم ہوا تو ہر شخص دستاویز مغفرت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ لوتھر نے ان میں جرات اظہار پیدا کی اور اب جگہ جگہ سے لوتھر کی حمایت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔

پوپ کا مخالفت کرنا:

پوپ نے مارٹن لوتھر کے اعلان کے تین سال بعد ۱۵۳۰ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں مارٹن لوتھر کے نظریے پر لعنت و نفرین کی گئی تھی اور اس کے ماننے والوں کو مردود قرار دیا گیا۔

پوپ کا فرمان نذر آتش اور علی الاعلان نظریے کی اشاعت:

جب یہ فرمان لوتھر کی قیام گاہ وٹن برگ میں پہنچا تو اس نے سب کے سامنے اعلانیہ طور پر اسے نذر آتش کر دیا۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد پوپ نے پادریوں کا ایک جلسہ طلب کیا اور اس میں لوتھر کو بھی بلایا۔ لوتھر اپنی جان کے خطرے کے باوجود وہاں پہنچا اور سب کے سامنے علی الاعلان اپنے نظریوں کے صحیح ہونے کا اعلان کیا۔

لوتھر کی جان کا خطرہ اور تحریک اپنے عروج پر:

اس قسم کے کفر الحاد کے لئے پاپائیت نے ”عدالت تفتیش“ قائم کر رکھی تھی۔ اس لئے بظاہر سب کو یقین تھا کہ لوتھر کی قسمت میں آگ کے شعلوں کی موت لکھی ہے لیکن اب حالات مختلف

تھے۔ عوام کی ایک بڑی تعداد لو تھر کے ساتھ تھی۔ چنانچہ لو تھر کو پاپائیت کے جوش انتقام سے بچانے کے لئے ایک نہایت مستحکم قلعے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں وہ ایک سال کے قریب پناہ گزین رہا۔

پروٹسٹنٹ کا آغاز:

اب عوام میں ایک لو تھر ہی نہیں سینکڑوں اور ہزاروں لو تھر تھے۔ لو تھر کی تعلیمات کا ایک ایک لفظ عوام کے دل کا ترجمان تھا۔ پاپائیت کا زوال اب مقدر ہو چکا تھا۔ لو تھر کی اصلاح مذہب کی تحریک روز بروز طاقت ور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت یہ تحریک پاپائیت کے خلاف ایک احتجاج تھا جسے انگریزی میں پروٹسٹ (Protest) کہتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ اس تحریک کے حامی تھے انہیں پروٹسٹنٹ (Protestant) یعنی احتجاجی کہا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام عیسائی فرقے جو پاپائے روم یعنی رومن کیتھولک گرجے سے الگ ہو گئے پروٹسٹنٹ کہلانے لگے۔

مارٹن لو تھر کے جانشین:

مارٹن لو تھر نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد اس تحریک کو چند ایسے سرگرم راہنما مل گئے جنہوں نے لو تھر کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

جان کیلون اور تحریک اصلاح مذہب:

۱۵۳۶ء میں جان کیلون (Calvin) نے اپنی کتاب ”عیسائی مذہب کے ادارے“ میں لو تھر کے عقائد کی حمایت کی اور اپنے پیروؤں کا الگ فرقہ قائم کیا جو ”کیلونی فرقہ“ کہلایا۔ اس فرقے کے عقائد کا مرکزی نظریہ یہ تھا کہ خدا ایک مشیت مطلقہ ہے اور انسان مجبور محض جو اس کی مشیت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

زونگل اور تحریک اصلاح مذہب:

کیلون کے ہم عصر زونگل نے بھی اصلاح مذہب پر اپنی پوری توجہ صرف کر دی۔ وہ اصلاح کے معاملے میں لو تھر سے کہیں زیادہ تشدد تھا۔ عشائے ربانی کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ اس کے ذریعے اس قربانی کا اعادہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ اس نے بائبل پر

عمل کرنے اور اسے اپنا مذہبی راہنما قرار دینے پر بہت زور دیا۔ اس نے کلیسا کے نظام کو جمہوری بنیادوں پر قائم کیا۔ زونگل اور کیلون کے پیروؤں کے اتحاد سے ”اصلاح یافتہ کلیسا“ وجود میں آیا۔ راسخ العقیدہ پروٹسٹنٹ اس معاملے میں کیلون کی پیروی کرتے ہیں۔

جان ناکس اور تحریک اصلاح مذہب:

لوتھر، کیلون اور زونگل کے بعد ایک اور مصلح جان ناکس کی خدمات بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ یہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا اور رومن کیتھولک مذہب کا پادری تھا۔ رومن کلیسا کی بے راہ روی نے اسے بھی اصلاح مذہب پر ابھارا۔ اس کی خاطر اسے کئی بار قید و بند کی صعوبتوں میں سے گزرنا پڑا۔ اپنی جان بچانے کے لئے وہ انگلینڈ سے بھاگ کھڑا ہوا اور جینوا میں پناہ لی۔ جہاں اسے کیلون کی تعلیمات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ وطن واپس آ کر اس نے کیلون کی طرز پر ہی معمولی سے رد و بدل کے ساتھ ایک نئے کلیسا کی بنیاد رکھی۔ یہ کلیسا ”پریسی بی ٹیرین“ کہلایا جس کا انتظام والفرام بڑے بوڑھوں کے ہاتھوں میں ہے اور جن میں پادری اور عوام مساوی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں۔

یہ جان ناکس ہی تھا جس نے سکاٹ لینڈ سے رومن کیتھولک کلیسا کو ختم کر کے حکومت اور کلیسا کو متحد کر دیا۔

کلیسائے انگلستان

(Church of England)

رومن کیتھولک اور انگریزی کلیسا:

چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت انگلستان پہنچی، جو ظاہر ہے رومن کیتھولک کلیسا کی کوششوں کی مرہون منت تھا۔ سولہویں صدی عیسوی تک انگلستان کا کلیسا رومی کلیسا کی کوششوں کی مرہون منت رہا۔

پوپ اور بادشاہ کے درمیان اقتدار کی کشمکش:

سولہویں صدی عیسوی تک انگلستان کا کلیسا رومی کلیسا کے زیر اثر ہی تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب پوپ اور شاہ انگلستان کے درمیان اقتدار کی کشمکش کا آغاز ہوا۔ اس وقت ہنری ہشتم انگلستان

کا بادشاہ تھا۔ ہنری یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کی تہرائن کو طلاق دے دے لیکن پوپ کی اجازت کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ پوپ اس کے لئے رضا مند نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہنری نے انگریزی کلیسا کو رومی سے الگ کر لیا اور کلیسائے انگلستان کے نام سے ایک آزاد کلیسا کی بنیاد رکھی۔ اس کلیسا کا سربراہ خود شاہ انگلستان تھا۔ انگریزی کلیسا اور رومی کلیسا میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہ تھا کہ یہاں دعائیں لاطینی کی بجائے انگریزی زبان میں پڑھی جاتی تھیں۔ باقی مذہبی رسومات وہی تھیں جنہیں پاپائے روم کی سند حاصل تھی۔

الزبتھ اول کا عہد اور انگریزی کلیسا:

الزبتھ اول کے عہد میں کلیسائے انگلستان نے معتدل رویہ اختیار کر لیا اور رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد و رسوم کے لحاظ سے اس نے درمیانی راہ اختیار کئے رکھی، لیکن یہ رواداری عارضی تھی۔ اصل صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی رومن کیتھولک حکمران برسر اقتدار آ جاتا تو وہ پروٹسٹنٹوں پر عرصہ حیات تک کر دیتا اور انہیں مختلف قسم کی بدنی سزاؤں کا تختہ مشق بننا پڑتا اور جب کوئی پروٹسٹنٹ حکومت و کلیسا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتا تو رومن کیتھولک اس کے جذبہ انتقام سے نہ بچ سکتے۔ تعذیب کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔

پیورٹین تحریک:

سترہویں صدی عیسوی میں پیورٹین تحریک وجود میں آئی۔ جس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ انگلستانی کلیسا رومن کیتھولک عقائد کو ترک کر دے۔ پھر "Anabaptists" وجود میں آئے جو دوبارہ پسماندہ لینے پر یقین رکھتے تھے۔

بپٹسٹ کلیسا:

پیدائش کے بعد اور بلوغت کے وقت ۱۶۱۱ء میں تھامس ہولیس نے بپٹسٹ (Baptist) کلیسا کی بنیاد ڈالی جس کی پاداش میں اسے مختلف صوبوں سے دو چار ہونا پڑا۔ سترہویں صدی عیسوی کا کچھ حصہ اس عقیدہ کے لوگوں پر بڑا بھاری گزرا۔ بعد میں یہ فرقہ بھی چند ذیلی فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

کوئیکر نامی فرقہ:

ایک اور فرقہ جس نے انگریزی کلیسا کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کوئیکر (Quacker) کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا بانی فاکس نامی ایک شخص تھا۔ کوئیکر کے معنی ڈرنے والے کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فاکس جب عدالت میں پیش ہوا تو اس نے جج سے کہا: ”خدا سے ڈرو!“

اس وقت سے اس کے ہمنوا ”ڈرنے والے“ کے نام سے موسوم ہو گئے۔ اس فرقے کے لوگ اپنے آپ کو ”احباب صداقت“ کہا کرتے تھے۔ ان کے ہاں نہ تو کسی پادری کی گنجائش تھی اور نہ کسی کلیسا کی۔ ہر وہ شخص جسے وعظ و نصیحت کا ملکہ ہو وعظ کہہ سکتا تھا۔ اس فرقے کے نزدیک مذہبی رسوم کی کوئی حقیقت نہ تھی اور مرد و عورت کو مساویانہ حقوق حاصل تھے۔ اپنے ان عقائد کے باعث یہ فرقہ بھی مخالفین کے غیظ و غضب سے نہ بچ سکا۔

دستاویز مغفرت

پوپ کا فیصلہ غلطی سے مبرا:

عیسائیت میں کفارے کے عقیدہ کا بانی پولوس (سینٹ پال) قرار دیا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں پولوس کے خطوط میں یہ عبارت نہایت واضح ہے: ”تمہیں ایمان کے وسیلہ سے ہی نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں، خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے ہے۔“

(افسیول ۲: ۸-۹)

رومیوں کے نام خط میں ہے:

”چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔“

(رومیوں کے نام: ۲۸-۳)

پھر پوپ کے متعلق بھی یہ طے ہوا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کے کسی حکم پر بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ خدا کا نائب تھا اور عیسیٰ مسیح کا قائم مقام۔ وہ گناہگاروں

کے گناہ معاف کر سکتا تھا اور خدا کی رحمت و بخشش کے دروازے لوگوں پر کھول سکتا تھا۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ معافی ناموں (Indul Gences) کی صورت اختیار کر لی۔

معافی ناموں کی ابتداء:

معافی ناموں کی ابتدا یوں ہوئی کہ صلیبی جنگوں کے دوران میں پوپ اربن دوم نے حکم جاری کیا کہ جو لوگ بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دیں اور اس کے بدلے انہیں معافی نامہ دے دیا جائے گا جو ان کی نجات کا کفیل ہوگا۔

معافی ناموں کی فروخت:

پھر سولہویں صدی عیسوی میں جب پوپ کو سینٹ پیٹر کے نام کا گرجا بنوانے اور اپنے محل کی رونق بڑھانے کے لئے روپے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے دستاویز مغفرت (معافی نامے) فروخت کرنا شروع کر دیئے۔

گناہوں کی قیمت:

یہ صدائے عام تھی ان گناہگاروں کے لئے جو اپنے گناہ معاف کرانا چاہیں۔ اپنے گناہوں کی مقدار کے مطابق ان دستاویزوں میں سے ایک دستاویز خرید لے۔ ہر گناہ کی بخشش کی قیمت مقرر تھی اور ہر قیمت کی دستاویز تیار۔ کہا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہو سکتا اور پوپ کے ہاتھ میں اس خزانے کی کنجی ہے۔ اس لئے وہ جسے چاہئے رحمت و بخشش سے مالا مال کر سکتا ہے۔

معافی نامے کی عبارت:

معافی نامے یا دستاویز مغفرت کی عبارت یہ تھی:

”تم پر خدا یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمہیں اپنے مقدس ترحم سے (گناہوں کی سزا سے) آزاد کرے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو مجھے انہوں نے عطا فرمائی ہے، تمہیں آزاد کرتا ہوں سب سے پہلے کلیسا کی تمام علامتوں سے خواہ وہ کسی مشکل میں ہوں۔ پھر تمہارے ہر ایک گناہ، حدود شکنی اور زیادتی سے، خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہو اور میں وہ سزا تم

سے اٹھالیتا ہوں جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی۔
 تاکہ تم جب مروتو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ۔ باپ،
 بیٹے اور روح القدس کے نام پر۔“

قیمتوں کی اصل کتاب:

اس معافی نامے میں مختلف گناہوں کی قیمتیں مختلف تھیں۔ معافی نامے کے ہر ایجنٹ کے
 پاس ان کی فہرست موجود تھی جس کی اصل Tax of the Sacred Roman
 Chanery کی کتاب میں محفوظ رکھی جاتی تھی۔

چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں:

چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں ملاحظہ فرمائیے:

- | | |
|-----------------------------|--------------|
| 1: اسقاط حمل | 3 شلنگ 6 پنس |
| 2: چوری | 9 شلنگ |
| 3: عقیقہ کی عصمت دری | 9 شلنگ |
| 4: زنا کی بھیانک صورتوں میں | 7 شلنگ 6 پنس |
| 5: قتل | 7 شلنگ 6 پنس |

فوت شدگان کے لیے معافی نامے:

یہ معافی نامے صرف اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے ہی نہ تھے بلکہ مردوں کے گناہوں
 کے لئے بطور کفارہ بھی خریدے جاسکتے تھے۔

معافی ناموں کے ایجنٹوں کی صدائیں:

چنانچہ ان معافی ناموں کے ایجنٹ کچھ اس قسم کی آوازیں لگایا کرتے تھے:
 ”آؤ بڑھو! جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر تم اب داخل نہ ہو گے تو کب
 داخل ہو گے۔ تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم
 ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لئے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے۔؟ اگر
 تمہارے پاس اور کچھ نہیں ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو تاکہ اس متاع گراں بہا کو

خرید سکو۔“

(See Buck,s Theologkal Dictionary Ndulgeces)

دین مسیح کا مقدس دینی ادب

حیات مسیح اور انا جیل

Joseph Gayer اپنی کتاب ”Wisdoms of Living

Religion“ میں لکھتے ہیں:

”مسیحیت کی ابتدائی دو صدیوں میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں، جن میں چرچ کے اختلافات کے باوجود حیات مسیح کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ حیات مسیح کے بارے میں لکھی گئی ان کتابوں کو گوسپل (Gospels) کہتے ہیں۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے بلا واسطہ یہ پتہ چلتا ہے کہ بالکل ابتدائی دور مسیحیت میں انا جیل کی کافی تعداد موجود تھی جن کے اب صرف اجزاء باقی رہ گئے ہیں۔“

عہد نامہ جدید کی عظمت

بائبل یا کتاب مقدس کے دونوں حصوں کو مسیحی پیروکار اگرچہ تسلیم کرتے ہیں لیکن عہد نامہ جدید (New Testament) ان کے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور طریق استدلال میں اختلاف کی وجہ سے مسیحیوں میں کئی فرقہ وارانہ اختلافات پیدا ہوئے اور آج بھی تقریباً ۲۵۰ فرقے موجود ہیں جن کے عقائد یا تو بالکل جدا ہیں یا اس کی توجیہات مختلف انداز میں کرتے ہیں، لیکن ایک بات مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ عہد نامہ جدید کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عہد نامہ جدید کا مختصر تعارف

مسیحیت کی عقل و دانش کا جوہر اور تعلیمات پہلی تین انا جیل کی تمثیلات میں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ فراسٹ (Frost) نے اپنی کتاب مقدس کتب ”Sacred Books of the Religion“ میں لکھا ہے:

”اگرچہ عہد نامہ جدید کو ایک کتاب کہا جاتا ہے تاہم اس میں ۲۷ تحریریں موجود ہیں۔ یہ سترائیس اصفار ان بے شمار مسودات میں سے منتخب کئے گئے جو ابتدائی دور کے مسیحی چرچ میں موجود تھے۔ سب سے پہلے ان کا یونانی زبان سے ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی زبان میں جو مثل مستور ہے وہ سترہویں صدی عیسوی کے شاہ حسین کے حکم سے ترجمہ شدہ ہے۔ اس کو King G. Janel Bible بھی کہتے ہیں

عہد نامہ جدید کے حصے

عہد نامہ جدید کے تین حصے ہیں:

- 1: تاریخی کتابیں (Historical Books)
- 2: تعلیمی کتابیں (Didactic Books)
- 3: کتاب کشف یا مکافہ (Revelation Books)

تاریخی کتابیں

(Historical Books)

تاریخی کتب کے پانچ حصے:

ان تاریخی کتب کے پانچ حصے ہیں:

- 1: انجیل متی۔
- 2: انجیل مرقس۔
- 3: انجیل لوقا۔
- 4: انجیل یوحنا۔
- 5: رسالہ اعمال الرسل (Apostles)

تاریخی قرار دینے کی وجہ:

ان اسفار خمسہ کو تاریخی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تفصیلات اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے جبکہ اعمال الرسل میں مسیحیت کی دعوت دینے والوں خصوصاً سینٹ پال کے واقعات

مذکور ہیں۔

اناجیل اربعہ:

پہلی تینوں اناجیل بیانیہ انداز کی حامل ہیں اور تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ جبکہ انجیل یوحنا میں عقیدہ الوہیت مسیحی اور کفارہ انسانیت جو بعد میں منظر عام پر آئے ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انجیل متی:

انجیل متی کا نامہ جدید کی یہی کتاب ہے جو ۶۰ء سے ۷۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کا مولف لیوی (Levi) تھا جس کو میتھیو (Methew) بھی کہتے تھے۔ یہ دراصل ان Leviry مسیحیوں کے لئے لکھی گئی تھی جو مسیح کی زندگی کے حالات تفصیل سے جانتا چاہتے تھے۔ متی میں ترتیب زمانہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ واقعات کو ان کی یکساں نوعیت کی وجہ سے اکٹھے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس انجیل میں ۲۸ باب اور ۱۰۶۸ آیات ہیں۔ مولف متی کی حالات زندگی پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق یہ قدیم ترین انجیل ہے۔

انجیل مرقس:

عہد نامہ جدید کی دوسری کتاب مرقس ہے جس کو سینٹ مارک (Sent Mark) نے ۶۷ء اور ۷۰ء عیسوی کے درمیان تالیف کیا۔ یہ سینٹ پیٹر (Sent Peter) کا قریبی دوست تھا۔ یہ پطرس کا ترجمان کہلاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کتاب کا زیادہ تر مواد اپنے دوست سے اخذ کیا ہے۔ یہ بھی روایت موجود ہے کہ سینٹ پیٹر کی وجہ سے مرقس دائرہ مسیحیت میں داخل ہوا تھا اور وہ اس کے اس قدر قریب تھا کہ وہ اس کو اپنا بیٹا کہا کرتا تھا۔ اگرچہ یہ کتاب کافی پہلے لکھی گئی مگر روم میں پیٹر کی وفات کے بعد منظر عام پر آئی اور یہ پاور کیا جاتا ہے کہ یہ انجیل روم میں لکھی گئی اور اس کا مقصد خاص طور پر غیر یہودیوں کو مسیح کے حالات سے روشناس کرانا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس انجیل میں مرقس نے مسیح کے تمام اقوال و افعال قلمبند کر لئے۔ یہ انجیل ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔

انجیل لوقا:

عہد نامہ جدید کی تیسری کتاب انجیل لوقا ہے۔ مولف کا پورا نام لوقینس (Lucaniss) ہے لیکن تخفیف کے ساتھ یہ لوقا (Luke) استعمال ہوا ہے۔ وہ ایک غیر یہودی ماہر طبیب تھا اور پال کی رومی قید کے دوران ان کے بہت قریب رہا۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا جاتا ہے کہ ان کی کتاب کا زمانہ تحریر ۶۰ء اور ۷۰ء کے درمیان ہے۔ یہ انجیل یہودی اور غیر یہودی سب کے لئے لکھی گئی اور ساری کتاب کے دوران یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسیح کی زندگی کو انسانیت کے لئے نجات دہندہ اور رومی سلطنت کی تاریخ کے ایک حصہ کے طور پر بیان کیا جائے۔ یہ انجیل دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مکمل اور ضخیم ہے۔ اس کے 24 ابواب ہیں۔

انجیل یوحنا:

عہد نامہ جدید کی چوتھی کتاب انجیل یوحنا ہے اور یہ تمام لٹریچر میں سے موثر ترین ہے۔ مفکرین کا اس بات پر چوتھی صدی تک اتفاق تھا کہ یہ کتاب مسیح کے حواری یوحنا (Saint Johan) کی تالیف ہے، لیکن جدید تحقیق کے مطابق اس کتاب کا مولف یوحنا ایک اور شخص ہے جو ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا۔ یہ پہلی صدی کے اواخر میں گزرا ہے اور زمانہ تالیف کے بارے میں ۸۰ء سے ۹۵ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔

یوحنا اس امر میں دلچسپی لیتا تھا کہ وہ ایسی تحریریں لکھے جن سے مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ راسخ ہو جائے اور اس مقصد کے لئے یونانی فلسفے کی توجیہات کے حوالہ سے بات کرنے والوں کا وہ اولین پیشرو تھا۔ اس نے دوسری انجیل کی کئی عبارتوں کو حذف کر کے اس کی جگہ مسیح کے فلسفیانہ نکات پر مباحث بیان کئے۔

پہلی تینوں انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات مختصر اور جامع جملوں میں ناصحانہ انداز میں ہیں جبکہ یوحنا کی انجیل میں نہایت مدلل اور طولانی تقاریر ہیں۔

اس انجیل کے مطابق مسیح ایک انتہائی پراسرار شخصیت تھے جن کو گہری روحانی استعداد حاصل تھی۔ اس انجیل میں یوحنا نے چیزوں کو بیان کیا جن کو وہ جانتے تھے اور جن کا علم رکھتے تھے۔ ایسے واقعات کا اضافہ بھی کیا جن سے دوسرے مؤلفین واقف نہیں تھے۔

اس انجیل میں فلسفہ یونانی کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں جس کی مثال اس کا یہ پہلا

فقرہ ہے:

”ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔“

اعمال الرسل:

عہد نامہ جدید کی پانچویں کتاب کا نام ”اعمال الرسل“ ہے اور تاریخ مسیحیت کے ابتدائی ۷۰ برس کی کوششوں کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا زمانہ تالیف ۶۲ء سے ۷۰ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔

اعمال الرسل کے پہلے حصہ کا مواد اس تحقیق پر مبنی ہے جو لوکانے لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران کی اور کتاب کے بقایا حصہ کا مواد ان تجربات سے مأخوذ ہے جب وہ بچے پیر کے قریبی دوست بن چکے تھے کیونکہ لوکانے کتاب کو اپنی انجیل کا جاری حصہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے کوئی نام نہ دیا۔ اعمال الرسل کا جو نام اسے دیا جاتا ہے وہ بہت بعد کا ہے اور اس نام کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں مسیح کے حواریوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے۔

تعلیمی کتابیں

(Didactic Books)

مسیحی مبلغین کے خطوط:

عہد نامہ جدید کا دوسرا حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو مسیحی مبلغین نے مختلف علاقوں کے سرکردہ لوگوں یا عمومی طور پر اس علاقہ کے رہنے والوں کے نام لکھے۔

الرسل نام:

ان خطوط کو ”Piostles“ یا الرسل بھی کہا جاتا ہے۔

خطوط کی تعداد:

ان خطوط کی تعداد 21 ہے۔

خطوط کے متعلق معلومات:

چودہ خطوط سینٹ پال (Saint Paul) سے تعلق رکھتے ہیں۔ تین خطوط سینٹ

یوحنا (Johan) سے متعلق ہیں۔ دو خطوط پیٹر (Saint Peter)، ایک خط یعقوب (Jacob) اور ایک خط یہوداہ (Saint Jude) سے منسوب ہے۔ اکثر خطوط رومیوں، فلپیوں، تیمتائوس اور ططس کے نام ہیں۔

کتاب مکاشفہ

(Revelation Books)

مؤلف کتاب:

اس کتاب کا مؤلف وہی ہے جس کی طرف انجیل یوحنا منسوب ہے۔ اردو میں اس کو مکاشفہ یوحنا بھی کہا جاتا ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کتاب کا عنوان:

اس کتاب میں صوفیانہ انداز میں مسیحیت کے آنے والے غلبہ کی پیش گوئی موجود ہے اور ان تمام عقائد کی تلقین ہے جس کو رومن کیتھولک چرچ نے اپنایا۔

زمانہ تالیف اور پراسرار کتاب:

اس کا زمانہ تالیف ۶۸ء یا ۹۵ء بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا انداز بیان ایسا ہے جس کی بہت سی تاویلات کی جاسکتی ہیں۔

عہد نامہ جدید کی کل ستائیس کتب:

عہد نامہ جدید کی یہ کل 27 کتابیں ہیں جن کو ۳۲۵ء میں مرقیہ کی کونسل میں مستند قرار دیا گیا۔ جن کتابوں کو مسترد کر دیا گیا وہ بھی بے شمار تھیں اور ان میں انجیلی عیسیٰ، انجیل سبعین، انجیل تذکرہ اور انجیل برناباس بہت مشہور ہیں۔ تقریباً چالیس یا پچاس اناجیل کو مستند قرار دیا گیا اور اکیس خطوط کا انتخاب تو سینکڑوں کی تعداد میں سے کیا گیا ہے۔

حواری اور ان کی کتب

حواری کے معنی:

حواری کا لفظ حواری سے بنا ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اولین پروکاروں کو حواری اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو صاف اور سفید کرتے تھے۔ نیز حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد یہ لوگوں کو (کفر سے) پاک صاف کرتے تھے۔ حواری کے معنی مددگار کے بھی ہیں چونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعوت دینے میں مددگار تھے اس لئے حواری کہلائے۔

ناکمل شریعت اور عدم تنظیم:

عیسائیوں کے بزم جب حضرت عیسیٰ کا انتقال ہوا (حالانکہ آپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کے مطابق آپ کو آسمانوں کی جانب اٹھایا گیا) تو اس وقت ان کی شریعت صحیح معنوں میں نہیں آئی تھی اور نہ ہی عیسائیوں میں کسی قسم کی تنظیم ہی موجود تھی۔ حتیٰ کہ یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لئے ان کا کوئی جدا گانہ نام بھی نہ تھا۔ ان تمام کاموں کی انجام دہی کا بار ان لوگوں کے کندھوں پر پڑا جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا اور براہ راست ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔

تحریکی جذبہ:

عیسائی روایات کے مطابق ابتدا میں یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ نکلے تھے لیکن بعد میں اپنے کئے پر نادم ہوئے اور اس کی تلافی کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ انہوں نے شریعت عیسوی کی تنظیم اور اشاعت کی طرف توجہ دینی شروع کر دی۔ ان کی اس تبدیلی کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو پچشم خود زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور ان لوگوں کو ان کی جسمانی موجودگی اور ان کی اعانت کا شدید احساس ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے غیر معمولی ہمت اور جرات سے کام لیا اور نہایت ہی ناسازگار حالات میں عیسوی کی تعلیمات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں شدید مخالفت اور قتل وایذا کے باوجود ہزاروں معتقدان کے گرد جمع ہو گئے۔

تعداد اور نام:

اناجیل کی رو سے ان حواریوں کی تعداد بارہ تھی۔ یہ لوگ ”رسول“ کہلاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

- | | |
|------------------|-----------------------------|
| 1: پطرس یا پیٹر۔ | 2: پولوس۔ |
| 3: یوحنا۔ | 4: یہودا اسکر یوتی |
| 5: فلپس۔ | 6: متی۔ |
| 7: سمعون۔ | 8: برتلمائی۔ |
| 9: توما۔ | 10: پطرس کا بھائی اندر پاس۔ |
| 11: برناباس۔ | 12: حلقی کا بیٹا یعقوب۔ |

پیٹر کے حالات زندگی اور تعلیمات

پیٹر کو مختصر تعارف:

حضرت عیسیٰ کے شاگردوں میں سینٹ پیٹر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایک فلسطینی یہودی تھا۔ پیشہ کے لحاظ سے وہ ایک مچھیرا تھا۔

اصلی اور عطائی نام:

اس کا اصلی نام سکمن (Simon) تھا لیکن حضرت عیسیٰ نے اس کا نام سیپاس (Cepas) رکھا۔ اس کے معنی چٹان کے ہیں۔ پیٹر یونانی زبان میں سیپاس ہی کا ترجمہ ہے۔

وجہ تسمیہ:

پیٹر کا سیپاس نام رکھنے کی وجہ تسمیہ حضرت عیسیٰ کے وہ مشہور الفاظ ہیں جنہیں متی (میتھو Maithew) نے نقل کیا ہے:

”تو پطرس ہے اور اس چٹان پر میں اپنی شریعت کی تعمیر کروں گا۔ آسمانی بادشاہت کی چابیاں تیرے حوالے کروں گا اور جس کو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بھی بندھ جائے گا۔“

حضرت عیسیٰ کا یہ جملہ رومن کی تھولک فرقتے کے لوگوں کی قوت کا منہج ہے۔

خصوصی ظہور:

تقلیب کے بعد حضرت عیسیٰ نے پطرس پر خصوصی ظہور فرمایا اور بنی اسرائیل کی بھیڑ بکریوں (عوام) کو اس کی نگرانی میں دے دیا۔

تین مرتبہ تکذیب:

صلیب کے بعد پطرس نے تین مرتبہ حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔ چنانچہ انجیل متی میں ہے: ”اور پطرس باہر صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لوٹڑی اس کے پاس آ کر بولی تو بھی یسوع صلیبی کے ساتھ تھا؟ تو اس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے اور جب ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسروں نے اسے دیکھا جو وہاں موجود تھے۔ ان سے کہا: یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اس نے قسم کھا کر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انہوں نے پطرس کے پاس آ کر کہا: بے شک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔“ (انجیل متی ۲۶:۶۹-۷۴)

سرگرمیاں، خارق عادت اور عیسائیت کی اشاعت:

کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی احیاء ثانیہ کے بعد پطرس کی سرگرمی کا آغاز ہوتا ہے۔ رسولوں کے اعمال میں پطرس کے متعدد معجزات مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ بتایا گیا ہے کہ لذہ کے مقام پر انبیاس نامی مفلوج شخص کو جو آٹھ سال سے چارپائی پر پڑا تھا اٹھا کر کھڑا کر دیا اور باقا میں بیٹا نامی ایک سرشت عورت تھی، وہ مرگئی تو پطرس نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ پطرس کے ان ہی معجزات کی وجہ سے بے شمار لوگ عیسائی بن گئے۔

مکتوبات کا مصنف اور پاپائیت کا آغاز:

پیٹر (پطرس) رومی چرچ کا پادری تھا اور پاپائیت کا آغاز اسی کی ذات سے ہوتا ہے۔ وہ مکتوبات کا مصنف ہے جو عہد نامہ جدید (New Testament) میں شامل ہیں۔

پولوس کے مختصر حالات زندگی اور تعلیمات

اہمیت، نام اور مختصر تعارف:

پال یا شاول نامی آدمی عیسائیت کی تاریخ میں پیٹر (پطرس) سے بھی زیادہ اہم شخصیت کا مالک ہے۔ وہ ایشیاء کو چک کے مقام طرطوس کا ایک یہودی تھا۔ اس کا اصلی نام سال (Saul) ہے۔ اس نے توریت اور دیگر مذاہب کی کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔

اجنبیت اور تعذیب:

پولوس نے حضرت عیسیٰ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ اگرچہ تصلیب کے وقت وہ یروشلم ہی میں مقیم تھا۔ پولوس نے حضرت عیسیٰ کے پیروؤں اور معتقدوں کی تعذیب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت عیسیٰ کے بعد پہلا شخص جو قتل ہوا وہ سینٹ اسٹیشن تھا اس کے قتل میں پولوس (Saul) کا ہاتھ تھا۔

عیسائیت کا معتقد بننے کی وجہ:

پولوس نے عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے دمشق کا سفر کیا لیکن راستے میں حضرت عیسیٰ نے اس پر ظہور فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کا یہ قاتل ان کا معتقد بن گیا۔ رسولوں کے اعمال میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہے:

”جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکا یک آسمان ایک توارس کے گرد آچکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی: ”اے شاول! تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔؟“ اس نے پوچھا: ”اے خداوند! تو کون ہے۔؟“ اس نے کہا: ”میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔“ شاول زمین پر سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ نہ دکھائی دیا اور لوگ اس ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے۔ وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا۔ نہ کھایا اور نہ پیا۔

(رسولوں کے اعمال، باب نمبر ۹، آیت نمبر ۹۲۳)

پھر حنیہ شاگرد کے ذریعہ خداوند نے اسے بینائی عطا کی۔ یہ واقعہ 33 عیسوی کا ہے۔

پولوس کا عیسائیت کے لیے جوش و خروش:

پولوس نے عیسائیوں کے قتل میں جتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس سے کہیں زیادہ اس نے عیسائیت کے پرچار میں جوش و خروش کا اظہار کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے راست حضرت عیسیٰ سے حاصل کی ہے اور لوگوں کو تعلیم دینے کا حکم بھی انہوں نے ہی اسے دیا ہے۔ ابتدا میں لوگوں نے اسے شبہ کی نظر سے دیکھا اور لوگوں نے غیر اسرائیلیوں کو عیسائیت میں داخل کر لینے کی پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی۔ پولوس نے تبلیغ کی خاطر کئی دورے کئے جن میں قبرص، ایشیائے کوچک اور یورپ کے ملک شامل ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو عیسوی تعلیمات سے اسی نے روشناس کرایا اور جا بجا گرجے تعمیر کرائے۔ اسے رومی حکومت نے کافی عرصے تک نظر بند رکھا۔ رہائی کے بعد اس نے اپنی سرگرمی جاری رکھی۔ اسے دوبارہ گرفتار کر کے بھیج دیا گیا جہاں ۶۷ء عیسوی میں اسے قتل کر دیا گیا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

بین الاقوامی مذہب اور پولوس کے مصائب:

پولوس ہی کی کوششوں کا یہ ثمرہ ہے کہ آج عیسائیت بین الاقوامی مذہب کے درجے پر فائز ہے اور تعداد کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہ عیسائیت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے پولوس جیسا سرگرم مبلغ مل گیا جس نے اس کی تبلیغ اجنبی اقوام میں نہایت کامیابی کے ساتھ کی۔ اس سلسلے میں اس نے ناگفتہ بہ مصیبتیں جھیلیں۔ پولوس نے خود مکتوبات میں لکھا ہے:

”میں نے یہودیوں کے ہاتھوں کوڑے کھائے، رومی افسروں کے تیروں کی چوٹیں برداشت کیں، کئی بار مجھ پر پتھراؤ کیا گیا۔ میں تین بار جہاز کی تباہی کا شکار ہوا۔“

پولوس کے مکتوب:

عہد جدید کے چودہ مکتوب پولوس کی طرف منسوب ہیں۔ جن میں چار کی تصنیف متفقہ طور پر اس کی کہی جاسکتی ہے۔ البتہ دس کے متعلق زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔

عیسائی دینیات کا موسس:

پولوس عیسائی دینیات کے موسس کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ عیسائیت کا بانی بھی کہا گیا ہے۔

تصنیف کی خصوصیت:

اس کی تصانیف کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا بلا واسطہ شاگرد نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ان کے اقوال نقل کرتا ہے بلکہ وہ اپنی نفسی کیفیات جسے الہام کہتا ہے اسے وہ بیان کرتا ہے۔

عقیدہٴ تصلیب، ابنیت و کفارہ:

پولوس کی تعلیمات میں اہم ترین اس کا نظریہ گناہ ہے۔ وہ تمام انسانوں کو پر از معاصی کہتا ہے۔ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بطور دلیل کہتا ہے:

”سب ہی لوگ موت کا شکار ہوں گے سب گناہگار ہیں۔“

وہ حضرت آدم کے گناہ کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے:

”انسان چونکہ ان کی اولاد ہیں اس لئے لازمی طور پر گناہوں سے ملوث ہے اور

جب تک کہ خدا کسی کو گناہوں سے بچانہ لے، اس کی آزادی گناہوں کے چنگل سے

ممکن نہیں۔ خدا نے انسان کو اپنے بیٹے یسوع کے ذریعہ نجات عطا فرمائی اور وہ

انسانی نجات ہی کی خاطر صلیب پر چڑھ گئے۔“

یہ کفارے کا نظریہ آگے چل کر مختلف اور متضاد نظریات کا باعث بنا اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جو شخص عیسائیت قبول کرے اور اپنے پچھلے گناہوں پر تادم ہو تو اس کے لئے حضرت عیسیٰ کفارہ بن جاتے ہیں۔

عورتوں کے متعلق خیال:

عورتوں کی بابت پولوس کے خیالات دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ عورتوں کو مردوں کا محکوم دیکھنے کا خواہاں ہے۔ میاں بیوی کے باہمی تعلقات کی نوعیت بھی اس نے عجیب بتائی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

”جس طرح کلیسا حضرت عیسیٰ کے زیر فرمان تھا اسی طرح بیویاں بھی اپنے

خاوندوں کے زیر نگیں ہیں۔“

یوحنا کے حالات زندگی اور تعلیمات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معتمد علیہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں میں یوحنا (جان John) بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بھی گلیلی کا چھیرا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہی سے وہ ان کے قریبی حلقے میں داخل ہو گیا۔ اس کی قربت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی والدہ کی دیکھ بھال کا فرض بھی یوحنا کے سپرد کیا۔

خالی مدفن دیکھنا:

عیسائی روایات کے مطابق جب حضرت مسیح کو سولی دے کر دفن کر دیا گیا تو وہ یوحنا ہی تھا جس نے سب سے پہلے اس بات کا پتہ لگایا کہ حضرت عیسیٰ کا مدفن خالی ہے اور ان کی نعش لاپتہ ہو گئی۔

زندگی کا آخری حصہ اور وفات:

یوحنا نے اپنی زندگی کا آخری حصہ اپنی س (Ephesus) میں گزارا اور پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں انتقال کیا۔

یوحنا کے شاگرد:

یوحنا کے اپنے شاگردوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ اس کے شاگردوں میں پولی کارپ (Poly Carp)، پاپٹس (Paptas) اور اگناٹیس (Ignatius) جیسے لوگ شامل ہیں۔

چوتھی انجیل کا مصنف:

یوحنا چوتھی انجیل کا مصنف بتلایا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ تک بلا کسی اختلاف کے اس کو یہ حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کے بعد لوگوں نے اس انجیل کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔

انجیل یوحنا اور بقیہ تین اناجیل میں فرق:

یوحنا کی انجیل اور دیگر تینوں اناجیل میں (جو سیناٹیکس "Synoptice" کہلاتی ہیں) اسلوب بیان، زبان اور موضوع میں خاصا فرق محسوس ہوتا ہے۔ سیناٹیکس (اناجیل ثلاثہ) کے جملے نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں جن کا موضوع اخلاقیات ہے۔ برخلاف اس چوتھی یوحنا کی انجیل کے، اس میں لمبی چوڑی تقریریں ہیں۔ جن میں بجائے آسمانی حکومت کے ذکر کے حضرت عیسیٰ کی ذات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں بہت حد تک توافلاطونی اثرات کا غلبہ نظر آتا ہے۔

تین مکتوبات اور ان کا موضوع:

اس انجیل کے علاوہ تین مکتوبات بھی یوحنا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان تینوں میں پہلا مکتوب عہد نامہ جدید کا اہم ترین حصہ ہے جس میں خدائی صفات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ عیسائیوں نے اعتراف گناہ کر لیا ہے اور خدا نے ان کے تمام گناہوں کو دھو ڈالا ہے۔ عیسائی خدا کے بیٹے ہیں۔ اس رشتے کا تقاضا ہے کہ وہ خود کو گناہوں سے پاک رکھیں۔ محبت ہی عمدہ زندگی کا لوازمہ ہے۔ یسوع نے عیسائیوں کی خاطر جان دے دی ہے۔ اس لئے عیسائیوں کو چاہئے کہ اپنی جان قربان کرنے کے لئے آمادہ رہیں۔ حقیقی زندگی کا انحصار باہمی محبت پر ہی ہے۔

مکاشفات کا مصنف اور ماہرین کی آراء:

ان مکتوبات کے علاوہ مکاشفات (Revolution) کو بھی سینٹ جان سے منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ماہرین کا خیال ہے کہ انجیل اور مکتوب کا مصنف اور مکاشفات کو قلم بند کرنے والا ایک ہی شخص نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے طرز بیان میں زبردست فرق ہے۔

یہودا اسکر بوتی

نبی کو فروخت کرنے والا:

یہودا اسکر بوتی نے حضرت عیسیٰ سے غداری کی اور تین روپے کے عوض اپنے نبی کو گرفتار کروادیا۔ اسی طرح دوسرے حواریوں نے بھی بے وفائی کی۔

برناباس کے حالات زندگی اور تعلیمات

برناباس کی اہمیت اور مختصر تعارف:

برناباس کے ذکر کے بغیر حواریوں کی فہرست نامکمل رہے گی۔ برناباس مسیحکے حواریوں میں سے ممتاز حواری تھا، جس نے پولوس کے ساتھ مل کر مختلف ممالک میں تبلیغی دورے کئے۔ مرقس بھی ان کے ہمراہ بطور ترجمان پایا جاتا تھا۔ مسیح کی تعلیم کے بارے میں برناباس نے اختلاف کیا۔ بعد ازیں علیحدگی اختیار کر لی، اپنے وطن ساہرس واپس آ گیا اور وہیں وفات پائی۔

برناباس کی انجیل:

برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کی قبر کی کھدائی کی گئی تو یہ انجیل اس کی چھاتی پر رکھی تھی۔ یہ انجیل اٹھارہ سال تک گرجاؤں میں پڑھائی جاتی رہی۔

انجیل برناباس کی اہمیت اور اصلی تعلیمات کی عکاسی:

انجیل برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات کی عکاسی کرتی ہے جن کی قرآن مجید بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے۔ عیسائیت کے موجودہ عقائد کی یہ انجیل نفی کرتی ہے۔

انجیل برناباس پر پابندی:

اس لئے ۴۹۶ء میں پادریوں کی کونسل نے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک یہ انجیل یورپ کے کتب خانہ میں پڑی رہی۔ پھر چانک یہ انجیل ایک عیسائی راہب فریمیرینو (Fermarino) کو مل گئی لیکن یہ پردہ اٹھانے میں چلی گئی تھی کہ ۱۲۰۹ء میں دوبارہ ایسٹریڈیم سے یہ انجیل دریافت ہوئی جو آسٹریا کے شاہی کتب خانے میں موجود ہے۔ اٹھارویں صدی میں ہسپانوی زبان میں انجیل برناباس کا نسخہ ملا جس کا ترجمہ اب کئی زبانوں میں دستیاب ہے۔

دیگر انجیل سے اختلاف:

انجیل برناباس متداول اور معروف انجیل اربعہ سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

انجیل برنباس کے خصائص:

- 1: اس انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے خدا اور بیٹا ہونے سے انکار کیا ہے۔
- 2: حضرت مسیح نے واضح الفاظ میں جو بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دی تھی وہ اس انجیل میں درج ہے۔
- 3: ذبیحہ عظیم حضرت اسماعیل ہیں نہ کہ حضرت اسحاق۔ جیسا کہ جدید بائبل میں دعویٰ کیا گیا ہے۔



مسیحی لٹریچر تنقید و تحقیق کی نظر میں

اولین کسوٹی

ترمیم سے محفوظ:

جہاں تک بائبل کے حصہ عہد نامہ کا تعلق ہے تو عہد نامہ قدیم کی طرح اس کی افادیت کو جانچنے کے لئے اولین کسوٹی اور معیار بھی یہی ہے کہ آیا وہ تحریف و ترمیم اور تغیر سے محفوظ رہا ہے۔؟

کلام انسانی اور الہامی کلام میں فرق

بشری لغزشوں سے پاک:

الہامی کتب کو انسانی اذہان کی تخلیق کردہ کتابوں پر اس لئے فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ الہامی کتب ہر قسم کی بشری لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات راہنمائے حقیقی ہے، اس لئے جو کلام اور قوانین اسکی طرف سے نازل ہوں ان میں نوع انسانی کے لئے صداقت اور نور ہدایت مضمر ہوتا ہے۔ اس کلام میں نہ تو جہالت کی تاریکی ہوتی ہے اور نہ ہی لاعلمی کا جواز باقی رہتا ہے۔

جاہل اور کلام الہی

قدر و قیمت:

اگر انسان ایمان کی استعداد سے محروم اور یقین کی دولت سے تہی دامن ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام (جو ہر خطا اور ہر لغزش سے مبرا ہے) کی اس انسان کے لئے کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔

کلام ربانی میں انسانی مداخلت

تغیر و تبدل:

اسی طرح خدا کے نازل کردہ کلام میں انسانی مداخلت سے تبدیلی کر دی جائے تو حذف اور اضافے کا عمل اپنا رنگ دکھا جائے گا، جس سے اس کلام کی حیثیت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

انا جیل اربعہ، دیگر صحف، تنقیدی تجزیہ اور عیسائی

عیسائیت کا اپنا اختلاف:

عہد نامہ جدید میں شامل انا جیل اربعہ اور دیگر صحف کے معاملے میں غیر عیسائیوں کے برعکس خود مسیحی پیروکار اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انجیل کی سند کے بارے میں کافی اختلاف موجود رہا ہے اور کوئی عیسائی بھی یہ شہادت نہیں پیش کر سکتا کہ عہد نامہ جدید کے تمام صحف مسیح کی موجودگی میں ضبط تحریر میں لائے گئے یا یہ کہ موجود حصہ وہی صحیفہ ہے جو مسیح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی راہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا۔

کلام الہی کے ضائع ہونے کی گواہیاں:

جبکہ اس کے برعکس ایسی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ اصل الہامی کلام ضائع ہو گیا اور بعد میں لوگوں نے جو کچھ بھی مرتب کیا وہ محض اپنی یادداشت کے بل بوتے پر کیا۔

قابل اعتماد ترتیب:

اس امر کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں کہ کلام الہی کو اسی کی صحت کے مطابق حفظ کرنے کا کوئی باقاعدہ اہتمام موجود تھا جس کی وجہ سے کسی ترتیب و نوع پر اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکے۔

مسیح پر نازل شدہ انجیل اور عہد نامہ جدید:

تنقیدی تجزیے کے بعد اس امر پر یقین کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے کہ ہمارے سامنے جو عہد نامہ جدید موجود ہے اس کا مسیح پر نازل شدہ انجیل سے کوئی تعلق نہیں اور حقیقت یہ بھی ہے کہ مسیحیت کی عمارت جن عقائد اور مذہبی نظریات پر قائم ہے وہ قرآن حکیم کی الہامی شہادت کے مطابق ان کی حقیقی تعلیمات نہیں ہیں جن کی تلقین انہوں نے اپنے دور نبوت میں کی تھی۔ ابنیت، تجسیم، مصلوبیت، حیات ثانیہ اور کفارہ وغیرہ جیسے تمام عقائد سینٹ پال کی ذہنی اختراعات تھیں۔

اناجیل اربعہ کی ترتیب اور انجیل یوحنا

اناجیل ثلاثہ اور انجیل یوحنا میں فرق:

اناجیل اربعہ میں سے انجیل متی، انجیل مرقس اور انجیل لوقا کی ترتیب یکساں ہے اور ان میں بیشتر باتیں مشترک ہیں۔ البتہ یوحنا انجیل میں ان سے کچھ باتیں ہیں اور مسیح کی الوہیت کا عقیدہ سب سے پہلے اسی کتاب میں بیان کیا گیا۔

انجیل یوحنا کا زمانہ تالیف اور زبان:

انجیل یوحنا کے زمانہ تالیف کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔ بعض کے مطابق یہ ۸۰ء اور ۹۵ء کے دوران تالیف کی گئی اور کچھ کا یہ کہنا ہے کہ اس کا زمانہ تالیف مسیح کے ۱۱۰ء یا ۱۱۵ء سال بعد کا ہے اور اسے یونانی زبان میں تحریر کیا گیا تھا۔

عیسائیوں کا شبہ اور اناجیل اربعہ:

مختلف روایات کی وجہ سے خود عیسائی علماء کو بائبل کے درست ہونے کا شبہ ہے کیونکہ اسی انجیل میں یسوع مسیح سے منسوب تقریریں باقی تین اناجیل سے مختلف ہیں لیکن سینٹ جان (یوحنا) کے اپنے دعوے سے ہم آہنگ ہیں اور انجیل یوحنا اور باقی تینوں اناجیل میں منقول مسیح

کے اقوال کو یکساں طور پر معتبر اور مستند تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ قدیم زمانے میں ادبی خیال آرائی اس طرح ممنوع اور ناقابل تصور نہ تھی جس طرح آج تاریخی کرداروں سے فرضی باتیں منسوب کر دینا معیوب اور مکروہ سمجھا جاتا ہے۔

عہد نامہ جدید کو پرکھنے کے لیے چند قابل توجہ امور

عہد نامہ جدید کے تنقیدی جائزے اور اس کی صحت کو پرکھنے کے لئے مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں:

شہادت قرآن مجید اور اناجیل اربعہ:

قرآن حکیم کی شہادت کے مطابق تورات اور زبور کے ناموں سے اکثر حصے ان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس طرح انجیل کی جگہ چار صحف اس نام سے شامل کئے گئے اور ان کی نسبت بھی حضرت مسیح کی طرف نہیں بلکہ ان کے مؤلفین کی طرف ہے۔

تاریخی شہادت اور مسیح کے اقوال کی ترتیب و تدوین:

تاریخی شواہد یہ وضاحت کرتے ہیں کہ مسیح کے اقوال یا الہامی کلام کو ان کی زندگی میں مرتب کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

رفع آسمانی کے بعد:

مسیح کے اقوال کو ان کے رفع آسمانی کے بعد مرتب کیا گیا۔ ان کے اولین نسخے بھی ضائع ہو گئے جن کا اب تک کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ۷۰ء سے ۱۱۵ء کے درمیانی عرصہ میں مرتب کئے جانے والے صحائف کی بنیاد ان ہی نسخوں کو بنایا گیا ہے، لیکن مرتبین نے جہاں حضرت مسیح کی عظمت اور شان کو بڑھانا چاہا وہاں اپنے مخصوص فرقوں کے نظریات کے مطابق ان میں ترامیم اور اضافہ بھی کر دیا۔

بائبل کے جدید ناقدین کی آراء:

بائبل کے جدید ناقدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ متی اور یوحنا کے مطابق جو انجیلیں موجود ہیں انہوں نے سرے سے ان کو مرتب ہی نہ کیا تھا۔ ان مرتبین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس

نے حضرت مسیح کو خود دیکھا ہے یا ان کے ارشادات اپنے کانوں سے سنے ہوں۔ لکھنے والی شخصیات کوئی اور تھیں اور جن سے منسوب کر دی گئیں وہ کوئی اور۔

سبب ترتیب:

ان صحائف کی ترتیب کا سبب ہی کچھ اور تھا کہ اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر اور اپنے موقف کی ترجمانی کی جائے اور پھر لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند کے انتخاب کا عمل بھی اسی بنیاد پر مبنی تھا۔

یونانی اور آرامی زبان:

ان صحائف کو یونانی زبان میں مرتب کیا گیا تھا جبکہ حضرت مسیح کی زبان آرامی تھی۔

صحائف کی ترتیب کے ایک صدی بعد تک بھی تحریف:

جب یہ صحائف مرتب ہو گئے تو اس کے ایک صدی بعد تک ان میں سے کسی ایک کو بھی سند اور اعتبار کا حتمی مقام حاصل نہ ہوا۔ ان کو نقل کرنے والے پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرقوں کے عقائد سے مطابقت قائم کرنے کے لئے ان اقوال میں ترمیم کرتے رہے۔

تین سو سال بعد:

انجیل کے قدیم ترین نسخے کی (جن میں ویٹی کن (Vatican) کا قدیم نسخہ اور اسکندریہ کا قلمی نسخہ شامل ہیں جو چوتھی پانچویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں) تحریر و ترتیب انجیل کی اولین ترتیب کے تقریباً تین سو سال بعد عمل میں آئی۔

قلمی نسخوں کا اختلاف:

ان نادری قلمی نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

تضادات و اختلافات:

انا جیل اربعہ اور دیگر صحیفوں میں بیسار تضادات و اختلافات نظر آتے ہیں۔

عیسائی علماء کا اعتراف

کھلم کھلا اعتراف:

خود عیسائی علماء اس بات کا کھلم کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ دوسری صدی سے پہلے ان انجیلوں کا وجود نہیں ملتا۔ C-D-Codays اپنی کتاب ”Life of Jesus“ میں یہ اعتراف کیا:

”انا جیل اربعہ جن کی مدد سے عیسائی عقائد اور تعلیمات کے اس خاکہ میں رنگ بھرا جاتا ہے جو دوسرے سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، ان کا مواد سند اور اعتبار کے لحاظ سے مختلف اور مشتبہ ہے۔ ان میں بے یقینی کی کیفیت اس طرح رچی بسی ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تجسس ترک کر کے یہ اعتراف کر لیا جائے کہ انجیل کو کلام الہی ثابت کرنے کا یہ کام ناممکن ہے۔“

عالم و مؤرخ کا اعتراف:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ایک عیسائی عالم و مؤرخ لکھتا ہے:

”یہ انا جیل کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔“

(The Fall of the idols by W. R. Inge, Page 29)

انا جیل کا باہمی تضاد:

ایک عیسائی عالم و پادری کا کہنا ہے:

”انا جیل کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔“

(God and Evil by Joad P-318)

لا حاصل کوششیں

انا جیل اربعہ میں موجود مختلف تضادات، فرگزشتیں اور بے دلیل قیاس آرائیاں اپنی جگہ نہایت سنگین ہیں اور اسی بنیاد پر متعدد روشن خیال علماء جو مسیح کی بعثت پر قطعاً شبہ نہیں رکھتے، وہ عہد نامہ جدید کے بارے میں ایسی کوشش کو لا حاصل قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں جو اس میں سے حق و

باطل کو الگ الگ چھاننے اور جناب عیسیٰ کے حقیقی ارشادات اور تاریخی حقائق کو مبالغہ آرائی، تحریف اور افسانہ طرازیوں سے الگ کرنے کے لئے کی جائیں اور جس کا مقصد یہ ہو کہ اس تاریخی منصوبے میں سے حقائق کو تلاش کر کے جناب یسوع کی اصل انجیل کو یقین کے ساتھ پیش کیا جائے۔

انجیل متی اور دیگر انجیل میں رد و بدل

چونکہ عیسائی علماء انجیل میں جب چاہے ترمیم و تحریف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض تاریخی روایات میں یہ شواہد موجود ہیں کہ متی کی انجیل پہلے آرامی زبان میں غیر مربوط انداز میں لکھی گئی تھی بعد میں عبرانی زبان میں منتقل ہوئی۔ لوگوں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اس کی تشریح و توضیح کی اور جب ان کو منضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے نتیجے میں انجیل کا مستند یونانی نسخہ تیار ہوا۔ کچھ ایسا طرز عمل دوسری انجیل کے متعلق بھی اختیار کیا گیا اور حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

الہامی یا خود ساختہ

عہد نامہ جدید کی ان کتب کے متعلق بے شمار اندرونی، بیرونی اور تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن کی بناء پر با آسانی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتب الہامی نہیں بلکہ مصنفین کی خود ساختہ ہیں، بلکہ ان کے مصنفین کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

مصنفین کا اقرار

انجیل کے مصنفین اقرار کرتے تھے کہ وہ الہام کے تحت نہیں لکھ رہے۔

باہمی اختلاف

خود انجیل میں باہمی اختلاف اور تضاد ہے۔ حالانکہ کلام ربانی میں اختلاف ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

”وَلَا كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدَوْا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۸۲)

”اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔“
اس سے معلوم ہوا کہ الہامی کتاب میں اختلاف و تضاد نہیں ہو سکتا اور بائبل میں اختلاف و تضاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سارا کلام الہامی نہیں ہے۔

محاسبہ اور تنقید

- 1: حضرت عیسیٰ جو انجیل حواریوں کو دے کر گئے تھے اس کا تاریخی طور پر کوئی سراغ نہیں ملتا۔ انجیلوں کے مصنفین مجہول الحال لوگ تھے۔
- 2: دوسری صدی میں ۱۳۴ اناجیل اور ۱۱۳ خطوط رائج تھے۔ یہ سب یونانی زبان میں تھے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرامی تھی۔ موجودہ اناجیل ایجاد بندہ ہے نہ کہ الہامی۔
- 3: انتخاب کا نزالہ اور غیر سائنٹیفک طریقہ خود چاروں اناجیل میں باہمی تضاد ہے۔ جیسا کہ نسب نامہ، پہاڑی کے وعظ اور صلیب کے واقعات میں اختلاف ہے۔
- 4: یہ اناجیل حضرت مسیح کی سوانح حیات میں جن میں پیدائش سے قبل اور موت کے بعد تک حالات درج ہیں جو قرین عقل نہیں۔
- 5: اناجیل میں ترجمہ در ترجمہ، تحریف اور کتمان حق سے کام لیا گیا ہے۔ تحریف اور جھوٹ بولنا عیسائی مذہب میں جائز ہے۔
- 6: یہ کتب کھلے شرک، تثلیث، الوہیت اور کفارہ کی تبلیغ ہیں جن کی کوئی نئی تبلیغ نہیں کر سکتا۔

الغرض موجودہ اناجیل کے مؤلفین مجہول الحال لوگ ہیں، زمانہ تصنیف غیر متعین ہے، حضرت عیسیٰ کی اصلی زبان سریانی یا آرامی تھی جبکہ اناجیل اول یونانی میں لکھی گئی، پھر ترجمہ در ترجمہ ہوا، پھر ان اناجیل میں بے شمار اختلافات اور تضادات ہیں اور پھر ان اناجیل میں ہمیشہ تحریف و ترمیم ہوتی رہی۔ یہ سب امور اسے غیر مستند، غیر ثقہ اور غیر الہامی ٹھہراتے ہیں۔

ٹرنٹ کی کونسل

ٹرنٹ کی کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بڑی اہم ہے۔ یہ عقائد کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ۱۵۴۶ء سے ۱۵۶۲ء تک ٹرنٹ (Trent) کے مقام پر منعقد ہوئی۔ جس میں اناجیل

کے اختلافات کو زیر بحث لایا گیا۔ علاوہ ازیں ان روایات پر بھی بحث کی گئی جنہیں چوتھی صدی عیسوی میں میقیہ کی کونسل نے وضعی قرار دے کر رد کر دیا تھا۔ ان روایات کے بارے میں ریلیجن ٹریکسٹ سوسائٹی آف لندن کی شائع کردہ روئیداد میں یہ عبارت مذکور ہے:

”اگرچہ اپوکریفہ (وضعی) کتابوں کو جیروم نے بائبل کے ولکیٹ ایڈیشن میں شائع کر دیا تھا، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہ انہیں مستند نہیں سمجھتا تھا۔ کونسل میں بحث و تحقیص کے بعد سنا کروس کی رائے سب پر غالب آگئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ولکیٹ ایڈیشن میں جس قدر کتابیں بھی شامل ہیں انہیں آسمانی کتابیں تصور کیا جائے۔“

گویا اس طرح وہ تمام روایات جو قبل ازیں وضعی سمجھے کر رد کر دی گئی تھیں آسمانی قرار پا گئیں۔ روایات کو وحی کا ہم پلہ قرار دیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ انا جیل کے مختلف نسخوں کا وجود چونکہ ان کے معانی کو غیر یقینی بنادیتا ہے اس لئے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک متفق علیہ نسخہ شائع کیا جائے جسے مستند سمجھا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس نے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد ایک نسخہ مرتب کیا جو پوپ کو پسند نہ آیا۔ پوپ نے یہ کام علماء کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا۔ پوپ (Pious I) نے اس کام کو جاری رکھا اور ۱۵۹۰ء میں ایک نسخہ شائع کیا گیا۔ ۱۵۹۲ء اور ۱۵۹۳ء میں اسی نسخے کے تصحیح شدہ ایڈیشن شائع ہوئے لیکن اختلافات پھر بھی رفع نہ ہو سکے۔ عہد نامہ جدید ترین نسخہ غالباً ۱۹۶۱ء میں شائع کیا گیا ہے۔ جس کی خوبی یہ ہے کہ وہ جدید انگریزی میں ہے۔ سابقہ انگریزی ایڈیشنوں کی زبان ایک خاص قسم کی انگریزی تھی جسے ”بائبل انگریزی“ کہا جاتا تھا۔



دین مسیح کے مختلف فرقے

عیسائیت کی ابتداء اور صحت عقیدہ

عیسائیت ابتدا ہی سے تشت اور تفرقے کا شکار ہو گئی تھی۔ دین مسیح اعمال صالحہ سے زیادہ عقیدہ کی صحت کو ضروری قرار دیتا ہے، اس لئے عیسائیت کی تاریخ میں عقائد اور نظریات کا اختلاف اور اس کی بنیاد پر فرقہ بندی ایک قدرتی امر تھا۔

حضرت عیسیٰ کی حیثیت کا تعین

حضرت مسیح کی ذات کے متعلق بہت سے نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ نظریات کے اس اختلاف کے باعث عیسائیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ ان میں اختلاف زیادہ تر حضرت عیسیٰ کی حیثیت کے تعین کرنے میں تھا۔

نصرانی

(Eboionites)

افراد کا تعارف:

اس فرقے میں ایسے افراد تھے جو ابتدا میں سب کے سب یہودی تھے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرت مسیح کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ایبونی کا معنی:

ایبونی کے لفظی معنی ”مسکین اور غریب“ کے ہیں۔ یہ لوگ خود کو ایبونی اس لئے کہتے تھے کہ خطبہ جبل (Srmonofmoont) میں حضرت عیسیٰ کے مخاطب یہی لوگ تھے۔ ان کا تعلق فلسطین اور شام سے تھا۔

منکر بین الوہیت مسیح:

یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے منکر تھے۔ ان کو دیگر پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر سمجھتے تھے۔

مسیح موعود اور نجات دہندہ:

یہ لوگ حضرت مسیح عیسیٰ کو مسیح موعود اور نجات دہندہ کہتے تھے۔

معجزات کے قائل:

یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی بصیرت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی پیدائش کے معجزہ ہونے کے معتقد تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ ضرور تھے لیکن حضرت مریم

کا حمل روح القدس کے ذریعہ قرار پایا۔

عقیدہ کفارہ اور ایبونی:

ایبونی فرقے والے اس بات کے بھی دعویدار تھے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھ جانے کی وجہ سے تمام انسانوں کے لئے کفارہ بن گئے ہیں۔

پولوس کے متعلق نظریہ:

اس فرقے کے افراد پولوس کو ملحد بتلاتے تھے۔

ہفتہ اور اتوار:

ایبونی لوگ سبت اور اتوار دونوں دن اپنے تمام کاروبار کو معطل رکھتے تھے۔

جمہور عیسائیت میں ادغام:

یہ فرقہ آگے چل کر جمہور عیسائیوں میں مدغم ہو گیا۔

دوسٹس

(Docetes)

ماننے والوں کی اکثریت:

نصرانیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کا ایک اور فرقہ دوسٹس (Docetes) تھا۔ اس فرقے میں اکثریت غیر یہودیوں کی تھی۔

علاقہ:

یہ لوگ ایسے علاقے سے تعلق رکھتے تھے جو فلسطین سے خاصے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت مسیح سے ملاقات:

ان لوگوں نے نہ تو حضرت مسیح کو دیکھا تھا اور نہ ہی وہ پیغمبروں کے صحیح تصور سے آشنا تھے۔

مادہ اور حضرت مسیح کی بشریت:

اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ مادہ ایک ناپاک اور ادنیٰ شے ہے۔ اس لئے یہ حضرت مسیح کی بشریت کے شدید مخالف تھے۔

حضرت مسیح، کلام خدا اور مسیح کا انسانی شکل میں نمودار ہونے کا انکار:

ان کا دعویٰ تھا کہ مسیح خدا کے کلام (Logos) کی حیثیت سے انسان کی نجات کے لئے دنیا میں آئے۔ وہ خود خدا سے مختلف نہ تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اس امر سے انکار کر بیٹھے کہ مسیح انسانی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔

تصلیب، احیاء ثانیہ اور صعودیہ کے بارے میں نظریات:

ان کا عقیدہ تھا کہ تصلیب، احیاء ثانیہ اور صعودیہ سب فریب نظر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

انا جیل کے حصوں کا انکار:

ان لوگوں نے انا جیل کے ان حصوں کے ماننے سے بھی انکار کر دیا جن میں حضرت مسیح کی ولادت اور ابتدائی تیس سال کی زندگی کے واقعات مذکور ہیں۔

ایبونی، دو سیٹس اور یہودی:

ایبونی فرقہ یہودیت اور عیسائیت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کوشاں تھا جبکہ دو سیٹس نے یہودی قبائل پر شدید حملے کئے۔ حتیٰ کہ یہودیوں کے خدا یہوداہ کو عالم اسفل کا خالق اور باغی روح قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ بعثت مسیح کی غرض قانون موسوی کا استیصال قرار دیا۔

ایبونی اور دو سیٹس کے اختلافات کا حل اور شدت اختلاف کی ابتدا:

ایبونی اور دو سیٹس فرقے کے عقائد میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے باہمی اختلافات کو ختم کر دینے کا واحد طریقہ یہ تجویز ہوا کہ حضرت مسیح کی بشریت اور الوہیت، یک وقت تسلیم کر لی جائے، لیکن اس کی وجہ سے اختلافات نے اور بھی شدت اختیار کر لی۔ ۱۔ موضوع بحث یہ امر ہو گیا کہ الوہیت اور بشریت میں غالب عنصر کون سا ہے؟ پھر الوہیت، ملی کیفیت، پر

بھی بحث چل نکلی اور متعدد فرقے نتیجہ وجود میں آ گئے۔ ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

- 1: آریوسی (Arian)
- 2: اپولی نیرین (Apolli Narian)
- 3: نستوری (Nestorian)
- 4: وحدت الفطری فرقہ (Monotn Elite)
- 5: آئی کونولاسٹک (Iconoclastic)

آریوسی

بانی کا تعارف:

آریوسی (Arian) فرقے کا بانی آریوس (Arius)۔ پیدائش ۲۵۶ء وفات ۳۳۶ء) نامی آدمی تھا۔ وہ لیبیا کا رہنے والا تھا اور اسکندریہ میں پادری کے عہدے پر فائز تھا۔

بانی کا دعویٰ:

اس فرقے کے بانی نے دعویٰ کیا کہ اقا نیم ملاش ”بیٹا“ دوسرے اقنوم کی حیثیت سے کچھ معنوں میں خدا ضرور ہے لیکن درحقیقت وہ الوہیت کے اس درجے پر فائز نہیں ہے جو عیسائیوں کے مروجہ عقیدت کی رو سے ہے۔ اس کو اقنوم اول یعنی خدا نے پیدا کیا۔ وہ پیدائش سے پہلے معدوم تھا۔ اس لئے وہ اپنے خالق کی طرح غیر فانی اور ابدی نہیں ہے۔ باپ کی ذات ابدی ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا، لیکن بیٹے کی ابتدا ہے، کیونکہ باپ بیٹے سے پہلے موجود تھا۔ کلیسا کے پیر اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ باپ اور بیٹے دونوں ابدی ہیں اور دونوں کا جوہر ایک ہی ہے۔

آریوسی عقائد کی تردید:

آریوسی عقائد کی تردید کے لئے کئی کونسلیں بلائی گئیں۔ جن میں پہلی کونسل نیقہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی، اس کونسل نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا اور یہ فیصلہ صادر کیا: ”جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ کسی وقت بھی خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا یا پیدا ہونے سے

قبل وہ موجود نہ تھا یا نیست سے ہست کیا گیا یا کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اس کی تخلیق ہوئی ہے جو ربانی نہیں ہے یا وہ مخلوق متغیر ہے، ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہے۔“

دوسری کونسل قسطنطینیہ میں منعقد ہوئی۔ اس کونسل میں بھی آریوسی فرقے کو کافر قرار دیا گیا، لیکن اس کے باوجود یہ فرقہ قائم رہا۔

وحشی اقوام میں مقبولیت:

بہت سی وحشی قومیں اس فرقے کے ذریعہ عیسائیت کا حلقہ بگوش ہوئیں کیونکہ اس کا فلسفہ کلیسائی عقائد کے مقابلے میں آسان اور زود فہم تھا۔

اپولی نیرین

آریوسی فرقے کا مخالف:

دوسرا فرقہ آریوسی فرقے کا شدید مخالف ہے۔ وہ اپولی نیرین (Apolli Narian) کہلاتا ہے۔

بانی کا مختصر تعارف:

اس فرقے کا بانی اپولی نیریس (Apolli Naris) نامی آدمی تھا۔ اس کی تاریخ ولادت تو معلوم نہیں البتہ اس نے ۳۹۲ء میں انتقال کیا۔

الوہیت مسیح کا نظریہ:

اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ یسوع انسانی جسم میں ضرور نمودار ہوئے لیکن وہ خدا کی روح اور خدا ہیں۔ اس لئے بجائے عقل انسانی کے کلام ربانی (Divine Logos) ان میں کار فرما ہے۔ اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر بہت زور دیا۔ جس کے باعث ان کی بشریت کا لحد مہو کر رہ گئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں یہ فرقہ بالکل ختم ہو گیا۔

نسطوری

نام اور بانی:

عیسائیوں کے ایک اور فرقے نے جمہور کے عقائد سے اختلاف کیا جو نسطوری (Nestorian) کہلاتا ہے۔ اس فرقے کا نام اس کے بانی (Nestorius) کے نام پر پڑا۔ یہ قسطنطنیہ کا اسقف اعظم تھا۔

بشریت عیسیٰ کے قائل:

اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی بشریت پر بہت زور دیا ہے۔

الوہیت و بشریت:

یہ فرقہ حضرت مسیح میں دو جداگانہ صفات، الوہیت اور بشریت کے اتحاد کا علمبردار تھا۔

متضاد چیزیں اور عجیب مثال:

جب دو متضاد چیزوں کے ایک جگہ جمع کر دینے کا الزام لگایا گیا تو اس نے اس عقیدے کی وضاحت کے لئے عجیب و غریب مثال دی کہ جس طرح شادی کے ذریعہ روحیں متحد ہو جاتی ہیں، دو مختلف طبیعتیں اور انسان مل کر ایک وجود کا باعث بنتے ہیں ویسے ہی الوہیت اور بشریت کا اتحاد کا ثمرہ حضرت یسوع کی ذات ہے۔

بانی پر مقدمہ، جلا وطنی کی سزا اور موت:

نسطورس پر کئی بار مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلا وطن بھی کیا گیا۔ ۴۳۹ء میں اسی جلا وطنی کی حالت میں اس کا انتقال بھی ہو گیا۔

عروج و زوال:

رومی حکومت کے حدود سے اس فرقے کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ البتہ عرب، شام و مصر میں اس کو عروج حاصل ہوا۔

مزید فرقہ بندی:

اس فرقے کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ ایک رومن کیتھولک کلیسا سے متعلق ہو گیا جو کالہ دی عیسائی کہلاتے ہیں اور دوسرا اپنے قدیم عقائد سے وابستہ رہا جن کا اپنا سردار ہوتا ہے۔

وحدت الفطری فرقہ

دو ارادے اور وحدت الفطری فرقہ:

جب حضرت عیسیٰ کی ذات میں دو مختلف حیثیتیں الوہیت اور بشریت متحد کر دی گئیں تو اب یہ بحث چھڑ گئی کہ ان میں دو ارادے (Will) ہیں یا ایک۔؟ جمہور کا خیال یہ تھا کہ ان کے دو نیچر ہیں، اس لئے ان میں دو ارادے بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک انسانی اور دوسرا ربانی۔ اگرچہ پہلا دوسرے کے تحت رہتا ہے۔ برخلاف وحدت الفطری فرقہ (Monoth Elite) کے، اس کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ ایک ہی ارادے کے مالک تھے۔ یہ فرقہ بھی کلیسا کے منظم کا شکار بنا رہا۔

www.onlyfor3.com
www.onlyoneorthodox.com

آئی کونولاسٹک

بت پرستی کا مخالف فرقہ:

عیسائیت اپنا دامن بت پرستی سے نہ بچا سکی۔ گرجاؤں میں حضرت یسوع وغیرہ کی مورتیاں رکھی جانے لگیں جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہوا جس نے اس بت پرستی کے خلاف آواز باندی۔ یہ فرقہ آئی کونولاسٹک (Iconoclastic) کہلایا۔

آئی کونولاسٹک کا معنی:

آئی کونولاسٹک یونانی لفظ ہے جس کے معنی ”بت شکن“ کے ہیں۔

لیوسوم کا حکم اور تحریک کا آغاز:

اس تحریک کا آغاز مشرقی کلیسا نے لیوسوم کی زیر سرپرستی ہوا جس نے حکم نافذ کر دیا کہ حضرت عیسیٰ کے سوا کوئی اور مورتی گرجاؤں میں نہ رکھی جائے۔ اس حکم کی پابندی کرانے کے

لئے لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور تمام مورتیاں توڑ دی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی اور مغربی کلیسا میں ایک زبردست فرق یہ ہو گیا کہ مغربی کلیسا میں مورتیاں عام تھیں لیکن مشرقی گرجاؤں میں صرف تصویروں پر اکتفا کیا جاتا تھا اور یہ فرق اب تک پایا جاتا ہے۔

فرقوں کے عقائد کا مطالعہ اور باہمی اختلاف کی وجہ

فلسفیانہ اختلاف:

ان فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ باسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اختلافات صرف فلسفیانہ تھے۔ ان کا تعلق براہ راست اعمال و اخلاق سے نہ تھا۔

لفظوں کی گورکھ دہندہ:

پھر ان اختلافات کی نوعیت بھی بہت حد تک لفظوں کے الٹ پھیر میں تھی۔

باہمی قتال:

بایں ہمہ ایک فرقے کے افراد نے حریف فرقہ کے لوگوں کے خون سے آزادانہ ہاتھ رگلے۔

اختلاف کی وجہ..... عیسائیت سرکاری مذہب:

ان اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جب تک عیسائیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی اس وقت تک وہ طرح طرح کے مظالم کا شکار بنے رہے، ان میں اتحاد اور یکجہتی پائی جاتی تھی۔ ان کو اس قسم کے لایعنی مباحث میں پڑنے کا موقعہ نہیں ملا، لیکن جوں ہی اسے رومی شہنشاہوں نے سرکاری مذہب کا اعزاز دے دیا، لوگوں کو سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور انہیں فلسفیانہ مویشکافیوں کا موقعہ ہاتھ آیا۔

مشرقی، مغربی کلیسا اور یونانیوں کا انداز تخیل:

ان اختلافات کا آماجگاہ مغربی کلیسا کی بہ نسبت مشرقی کلیسا زیادہ ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہوگی کہ ان کی یونانی زبان ہونے کے باعث ان کو یونانی علم و حکمت سے زیادہ قربت رہی ہوگی اور انہوں نے سوچنے کا اندازہ بھی یونانیوں ہی سے لیا ہوگا۔

عیسائیوں کی تعداد، سب سے بڑا فرقہ، مرکز اور مذہبی رہنما:

الغرض عیسائیوں کی اس وقت تعداد ایک ارب سے بھی متجاوز ہے۔ سب سے بڑا فرقہ رومن کیتھولک ہے جس کا مرکز روم اور مذہبی راہنما پاپائے روم ہے۔

مشرقی تقلید پسندی کا مرکز:

مشرقی تقلید پسندی کا مرکز روس ہے۔

پروٹسٹنٹ:

پروٹسٹنٹ فرقہ یورپ اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔

☆☆☆

دین مسیح رسومات کے تناظر میں

رسم پتسمہ

پہلی رسم:

پتسمہ عیسائیت کی پہلی رسم ہے۔ یہ ایک غسل ہے جو دائرۂ عیسائیت میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر عیسائیت قبول کرنے والا شخص عیسائی نہیں ہو سکتا۔ اس رسم کی پشت پر عقیدہ کفارہ کا فرما ہے۔

حیات ثانیہ:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ پتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مرکز حیات ثانیہ پا جاتا ہے۔ موت کے ذریعے اسے ”اصل گناہ“ کی سزا ملتی ہے اور حیات نو سے اسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔

پتسمہ لینے کا طریقہ:

یروشلم کے مشہور عالم سائرل نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ کچھ یوں لکھا ہے:

”پتسمہ لینے والے کو پتسمہ کے کمرے میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہو۔ پھر پتسمہ لینے والا اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہے: ”اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دست بردار ہوتا ہوں۔!“ پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرے۔ اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لیجایا جاتا ہے کہ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور سر سے پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے پتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اسے سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں۔ گویا وہ گناہوں سے پاک ہو گیا ہے۔“

عشاء ربانی

اہم ترین رسم:

دائرۂ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے اور یہ رسم حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔

عشاء ربانی کا پس منظر:

حضرت مسیح نے گرفتاری سے ایک دن قبل حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا۔ انجیل متی میں اس طرح اس کا ذکر کیا گیا ہے:

”جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع مسیح نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا: ”لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے“ پھر پیالہ ملے شکر کا ان کو دے کر کہا: ”تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرے اس عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔“

(انجیل متی: ۲۶: ۲۶)

انجیل لوقا میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا: ”میری یادگار کے لئے یہی کیا کرو۔“

(انجیل لوقا: ۲۲: ۱۹)

رسم کو بجالانے کا طریقہ:

مشہور عالم جسٹس مارٹن اس رسم کو بجالانے کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے۔ شروع میں دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کو بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں۔ پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔“

تیوہار

تیوہار کا معنی:

تیوہار کا معنی ہے:

”اتوار کا دن۔“

عیسائیوں کی عبادت کا دن:

عیسائی حضرات اتوار کو مقدس جانتے اور اس دن گرجاؤں میں عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

یونانی مشرکوں اور ہندوؤں کا دن:

دراصل یہ دن یونانی مشرکوں کے ہاں سورج دیوتا کی پوجا کے لئے مقرر تھا۔ جیسا کہ اس کے نام ”Sun day“ (سورج کا دن) سے ظاہر ہے۔ ہندوؤں میں بھی ”ایت وار“ سورج دیوتا کا دن تھا۔ بہر صورت مشرکوں کو خوش کرنے کی خاطر یہ دن مقرر کیا گیا تا کہ وہ عیسائیت کو بیگانی چیز جان کر بدک نہ جائیں۔

کرسمس:

میلاد مسیح:

عیسائی 25 دسمبر کو یوم میلاد مسیح مناتے ہیں۔

موسم گرما یا ماہ دسمبر:

25 دسمبر کا دن دراصل رومی مشرکوں کے ایک دیوتا کی یادگار تھا۔ انہیں خوش کرنے کی خاطر اس دن کو یوم میلاد مسیح بنالیا گیا، حالانکہ مسیح موسم گرما میں پیدا ہوئے تھے۔ انجیل میں لکھا ہے:

”مریم نے بچہ کو جن کر چرنی میں ڈال دیا۔“

اگر یہ دسمبر کا مہینہ ہوتا تو نہ مریم باہر جاسکتی اور نہ ہی ننگے بچے کو چرنی میں ڈالا جاسکتا تھا۔

ایسٹر

21 مارچ:

یہ دن مسیح کے مرکز دوبارہ زندہ ہونے کی یاد میں 21 مارچ کو مناتے ہیں۔

ایسٹریاء یا نوروز:

21 مارچ کا دن بھی ایرانیوں کی عید نوروز کا دن تھا۔

ایسٹریا یوم دیوی آسٹر:

21 مارچ ہندوؤں اور آئرلینڈ والوں کے ہاں موسم بہار کی دیوی آسٹر کی پرستش کا دن تھا۔

نام بدل کر ایسٹر بنالیا گیا اور اسے اپنالیا گیا۔ دیوی آسٹر ”بعل دیوتا“ کی بیوی عسارات ہے جس کی یہودیوں نے بھی پوجا کی تھی اور انبیاء نے انہیں اس پر مطعون کیا تھا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

حصہ نمبر 3:

دین اسلام

پس منظر، تعارف، بانی، کتاب، عقائد، اہم ترین معلومات اور حقائق

اسلام سے قبل دنیا کے عالمی حالات

انسانیت کا پست ترین دور

چھٹی صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا پست ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی۔ روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بھی بن چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر، بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔

پیغمبروں کی تعلیمات اور باقی ماندہ اہل ایمان کا طرز عمل

پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹاؤپ اندھیرے میں اس طرح ٹٹمار رہے تھے، جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کر سکتے تھے۔ دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان میں کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

اہل دنیا سے ساز باز

جو لوگ زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انہوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ سلطنت و معیشت میں ان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے

میں ان کے شریک و کہیم بن گئے تھے۔ ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی۔ متوسط طبقہ کے لوگ اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے۔

عوام کی حالت زار

باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بارے میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپالیوں سے ذرا مختلف نہ تھی۔ دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کی عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ کبھی اگر وہ اس خشک و بے مزا زندگی اور اس کے یکساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہا لینے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو فاقہ زدہ اور نذیبہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

عالمی تنزلی

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما ہوا کہ یہ معدم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شرف و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی اور حکومتی تنزل

انگریز سیرت نگار ”آر۔ وی۔ سی۔ بوڈ“ نے اپنی کتاب ”پیغامبر (The Messenger)“ میں قبل از اسلام دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کا درج ذیل جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزع کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول تو تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب

بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت و جلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی شے یا کوئی ایسا ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔“

یہودیوں کی حالت زار

یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔

عیسائیت

عیسائیت نے ۶۲۰ء میں (جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رہنما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چڑھایا تھا اور وارانے اول کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا باز نبطی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطینیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

ہندوستان کی حالت

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چین کی حالت

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان کی حالت

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی۔ بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپانی

تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

چنانچہ ساری دنیا اس قول کی عکاسی کرتی تھی:

”ظہر الفساد فی البر والبحر“

”برو بحر میں فساد اور انتشار پیدا ہو گیا تھا۔“

☆☆☆

قبل از اسلام دنیا کے عرب کے حالات

بین الاقوامی مذاہب اور تعداد

مذہب اسلام کو بین الاقوامی مذاہب میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ عیسائیت کے بعد بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے اور یہ دنیا کے تمام براعظموں میں آباد ہیں۔

قدیم و جدید مذہب

اس طرح بین الاقوامی مذاہب میں اسلام کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ اس مذہب کے پیروکار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے کیونکہ آفرینش عالم سے لے کر آخری پیغمبر تک جتنے بھی سچے نبی خدا کی طرف سے حق و صداقت کی اشاعت پر مامور ہوئے بلا استثناء سب کا مذہب اسلام ہی رہا ہے۔ قدیم ترین مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام اس معنی میں جدید ترین مذہب بھی ہے کہ اس کی تکمیل ساتویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

عربوں کا رہنما سہنا

کسی ملک کی آب و ہوا کا اس ملک کے باشندوں کے اخلاق اور ان کے معاشی و اجتماعی نظام پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ ان کے طبائع اور عادات اسی آب و ہوا کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ عرب ایک جزیرہ نما تھا۔ جہاں کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ بارش کی قلت اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کے فقدان کی وجہ سے زمین زراعت کے قابل نہیں۔ شہری زندگی منتشر ہے۔ فطری تقاضوں کے مطابق وہاں کے باشندے دیہاتی خانہ بدوش زندگی گزارتے ہیں۔ جانوروں کو

چرانے کی خاطر سبزہ زاروں اور بارانی علاقوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ قریش اور قحطانی عرب اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ شہری زندگی گزارتے تھے اور خانہ بدوش نہ تھے۔ قریش تو اس لئے کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے اور انہیں مقدس و بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ یمن و شام کے تجارتی سفروں میں انہیں کوئی خوف نہ تھا۔ قحطانیوں کا علاقہ (یمن) سرسبز و شاداب تھا جہاں غذا اور پھلوں کی فراوانی بھی۔ چنانچہ جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑتا تو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے پر حملہ کر کے مال و غیرہ لوٹ لیتے جس کے باعث ان کی طبیعتوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ آپس میں دشمنی، مسلسل جنگ اور دائمی شورش و ہنگامہ ان کی زندگی کا لائحہ عمل تھا۔ جنگ اور قحط ہی ان کے زندگی کے دو بڑے محرک تھے۔

اولاد نرینہ اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

اولاد نرینہ انہیں زیادہ مرغوب تھی۔ ان کے بعض قبائل فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قبیلے میں مردوں کی کثرت تعداد ان کے لئے باعث فخر تھی۔

رشتے داریوں کو پھیلانا اور دیگر مصروفیات

رشتہ داریوں کے زیادہ پھیلنے کو وہ عزت و غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ سفر اور خانہ بدوشی کی زندگی سے محبت، نیز جنگ و جدل کی مصروفیت سے وہ آزاد اور بے قید زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ عصمت و وحشت کا ان پر غلبہ تھا۔

تمدن و سیاست اور طرز حکومت

ان کا کوئی اپنا اجتماعی تمدن نہ تھا، نہ سیاسی حکومت تھی، نہ فوجی نظام، نہ ہی دینی عقائد پر مبنی کوئی فلسفہ اور کوئی وسیع سماجی تصور ان کے پاس تھا۔ ہر گھر اور ہر قبیلہ جدا جدا ایک سماج بنا ہوا تھا۔ قبائل کے سرداروں کو وراثتاً حکومت ملتی، جسے وہ اپنے بزرگوں کے مروجہ دستور کے مطابق چلاتے۔ ان کا طرز حکومت یونانیوں کی خاندانی حکومت کی طرح نہ تھا، نہ ایران و مصر کی طرح ان کے ہاں بادشاہی تھی۔ حیرہ اور شام میں عرب تاجدار تھے لیکن وہ خود مختار نہ تھے۔ حیرہ کا نخی خاندان کسریٰ کا اور شام میں غسانی قیصر کے مطیع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمدن و شہرت، رائے عامہ، امراء کی حکومت، جمہوریت اور جاگیر داری کے مطالب کے اظہار کے لئے ان کے اور دوسری سماجی اقوام

کے پاس الفاظ نہیں ملتے۔

فوجی نظام

فوجی نظام تو اسلام کے بعد تک بھی مکمل شکل میں قائم نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے کہ ماتحتی میں رہنے اور اپنی انفرادی شخصیت سے دست بردار ہو جانے پر ہی فوجی تنظیم کا دارومدار ہے۔ یہی وہ عادتیں ہیں جو آج اس دور کے عربوں کی طبیعت اور ذہنیت کے بالکل برعکس تھیں۔ وہ مذہبی لحاظ سے بالکل سادہ، بے تکلف اور زہد و تقشف کے حامی تھے۔

عقائد و عبادت گاہیں

چنانچہ عربوں میں کئی خداؤں کا تصور بالکل نہ تھا۔ عالیشان عبادت گاہیں بھی ان کے ہاں بالکل نہ تھیں۔ عقائد کا کوئی فلسفہ نہ تھا۔ جہالت کی کارفرمائی، خانہ بدوشی، بے سروسامانی اور پھر طویل مدت گزرنے کی وجہ سے ان کے پاس جو دین ابراہیمی کا بقیہ رہ گیا تھا وہ بھی بگڑ چکا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ وہ بتوں کی پوجا اور ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ کعبہ میں بت رکھے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان بتوں کے توسل سے وہ خدا کا قرب حاصل کر لیں گے۔ عربوں کی بڑی تعداد اس قسم کی بت پرستی کو مذہب اختیار کئے ہوئے تھی۔ غسانی اور طے قبیلہ کے کچھ لوگ شام میں اور نجران و حیرہ کے کچھ لوگ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

خاندانی اور عائلی زندگی

خاندان ماں، باپ، اولاد، پوتے اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ باپ کو اپنے گھر والوں پر کل اختیار تھا حتیٰ کہ ان میں سے کسی کو مارنا یا باقی رکھنا بھی اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ ان سے وہ جس کو چاہے بچ سکتا تھا اور جسے چاہے عاق کر سکتا تھا۔ کبھی مفلسی کے اندیشے سے وہ اپنی بیٹی کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ شوہر کے بعد خاندان میں بیوی کا دوسرا درجہ تھا۔ شوہر اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھتا، اسے اپنا شریک کار بنانا اور اظہار محبت کے لئے شعروں میں اسی کا نام گاتا تھا۔ ان کے ہاں شادی کی رسم میاں بیوی کے باہمی خوشگوار تعلقات اور محبت کی بنا پر انجام پاتی تھی۔ اگر نکاح کے وقت کوئی شرط نہ طے کی ہو تو پھر طلاق کا تمام تر حق شوہر کو حاصل ہوتا۔ اس کے علاوہ شادی کے دوسرے طریقے بھی تھے جو بدکاری اور بد معاشی سے زیادہ مشابہ تھے۔ جاہلی عرب ایک ساتھ کئی

شادیاں کر لیتے اور اس سلسلہ میں ان کے ہاں کوئی حد مقرر نہ تھی۔ باپ کی بیوی سے شادی کرنا ان کے ہاں جائز تھا۔ خالہ، پھوپھی، بیٹی اور بہن سے شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

عربوں کے عقلی اور علمی کارنامے

اس دور کے عربوں کی عقلی اور علمی مقام کا اندازہ یمن، حیرہ اور شامی بادشاہوں کے کارناموں سے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے عالیشان بند باندھے، بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنا دیا، ویرانوں کو آباد کیا اور شہروں وغیرہ کو بسایا۔

عدنانی عرب (جو حجاز میں آباد تھے اور قریش بھی عدنان سے ہی ہیں) پھر مسلسل برسرِ پیکار رہنے کی وجہ سے طب اور شہسواری میں ماہر تھے۔ بارش اور گھاس پر دار و مدار ہونے کی وجہ سے وہ ان تاروں کو پہچاننے لگے تھے جن سے بارش کی اطلاع ملتی ہے۔ ہواؤں کے چلنے کا رخ انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ بری و بحری سفروں میں وہ تاروں سے ہی راہنمائی حاصل کرتے۔

نسب دانی اور شاعری

عربوں نے اپنی نسلوں کی بقا اور قومی تعصب کو برقرار رکھنے کے لئے علم نسب بیان کرنے کے لئے قصہ گوئی اور اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے شاعری میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ فراست اور قیافہ شناسی کے وہ ماہر تھے تاکہ اپنی نسل میں بیگانوں کا دخل نہ ہو سکے اور بھاگنے والے مجرموں کو ان کے نقش قدم سے تلاش کر لیں۔

کہانت و عرافت

روحانی میدان نے انہیں کہانت، عرافت اور رجز پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ کہانت سے مراد غیب کی باتوں کا پتہ چلانے اور عرافت گزرے ہوئے نیز آنے والے واقعات کے پتہ چلانے کو کہتے تھے۔ عربوں کا خیال تھا کہ جنات کاہنوں اور عرافوں کے تابع ہیں جو پوشیدہ طور پر عالم غیب سے حالات سن کر انہیں مطلع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ان پر بڑا ایمان رکھتے اور اہم معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ پیچیدہ معاملات میں ان سے مشورہ لیتے، جھگڑے ان سے فیصلہ کراتے، بیماریوں میں ان سے علاج کرواتے اور خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھتے۔

بدشگونی کا تصور

”زجر“ جانوروں کی آواز اور ان کی حرکت و ہیئت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر کوئی شخص کسی پرندے کو پتھر مار کر یا شور مچا کر اڑاتا اور وہ پرندہ اس کے دائیں سمت سے اڑتا چلا جاتا تو اسے وہ نیک فال سمجھتے، لیکن اگر بائیں جانب سے ہو کر اڑتا تو اسے وہ بدشگونی تصور کرتے اور منحوس خیال کرتے۔

منحوسیت کا تصور

جاہل عرب فال کے بہت قائل تھے۔ کوئے کو بہت منحوس اور موجب فراق سمجھتے تھے۔ الو کو بھی منحوس سمجھتے اور اس کے بولنے کو موت اور ویرانی کا موجب جانتے تھے۔ چھینک سے بری فال لیتے۔

جادوگری کا پیشہ اور ریاضتیں

بعض لوگ جادوگری کا پیشہ بھی کرتے اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لئے بڑی بڑی ریاضتیں کرتے۔

بت پرستی اور بت کدے

ظہور اسلام کے وقت خانہ کعبہ اگرچہ عرب کا دینی مرکز تھا لیکن اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیغام توحید کو بھول چکے تھے۔ شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ خانہ کعبہ بتوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان کی پوجا ہوتی اور انہیں خدا کا مقام حاصل تھا۔ ہر قبیلہ اپنا جدا بت رکھتا تھا۔ بتوں میں بعض بت مردوں کی صورت رکھتے تھے اور بعض عورتوں کی۔ عرب میں خانہ کعبہ کی طرح بت پرستی کے اور بھی کئی مرکز تھے، جہاں بتوں کی باقاعدہ پوجا کی جاتی، چڑھاوے چڑھائے جاتے اور نذرو نیاز دی جاتی۔ ان اونٹوں کے گلے میں جوتا باندھ کر لٹکا دیتے اور ان کے کوہان زخمی کر دیتے جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے پھر کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرتا۔

اہل عرب کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور اس کا بت خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ یہ بت جنگ میں کامیابی اور فتح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور جاہل عرب جنگ میں اسی کا نعرہ بلند کرتے۔

ستارہ اور چاند پرستی

عرب جاہلیت میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ قبیلہ حمیر سورج، کنانہ چاند، جدام مشتری اور اسد عطار کی پوجا کرتے تھے۔ اکثر قبیلوں کے بتوں کے نام ستاروں کے نام پر تھے۔ عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند کے پرستار سب سے زیادہ تھے اور چاند سب سے زیادہ محبوب معبود سمجھا جاتا تھا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عرب میں موجود ادیان اور ان کا مسخ ہونا

عرب میں ہر قسم کے دین موجود تھے۔ جن میں نصرانیت اور یہودیت جیسے الہامی مذاہب بھی شامل تھے، مگر ان کی اصلی صورت کچھ اس طرح مسخ ہو چکی تھی کہ کفر و شرک اور اصلی دین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ توحید کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ نصرانیت تثلیث کے جھگڑوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے رستے سے بھٹک کر اوہام پرستی کے گورکھ دھندوں میں پھنس چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر ملک عربوں سے بھی گیا گزرا تھا اور تمام دنیا ضلالت و گمراہی کے عمیق اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس پستی اور زبوں حالی پر رحم آیا اور اس نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو بھیجا۔ رشد و ہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب سرزمین عرب کے ایک شہر مکہ میں طلوع ہوا اور اپنی ضیاء باریوں سے تمام اقصائے عالم کو منور کر دیا۔ خدا کا یہ برگزیدہ انسان انسانیت کے لئے جو نیا الہامی مذہب لے کر نمودار ہوا اس کا نام ”اسلام“ ہے۔



www.OnlyOneOrThree.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تعارف

بچپن کا دور

پیدائش:

سیدنا حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم مکہ کے مشہور قبیلہ قریش میں 9 یا 12 ربیع الاول کے دن پیدا ہوئے۔ یہ عام الفیل تھا۔ آپ کی پیدائش 20 اپریل 571ء میں بوقت صبح ہوئی۔

والد اور والدہ کی وفات:

آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل آپ کے والد عبد اللہ بن عبد المطلب وفات پا چکے تھے۔ ابھی آپ چھ برس کے بھی نہ تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

دادا کے زیر پرورش اور ان کی وفات:

اس کے بعد آپ کے دادا جناب عبد المطلب نے نہایت پیار و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی اور اپنی وفات سے قبل انہوں نے آپ کی تربیت و نگرانی آپ کے چچا جناب ابوطالب کے ذمہ کر دی۔

جناب ابوطالب کی پرورش میں:

جناب ابوطالب نے تنگ دستی اور کثرت عیال کے باوجود آپ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔

آپ کی عادات:

اگر طبعی حالات کے مطابق آپ پرورش پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیمانہ اخلاق اور جاہلانہ عادات اپنا کر جوان ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تہذیب و تربیت کا انتظام فرمایا اور عقل رسا، حسن اخلاق، نازک طبع، پروقا، شرم و حیا، متانت و بردباری، صبر و استقلال، اعتماد اور ذمہ داری، قوی دل، صدق و سچائی اور جمعیت خاطر بخش کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی

تمکمل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی کی نجاستوں سے پاک رکھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی شراب پی، نہ بتوں پر چڑھائے ہوئے جانوروں کا گوشت کھایا اور نہ اس دور کے میلوں اور جلسوں میں شرکت کی۔

تجارت کا پیشہ:

بچپن میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع بلند کو کسب معاش کے لئے حیلہ و تدبیر کا شوق پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قومی رواج کے مطابق نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ لوگوں میں آپ کی ہوشیاری، راست بازی اور دیانت داری کا چرچہ عام ہونے لگا۔

جوانی کا پاکیزہ دور

مال خدیجہ کی تجارت اور تقریب نکاح:

اس وقت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے جو قریش کی مالدار اور باعزت خاتون تھیں، آپ کو اپنے مال کی تجارت کے لئے دعوت دی۔ آپ نے ان کے خادم ”میسرہ“ کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ سفر بہت کامیاب رہا اور اس تجارت میں بڑا نفع ہوا۔ جب آپ مکہ واپس ہوئے تو یہ نیک بی بی اس گرانقدر منافع اور کامیاب تاجر کی امانت داری دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپ سے شادی کرنا چاہی۔ اس وقت وہ چالیس سال کی تھیں اور آپ پچیس برس کے۔ آپ نے بھی اس رشتہ کو پسند فرمایا۔ حضرت خدیجہ کی گرانقدر خدمات کے باعث اسلام کی ترقی میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

مال و دولت سے عدم دلچسپی اور تخیل کی راتیں:

پھر آنحضرت اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کمانے کے لئے متفرق منڈیوں میں تجارت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے ساز و سامان اور زندگی کے آرام و آرائش سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے آپ کو نہ تو دولت جمع کرنے کی ہوس ہوئی اور نہ کسی بلند منصب پر پہنچنے کی تمنا۔ آپ دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو کر تخیل میں لمبی لمبی راتیں غار حرا میں بیٹھ کر عبادت اور غور و فکر میں گزار دیتے۔

مکی دور..... دعوتِ دین

وحیِ اول:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاکیزہ اور لطیف روح کو عالم بالا کی طرف متوجہ کرتے تھے حتیٰ کہ اسی غارِ حراء میں چالیس برس کی عمر ہونے پر آپ کو بذریعہ وحی رسالت و معجزہ بخشا گیا۔ آپ پر پہلی وحی میں سورۃ الاقراء کی پانچ آیات نازل کی گئیں۔

قرآن مجید تقریباً تیس سال کے عرصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن کا نام خود اس وحی الہی میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

”شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن“

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۵۸)

یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”نزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شیء“

”ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے۔“

(سورۃ النحل: آیت نمبر ۹۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”فیہا کتب قیمۃ“

”قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں۔“

(سورۃ الہود، آیت نمبر: ۳)

یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اس طرح ہیں کہ آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ مخالف اور قرآن مجید کے مضامین باہم دیگرے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب ایک مسلک میں منسلک ہیں۔

دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دفعتاً وہ منزلِ مل گئی جس کے لئے جو یاں تھے، وہ

گوہر مل گیا جس کے لئے مضطرب تھے اور وہ ہدایت مل گئی جس کے لئے گریاں تھے۔ جبریل وحی نبوت لے کر آئے اور کہا:

”اقرء“

”پڑھئے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ما انا بقاری“

”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“

فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا:

”اقرء“

”پڑھئے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا اور فرشتے نے پھر زور سے دبایا اور چھوڑ دیا۔

تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں:

”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ [۱] خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [۲]

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ [۳] الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [۴] عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا

لَمْ يَعْلَمْ [۵]“

(العلق: آیت نمبر 1 تا 5)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے آئے۔ حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دو۔“

جب ذرا سکون آیا تو آپ نے تمام ماجرا سنا دیا اور کہا:

”خشیت علی نفسی“

”مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

”واللہ ما یخزیک اللہ ابدانک لتصل الرحم وتحمل الكل
وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعين على فرائب الحق“
”اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے
بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے
ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔“
یہ کہہ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے
گئیں۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے عم زاد تھے۔ ورقہ کو تمام ماجرا سنایا تو ورقہ نے کہا:
”یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش! میں جوان ہوتا کہ جب
آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپ کی دل و جان سے مدد کرتا۔“
پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ وحی رک گئی۔ وہ زمانہ ”فترت الوحی“ کے نام
سے موسوم ہوتا ہے۔ دوسری وحی میں سورۃ المدثر کی آیات نازل ہوئیں۔
اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہو گیا اور کم و بیش تیس سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول
ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔ کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے پھر قرآن نازل ہوتا۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپ وحی کے ذریعے جواب دیتے۔
کبھی معاشرے میں ایسے مسائل ابھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن
مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ ”نجماً نجماً“ نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:
”وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملہ واحد وتلك
لنشمت به فوادل ورتلنه ترتیلاً“

(الفرقان: آیت نمبر ۳۲)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

دوسری وحی کا نزول:

اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ پھر روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ
آیات لے کر نازل ہوئے:

”يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [۱] قُمْ فَأَنْذِرْ [۲] وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ [۳] وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

[۴] وَالرُّجُزَ فَاهْجُرْ [۵] وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ [۶] وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ

[۷] فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ [۸] فَذَلِكَ يَوْمٌ عَسِيرٌ [۹] عَلَى
 الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ [۱۰] ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا [۱۱]
 وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا [۱۲] وَبَنِينَ شُهُودًا [۱۳] وَمَهْدَتْ لَهُ
 تَمَهِيدًا [۱۴] ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ [۱۵] كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِإِتْنَا عَنِيدًا
 [۱۶] سَارَهُقَّةً صَعُوْدًا [۱۷] إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ [۱۸] فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ
 [۱۹] ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ [۲۰] ثُمَّ نَظَرَ [۲۱] ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ [۲۲]
 ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ [۲۳] فَيَقَالُ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُوْثَرُ [۲۴] إِنَّ
 هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ [۲۵] سَاْصِلِيْهِ سَقَرٌ [۲۶] وَمَا آدْرَاكَ مَا
 سَقَرٌ [۲۷] لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ [۲۸] لَوَاحِةٌ لِلْبَشَرِ [۲۹] عَلَيْهَا
 تِسْعَةُ عَشْرَ [۳۰] وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً صَ وَمَا
 جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
 الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا
 الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ
 مَاذَا آرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ
 لِلْبَشَرِ [۳۱] كَلَّا وَالْقَمَرِ [۳۲] وَاللَّيْلِ إِذَا أَدْبَرَ [۳۳] وَالصُّبْحِ
 إِذَا أَصْفَرَ [۳۴] إِنَّهَا لَإِْحْدَى الْكُبَرِ [۳۵] نَذِيرًا لِلْبَشَرِ [۳۶]
 لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ [۳۷] كُلُّ نَفْسٍ مِّمَّا
 كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ [۳۸] إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِيْنِ [۳۹] فِي جَنَّتِ
 يَتَسَاءَلُوْنَ [۴۰] عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ [۴۱] مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ
 [۴۲] قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ [۴۳] وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ
 الْمِسْكِيْنَ [۴۴] وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ [۴۵] وَكُنَّا
 نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ [۴۶] حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِيْنَ [۴۷] فَمَا تَنْفَعُهُمْ

شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ [۴۸] فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ [۴۹]
 كَانَهُمْ حُمَرَاءُ مُسْتَنْفِرَةٌ [۵۰] فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ [۵۱] بَلْ يُرِيدُ
 كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُوتَىٰ صُحُفًا مُنشَرَةً [۵۲] كَلَّا بَلْ لَا
 يَخَافُونَ الْآخِرَةَ [۵۳] كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ [۵۴] فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرَهُ
 [۵۵] وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ
 الْمَغْفِرَةِ [۵۶]

تین برس خفیہ دعوت:

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت و تبلیغ کے بارگراں کو اٹھا کر تین برس تک خفیہ طریقے سے تبلیغ دین فرماتے رہے۔

بر ملا دعوت حق:

تین برس خفیہ تبلیغ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بر ملا دعوت حق دینے کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ نے علی الاطلاق قریش کو دعوت دین پہنچائی، ان کے افکار و خیالات پر تنقید کی اور ان کے بتوں پر نکتہ چینی کی، جس کا جواب کفار نے کھلی دشمنی سے دیا۔

کفار کی دشمنی:

کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکر و فریب اور سازشوں کے جال بچھائے اور اس تاک میں رہے کہ زمانہ کی گردشیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر ڈالیں، مگر آپ ان کی تمام سازشوں کا مقابلہ صبر، استقلال، حوصلہ مندی اور ایمان سے کرتے رہے۔

بیوی اور چچا کی پشت پناہی:

آپ کی پشت پناہی میں آپ کے چچا ابوطالب تھے جو آپ کی مدافعت و حمایت کرتے رہے اور آپ کی نیک بیوی حضرت خدیجہ تھیں جو آپ کو تسلی دیتیں۔ حتیٰ کہ ان سخت پریشان حالیوں کا مقابلہ کرتے کرتے دس سال گزر گئے۔

غم کا سال:

نبوت کے دسویں سال آپ کے مشفق چچا اور آپ کی غم گسار بیوی یکے بعد دیگرے دو روز کے وقفے سے داغ مفارقت دے گئے، جس کا آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عالم الحزن (غم کا سال) کا نام دیا۔ ان دونوں ہمدردوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کا رہنا دو بھر ہو گیا۔

مدینہ کی جانب ہجرت

بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ مدینہ منورہ میں قبیلہ اوس و خزرج کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ جب مشرکوں کو آپ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے مل کر آپ کو قتل کرنے کی سازش کی، لیکن اسی رات جب وہ آپ کو قتل کرنے کی نیت سے اکٹھے ہوئے آپ اپنے دوست حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ ان کی حفاظت و نگہبانی خدا کر رہا تھا۔

ربیع الاول جمعہ کے دن اپنی عمر کے تریپن سال گزرنے پر ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو وہ دونوں مدینہ پہنچے۔

مدنی دور..... انقلابی دور

مبارک ہجرت:

یہ مبارک ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول بالا ہونے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے پھیلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی تکمیل کا آغاز بن گئی۔

مشرکین سے مباحثہ و جہاد:

آپ لگاتار مشرکین سے جہاد کرتے رہے اور قرآن مجید کے احکامات کے مطابق مقابلہ و مباحثہ اور تلوار سے جنگ کرتے رہے، حتیٰ کہ جہالت کا دور ختم ہو گیا۔ شرک کی بدلیاں چھٹ گئیں اور دنیا میں توحید کا بول بالا ہو گیا۔

تکمیل دین اور آپ ﷺ کا وصال:

حتیٰ کہ وہ آیت نازل ہوئی جس کے ذریعہ دین کی تکمیل ہو گئی۔ اس آیت کریمہ کے نزول کو ابھی تین ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ بخار میں مبتلا ہوئے اور پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۸ جون ۲۳۲ء کو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

تیس سالہ انقلابی زندگی

پہلا انقلابی درس اور مقبولیت:

داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ نے اپنی زندگی کے چالیسویں سال، سن ہجری سے تیرہ سال قبل ۶۱۰ء کے قریب انقلاب اسلام کا پہلا درس دنیا کو دیا تھا اور اس کے بعد سے آپ کی زندگی کے پورے ۲۳ سال اسی پیغام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہوئے۔ ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین کا وہ دس لاکھ مربع میل رقبہ جو جزیرہ نمائے عرب کے نام سے موسوم ہے، اسلام کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عامل ہو چکا تھا۔ فلسطین سے لے کر یمن و حضرموت تک اور حجاز سے لے کر عمان و کویت تک جو انسانوں کا جم غفیر بستا تھا وہ سب آپ کی حیات میں ہی زندگی کا پرانا چولا بدل چکا تھا۔ چنانچہ مشہور روسی دانشور نالسائی رقم طراز ہے:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے بہت اجتماعیہ کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ وہ سب سے بڑے اور عظیم ترین مصلح تھے۔ ان کا یہ کارنامہ انتہائی فخر کے قابل ہے کہ انہوں نے دنیا کی جاہل ترین قوم کو نور ہدایت سے منور کر کے صلح و آشتی کا بجا و ماویٰ بنا دیا۔“

اسلام کی مقبولیت

عالمی ادیان اور اسلام:

اسلام جس تیز رفتاری سے پھیلا دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ملکی اور مقامی مذاہب کا ذکر ہی کیا، تمام عالمی مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور بدھ مت وغیرہ) صدیوں تک نہایت گمنامی کی حالت میں رہے۔ یہی معاملہ یہودیت کے ساتھ پیش آیا۔ بدھ مت بھی اپنے

بانی کے زمانے میں اس پاس کی چند چھوٹی ریاستوں سے باہر قدم نہ رکھ سکا تھا۔ البتہ صدیوں بعد راجاؤں اور فرمانرواؤں کی سرپرستی میں پروان چڑھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد عیسائیت بھی تاج و تخت کے سایہ میں اشاعت پذیر ہوئی، لیکن اسلام اپنے آغاز سے تیس سال کے اندر اندر جزیرہ نما عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔ یہی نہیں بلکہ اگلے پچیس سال میں کسریٰ کے مقبوضات اور قیصر کا بہت بڑا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ اسی دوران اسلام ایشیا اور افریقہ میں بھی بہت مقبول ہوا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

مقبولیت کے غیر معمولی اسباب:

یہاں ہمیں دیکھنا ہے کہ اس غیر معمولی مقبولیت کے اسباب کیا ہیں۔ عیسائی مبلغین اس کی تمام توجہ قوت کا استعمال بتاتے ہیں لیکن تاریخ سے گہری دلچسپی رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کوئی تحریک آج تک قوت کے بل بوتے پر کامیاب نہ ہو سکی۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ عہدہ سے عہدہ تحریکیں صرف تشدد کے باعث ناکام ہو گئیں۔ پھر اسلام کی اشاعت کا سبب تلوار کو قرار دینا حقائق سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مقبولیت کا سب سے اہم سبب اس کی تعلیمات کی گہرائی ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی ہدایات نہ صرف اگلی دنیا میں چین و آرام کی راہیں کھولتیں ہیں بلکہ اس دنیاوی زندگی میں بھی امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لئے مشعل راہ بھی ہیں۔ اسلام کی اس ہمہ گیر اور قابل عمل تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ ہر خطہ اور ہر ملک کے باشندوں نے اسے قبول کیا اور اس کے ذریعہ وہ ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہو گئے۔

اسلامی مساوات:

اسلامی تعلیمات میں جس چیز نے سب سے زیادہ لوگوں کو لبھایا وہ اس کی مساوات کی تعلیم ہے جس کے ذریعہ صدیوں کے در ماندہ لوگوں کو نئی زندگی مل گئی۔ وہ مظلوم طبقہ جو نامعلوم زمانے سے مٹھی بھر لوگوں کے پنجہ جور میں بری طرح جکڑا ہوا تھا اس نے اسلام کے دامن میں آ کر پناہ لی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد میں اکثریت اور بہت بڑی اکثریت ایسے لوگوں کی رہی ہے جو غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اسلام نے جہاں بانی کے جو اصول سکھائے ہیں اور جس طرز حکومت سے بنی نوع انسان کو روشناس کرایا ہے۔ لوگ اس کے گرد ویدہ ہو کر بہ کثرت حلقہ اسلام میں داخل

ہوئے۔

وحدت ادیان کا اصول:

اسلام کی مقبولیت کا ایک اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ اسلام نے وحدت ادیان کا اصول پیش کیا ہے۔ اس کی رو سے تمام مذاہب جن کی بنیاد توحید پر ہے سب کے سب سچے ہیں اور ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو وقت اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اللہ کی طرف سے انسان کی اصلاح کی خاطر وقتاً فوقتاً آتے رہے۔

نجات کی اجارہ داری کا خاتمہ:

اس وحدت ادیان کے ساتھ اسلام نے سچائی اور نجات کی اجارہ داری کا بھی بالکل خاتمہ کر کے رکھ دیا ہے۔ مذاہب عالم میں اکثریت ایسے مذاہب کی ہے جنہوں نے نجات کو کسی خاص فرقہ یا گروہ کے لوگوں تک محدود کر دیا ہے، لیکن اسلام میں نجات کا دروازہ ہر ایک شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو خود کو خالق کائنات کے سپرد کر دے اور نیک عملی کو اپنا شعار بنالے۔ اس طرح انسان پہلی بار اس حقیقت سے روشناس ہوا کہ کسی خاص نسل یا قوم میں پیدا ہونا نجات کی ضمانت نہیں ہے، بلکہ رنگ و نسل سے ہٹ کر تقویٰ، تزکیہ نفس اور حسن سیرت ہی دنیا میں فلاح اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

اسلام پیغمبر اسلام کے بعد

عہد خلفائے راشدین:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا۔ ان خلفاء کا عہد حقیقی جمہوریت کا عہد تھا۔ ہر طرف بغاوت کے آثار تھے۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرت و فراست نے ان سب پر غلبہ پالیا۔ قرآن کی تدوین کا خیال بھی اسی دور میں پیدا ہوا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ ان کے دور میں اسلام عرب سے نکل کر عراق، ایران، شام، مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پرفتن

زمانہ تھا۔ ان دونوں خلفاء کے زمانے میں اسلام دشمن عناصر پھر میدان عمل میں آ گئے اور انہوں نے اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

بادشاہت کا آغاز اور اموی بادشاہ:

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شہنشاہیت کا آغاز ہوا اور اس کے سب سے پہلے علم بردار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اموی خاندان کی حکومت کی بنیادوں کو استوار کیا۔ اموی عہد میں اسلامی فتوحات کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ اسلامی مملکت کی حدود ہندوستان اور چین تک وسیع ہو گئیں، لیکن اسلام کی وہ انقلابی روح جس کا پیغام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے بہت حد تک مردہ ہو گئی۔ یہ زمانہ تقریباً ۸۰ سال پر محیط ہے۔

عباسی بادشاہت:

امویوں کے بعد عباسی آئے جنہوں نے فتوحات پر دنیاوی ثقافت کو ترجیح دی۔ ان کا عہد علوم و فنون کا عہد تھا، جس سے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ظہور ہوا۔ عباسی حکومت پانچ سو برس تک قائم رہی لیکن اس کا انحطاط دو سو برس بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ آخری تین سو برس میں متعدد چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں وجود میں آ گئیں، جن میں سلاطین، غزنوی اور ایوبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عثمانی حکومت:

عباسیوں کے بعد سب سے بڑی اسلامی حکومت جو تقریباً سات صدیوں تک قائم رہی عثمانیوں کی تھی جن کی فتوحات یورپ کے اکثر ممالک پر محیط تھیں۔ عثمانی حکمران بھی اپنے آپ کو خلفاء کہلاتے تھے۔ انقلاب ترکی کے بعد اس خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اٹھارویں، انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی:

اٹھارویں اور انیسویں صدی مسلمانوں کی غلامی اور کمزورتی و ادوار کا دور ہے جس پر یورپی طاقتوں نے مسلمانوں کو اپنا محکوم بنالیا۔ اگرچہ ان کی حکومتیں بتدریج ان کی غلامی سے نکلتی جا رہی ہیں، لیکن بین الاقوامی سیاست کے زیر اثر اب بھی وہ کسی نہ کسی یورپی طاقت کے زیر اثر ضرور ہیں۔

اسوۂ رسول ﷺ

قابل تقلید اسوۂ حسنہ:

تاریخ انسانی میں ایسے لاکھوں ممتاز افراد گزرے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کے لئے اپنی زندگیاں نمونے اور ماڈل کے طور پر پیش کیں۔ ان میں سے شاہان عالم ہیں، جنگی سپہ سالار ہیں، علماء، حکماء اور فاتحین عالم ہیں اور شہرۂ آفاق شاعر ہیں۔ اسی طرح اسٹیج عالم پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں اور ہر زندگی ایک کشش رکھتی ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان مختلف گروہوں میں سے کس کی زندگی بنی آدم کی سعادت، نجات اور ہدایات کی ضامن ہے اور اس کے لئے قابل تقلید اسوۂ حسنہ ہے۔؟ اس معیار پر پرکھیں تو انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہی ایسا قابل تقلید نمونہ ہے جو اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

تمام انسانی گروہ کے لیے یکساں فیض:

یہ بھی حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان کے حقیقی مسلمان، اعمال کی بہتری، اخلاق کی نیکی، قلوب کو صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کی کامیاب سعی اگر کسی گروہ انسانی نے کی ہے تو وہ نفوس قدسیہ انبیاء کرام کا گروہ ہی ہے۔ وہ انسانی ہدایت کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے اور رشد و ہدایت کی مشعل روشن کر کے چلے گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کی ضیاء پاشیوں سے آج بھی تمام انسانی گروہ یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ انبیاء کا پیام باہمی انس و محبت اور عالمگیر اخوت کا پیغام تھا۔ بقول مولانا روم:

”انبیاء توڑنے نہیں جوڑنے آتے ہیں۔“

علم و عمل کا مجموعہ:

یہ نفوس قدسیہ (انبیاء کرام) اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے مناسب حال اخلاق حسنہ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا اور تاریخی وضوالات کے مقابلے میں ایسا رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا جس سے صراطِ مستقیم تک رسائی آسان ہو گئی۔ مگر اب ضرورت ایسے رہنما اور پیشوا کی تھی جو پورے عالم کو بقعہ نور بنادے اور ہمارے ہاتھ اپنی اعلیٰ ترین عملی زندگی کا وہ مکمل ہدایت نامہ دے دے جس کو لے کر اس کی حکیمانہ ہدایت کے مطابق

ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ رہبر کامل سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کی تعلیم دائمی اور ابدی ہیں یعنی قیامت تک ان کو زندہ رہنا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو علم و عمل کا مجموعہ کمال بنایا گیا۔

عالمگیر اور جامع ترین سیرت:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، کیونکہ آپ کی پوری زندگی ایک روشن کتاب کی طرح ہمارے لئے کھلی ہے، کوئی واقعہ راز اور جہالت کی تاریکی میں گم نہیں، اس طرح آپ کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے یعنی مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لئے جن ماڈلوں اور نمونوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قول و فعل اور تعلیم و عمل کا حسین مرقع ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تعلیم کو پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کی ترجمان اور ذاتی عمل اس کے مطابق ہے۔ ورنہ اچھے سے اچھا فلسفہ اور عمدہ سے عمدہ نظریہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ البتہ جو چیز پیش نہیں کی جاسکتی وہ اس نظریے اور فلسفے کے مطابق عمل ہے۔ اس لحاظ سے بھی سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لئے ازلی نمونہ اور ابدی اسوۂ حسنہ ہے۔

اسوۂ حسنہ قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن کریم کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر ایک مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۂ حسنۃ“

”تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔“

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۲۱)

انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے لیے نمونہ:

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں ہر قدم پر

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ انسانی کے ہر شعبے، ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔

www.only1or3.com

www.onlvoneorthree.com

ہر طبقہ اور گروہ کے لیے نمونہ:

انسانوں کے ہر طبقہ اور گروہ کے لئے اس سیرتِ پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کی رہنمائی موجود ہے۔ جو لوگ بچپن میں ناساز ماحول میں گھر جاتے ہیں ان کے لئے آمنہ کے لال اور دریتیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں تسلی و اطمینان کا سامان ہے۔ نوجوانوں کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء داری اور عفت میں نمونہ عمل ہے، جو کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔ تاجروں کے لئے مکہ معظمہ کے اس تاجر کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جس کے تجارتی لین دین کی سچائی اور معاملے کی صفائی کا شہرہ ملکِ شام تک تھا۔ اس طرح اگر تم حکمران ہو تو سلطانِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پڑھو۔ اگر رعایا ہو تو قریش کے مجاہد کو ایک نظر دیکھو۔ اگر تم استاد ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ اگر طالب علم اور شاگرد ہو تو رحمن عزوجل کے شاگرد پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے مقدس شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر بے اولاد ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھو۔ اگر مزدور اور محنت کش طبقہ کے افراد ہو تو مسجد نبوی کے معمار اول کو دیکھو کہ جنہوں نے ”محنت میں عظمت ہے“ کا عملی پیغام دیا۔

غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی اصلاح کے لئے سامان اور تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایات کا چراغ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ کامل میں ہر وقت مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور حق کے ہر متلاشی کے لئے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارکہ ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق“

”میں جملہ اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔“

اخلاقِ فاضلہ:

اخلاقِ فاضلہ انسان کی عملی سیرت کا نام ہے۔ قرآن پاک نے اس بات کی عملی شہادت دی ہے کہ آپ اپنے عمل و اخلاق کے لحاظ سے بھی بلند ترین انسان تھے۔ قرآن نے دوست و دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

”وانک لعلى خلق عظیم“

”بے شک آپ خلقِ عظیم کے حامل ہیں۔“

(سورۃ القلم: آیت نمبر: ۴)

سیرت کے روشن ترین پہلو:

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی تو شب و روز میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا کہ جب خدا کی یاد سے آپ کا دل اور ذکر سے زبان غافل ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”آپ ہر وقت خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔“

صبر و توکل اور توکل علی اللہ:

صبر و توکل اور خدا پر اعتماد کی شان دیکھیں تو صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتی ہے۔ حکم الہی تھا:

”واصبر کما صبر اولو العزم من الرسل“

(القرآن المجید)

”جس طرح صاحبِ عزیمت رسولوں نے صبر و استقلال دکھایا تو بھی دکھا۔“

آپ نے وہی کر کے دکھایا۔

قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔ مگر صبر و استقلال کا دامن آپ کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا۔ ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں۔ کفار آپ کا پیچھا کرتے ہیں اور غار ثور کے دھانے تک پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھمرا کر کہتے ہیں:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دو ہیں اور دشمن کثیر۔؟“

ایک تسکین بھری آواز آتی ہے:

”ابو بکر ہم دونہیں۔“

”لا تحزن ان اللہ معنا“

”گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر: ۶)

عفو و درگزر:

اسی طرح عفو و درگزر سے کام لینا اور دشمنوں سے پیار کرنا صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کرنے سے قبل برابر سات برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجیں لاتے رہے۔ وہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ اسی طرح ان کی بیوی ”ہندہ“ جس نے احد کے معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے حرمتی کی اور ان کے سینے کو چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا، فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ للعالمین نے نہ صرف میاں بیوی کو معاف کر دیا بلکہ یہ بھی فرمایا:

”جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔“

خطبہ حجۃ الوداع:

غرض تاریخ عالم میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتے ہیں۔ آخری حج کے موقع پر جب کہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک لاکھ چالیس ہزار پروانوں کا ہجوم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کا آخری پیغام سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے ساتھ اپنی ذاتی مثال بھی پیش فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے سودی لین دین آج باطل کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی کاروبار ختم کرتا ہوں۔“

(مسند امام احمد)

الغرض چھوٹے بڑے، حاکم و محکوم، فاتح و مفتوح، دوست و دشمن، اپنے بیگانے، معلم و محلم، مقفص و مصلح، غرض سب کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ یکساں مفید اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

مقدس دینی کتاب القرآن المجید

معنی و مفہوم

قرآن کا لفظ ”قرات“ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں:
”پڑھنا اور تلاوت کرنا۔“

قرآن مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں:
”بکثرت پڑھی جانے والی کتاب۔“

قرآن مجید کا نام قرآن مجید میں

اس کتاب الہی کا یہ نام ”قرآن“ کسی انسان کا رکھا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ نام خود خداوند تعالیٰ نے رکھا ہے۔

1: سورة الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لَتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝“
(سورة الاسراء (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 106)

2: سورة النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
اِخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝“

(سورة النساء، آیت نمبر 82)

3: سورة يوسف میں ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا
الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر 3)

4: سورۃ الحجر میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 87)

5: سورۃ الحجر میں ہی ہے:

”الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝“

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 91)

6: سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

”فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝“

(سورۃ النحل، آیت نمبر 98)

7: سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ
يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 9)

8: سورۃ الاسراء میں ہی ارشاد ہے:

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 45)

9: سورۃ طہ میں ارشاد ہے:

”مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ۝“

(سورۃ طہ، آیت نمبر 2)

10: سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے:

”وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ

”مَهْجُورًا“

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر 30)

11: سورۃ النمل میں ارشاد ہے:

”وَأَنَّكَ لَتَلَقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ“

(سورۃ النمل، آیت نمبر 6)

12: سورۃ النمل میں ہی ارشاد ہے:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ“

(سورۃ النمل، آیت نمبر 76)

13: دوسری جگہ ہے:

”وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ“

(سورۃ النمل، آیت نمبر 92)

14: سورۃ القصص میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَىٰ مَعَادٍ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“

(سورۃ القصص، آیت نمبر 85)

15: سورۃ الاحقاف میں ارشاد ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ“

(سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 29)

16: سورۃ محمد میں ارشاد ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا“

(سورۃ محمد، آیت نمبر 24)

17: سورۃ القمر میں ارشاد ہے:

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝“

(سورۃ القمر، آیت نمبر 17)

18: سورۃ الرحمن میں ہے:

”عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝“

(سورۃ الرحمن، آیت نمبر 2)

19: سورۃ الحشر میں ارشاد ہے:

لَوْ أَنزَلْنَاهَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝“

(سورۃ الحشر، آیت نمبر 21)

20: سورۃ المزمل میں ارشاد ہے:

”أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَقِلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝“

(سورۃ المزمل، آیت نمبر 4)

21: سورۃ الدھر میں ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝“

(سورۃ الدھر (الانسان)، آیت نمبر 23)

22: سورۃ الانشقاق میں ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۝ السجدہ

(سورۃ الانشقاق، آیت نمبر 21)

23: سورۃ التوبہ میں ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝“

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 111)

24: سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

”وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا
نُفُورًا“

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 41)

25: سورۃ الاسراء میں ہی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ
الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا“

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 82)

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بیسوں آیات میں قرآن مجید کا نام القرآن موجود ہے۔

نام یا پیش گوئی

اس کتاب کو قرآن کریم کا نام دینے میں دراصل ایک زبردست پیش گوئی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ یہ کتاب اس کثرت سے دنیا میں پڑھی جائے گی کہ کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ اس امر کا شاہد ہے کہ یہ پیش گوئی نہایت تسلسل اور تواتر سے پوری ہو کر قرآن مجید کی صداقت پر ایک زبردست شہادت ثابت ہوئی ہے اور قیامت تک ثابت ہوتی رہے گی۔ چنانچہ دشمنوں اور مخالفوں کو بھی مجبور ہو کر تسلیم کرنا پڑا:

”حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔“

(انسائیکلو پیڈیا یلمینیکا، فولڈ کیے کا مقالہ قرآن)

یہی وہ کتاب ہے جسے کروڑوں افراد دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ جو بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ نوعمر بچوں کے سینوں میں محفوظ ہے جو رمضان المبارک میں پوری کتاب صحت لفظی اور حسن قرأت کے ساتھ سناتے ہیں۔

نزول قرآن

تیس سال کا عرصہ:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

تھوڑا تھوڑا کر کے تیس سال کی مدت میں نازل فرمایا۔

نزول قرآن کے وقت عمر:

جب اس کا نزول شروع ہوا تو اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا اکتالیسواں سال تھا۔

پہلی وحی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی غیر غار میں نازل ہوئی۔ وہ سورۃ العلق کی آیات ہیں:

”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ
وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝“
(سورۃ العلق: آیت نمبر 1 تا 5)

”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کریم کا نام لے کر پڑھو۔ جس نے
(کائنات) کو پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم
ہے جس نے قلم کے ذریعے سے سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا علم اس
کو نہ تھا۔“

آخری وحی:

آخری وحی کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری حج ادا فرمایا تو آیت کلالہ نازل ہوئی:

”يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرًا هَلَكَ لَيْسَ
لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا
وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلُّنُ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً
رَجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ
تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۱۷۶)

”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے کلامہ کے بارے میں (اللہ کا) حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا کلامہ کے بارے میں حکم دیتا ہے.....“

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی:

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“

(سورۃ المائدہ: آیت نمبر ۴)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔“

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

”وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ قُتِمَ تَوْفَى كُلِّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ“

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۲۸۱)

”اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی۔“

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

”اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو سورۃ البقرہ کی 280 نمبر آیت کے سرے پر رکھو۔“

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیسا ہی دن زندہ رہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی ترتیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی ہوئی ہے۔ جس روز قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا اس روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہو گئی گویا جو اس کا نازل کرنے والا تھا وہی اس کا مرتب کرنے والا بھی تھا۔

اسماء القرآن

قرآن مجید کے قرآنی نام:

اس کتاب کو قرآن کریم کے علاوہ اور بہت سے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہی ہے۔ محققین نے پچپن نام ایسے شمار کئے ہیں جو اس کتاب کے لئے قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً:

المجید	(سورۃ ق، آیت نمبر ۱)
حکیم	(سورۃ یسین)
مبارک	(سورۃ الانعام، آیت نمبر: ۱۰۰)
بشری	(سورۃ البقرہ)
العظیم	(سورۃ الحجر، آیت نمبر ۷۸) (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۵)
الکتاب	(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲)
فرقان	(سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۱)
ذکرى	(سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۲)
ذکر	(سورۃ الحجر، آیت نمبر ۹)
تذکرۃ	(سورۃ الدھر، آیت نمبر: ۲۹)
رحمۃ	(سورۃ یونس، آیت نمبر: ۵۷)۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کثرت اسماء:

یہ بات بڑی واضح ہے کہ کسی ذات، شخصیت یا چیز کے زیادہ نام اور اچھے القابات اس کی زیادہ خصوصیات و فضائل پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے بہت سے اچھے نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کی دلیل ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید کے بھی بہت سے اسماء و القاب ہیں جو اس کے عالی مرتبت، عظیم الشان اور بلند مقام پر دلالت کرتے ہیں۔ ذیل میں قرآن مجید کے اسماء و القابات کا قرآن ہی کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے۔

الکتاب:

قرآن مجید اپنا تعارف لفظ ”الکتاب“ سے کراتا ہے کہ وہ ضبط تحریر میں آیا ہوا کتابی شکل میں مرتب صحیفہ آسمانی ہے۔ یہ محض زبانی یادداشتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ باضابطہ اور مستند نوشتہ اور ایک صحیفہ مکتوب ہے۔

درج ذیل وجوہ کی بنا پر قرآن مجید کو ”الکتاب“ کہا گیا ہے:

1: الکتاب مصدر ہے اور اس کے اصل معنی ”جمع کرنا“ ہیں اور یہ مکتوب (لکھی ہوئی کتاب) کے معنی میں ہے۔ کتاب کے لفظ سے ہی ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ یہ ایک منظم و مرتب چیز ہے۔ بکھرے ہوئے اوراق کو کتاب نہیں کہا جاتا۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کو کتاب اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں مختلف علوم و معارف، واقعات و قصص اور خبریں منظم و مربوط صورت میں جمع کی گئی ہیں۔

2: الکتاب کے معنی اگر ”لکھا ہوا“ کیے جائیں تو اس لحاظ سے ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے نتیجے کے لحاظ سے اسے کتاب کہا گیا ہو کیونکہ نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید لکھوانے کا اہتمام فرمایا۔ قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تب وحی صحابی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اسے لکھنے کا حکم صادر فرماتے۔

3: الکتاب مجموعہ قوانین کو بھی کہا جاتا ہے بلکہ اس کتاب کو الکتاب کہنا زیادہ زیب دیتا ہے جس میں احکام کے ساتھ ساتھ قوانین بھی موجود ہوں۔ قرآن مجید میں اس کے قانونی کتاب ہونے کا وضاحت سورۃ النساء کی آیت 105 میں اس طرح موجود ہے:

”ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔“

4: الکتاب کا لفظ خط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ النحل میں ارشاد باری ہے:

”میری طرف سے ایک عزت والا خط آیا ہے۔“

اس اعتبار سے قرآن مجید اللہ رب العالمین کی طرف سے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ایک

کھلا خط ہے۔

القرآن:

”القرآن“ قرآن مجید کا ذاتی نام ہے اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کو القرآن کہنے کی کئی وجوہات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1: یہ لفظ غیر مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب پر مخصوص نام کے طور پر بولا جاتا ہے، جیسے قرأت زبور اور انجیل کے الفاظ دیگر آسمانی کتب کے نام ہیں۔

2: القرآن ”قرن“ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ”ملانا“ کے ہیں۔ چونکہ اس میں سورتیں آیات اور حروف ملائے گئے ہیں، اس لیے اسے القرآن کہتے ہیں۔

3: القرآن ”قرء“ کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے پڑھنا۔ القرآن فعل کے معنی میں ہے اس لحاظ سے اس کا معنی ہوا پڑھی جانے والی کتاب۔ یہ بات بلا خوف و خطر کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید دنیا کی تمام الہامی اور غیر الہامی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

المبین

المبین کا معنی ہے واضح یا صاف صاف بیان کرنے والی کتاب۔ قرآن مجید ہر چیز کو واضح واضح بیان کرنے والی کتاب ہے۔ غور و خوض اور خلوص نیت کے ساتھ پڑھنے والے کے لیے اس میں قطعاً کوئی الجھن نہیں۔ اس کے احکام اور اوامر و نواہی بالکل واضح ہیں۔ قرآن مجید کو المبین اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ حق کو باطل سے بالکل الگ تھلگ کر دیتی ہے۔

الکریم:

قرآن مجید کو الکریم بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں عزت و احترام والا۔ قرآن مجید کا ایک ادب و احترام تو یہ ہے کہ اس کو ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھا جائے اور اسے کبہ کر اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ جو آدمی قرآن مجید کے خلاف زندگی بسر رہا ہے وہ قرآن کا ادب و احترام کرنے والا نہیں۔

دوسرا اس کا ظاہری ادب ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ جس قدر اس کی ظاہری عزت و توقیر کرتے ہیں وہ کسی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔

کلام اللہ:

قرآن مجید کو کلام اللہ بھی کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے: ”اللہ کا کلام۔“ کیا قرآن مجید کا یہ شرف کم ہے کہ یہ اللہ خالق و مالک کا کلام ہے۔؟

النور:

قرآن مجید کو النور بھی کہا گیا ہے جس کا معنی ہے: ”روشنی۔“ قرآن مجید جہالت و تعصب اور ضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں واضح روشنی کا کام دیتا ہے۔

ہدی:

قرآن مجید کو ہدی بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: ”ہدایت و رہنمائی۔“ ہدی مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی اس کا معنی ہے: ”رہنمائی کرنے والا رہنما۔“ قرآن مجید نے ہمیں زندگی کی تاریک راہوں میں رہنمائی اور روشنی فراہم فرمائی ہے۔ اسی رہنمائی کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید کے بتائے ہوئے حقائق کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید کی رہنمائی تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن اس رہنمائی سے ایمان والے اور متقی ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

رحمۃ:

قرآن مجید فرقان حمید کا ایک اسم گرامی رحمۃ بھی ہے جس کے معنی ہیں: ”برکت، مہر و محبت۔“ انسانیت جہالت و ضلالت اور کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی، ان حالات میں قرآن مجید فرقان حمید کتاب رحمت بن کر نازل ہوا۔ نقصانات اور نامرادی کے طوفانوں کے مقابل قرآن مجید فرقان حمید نے انسان کو اپنے دامن رحمت میں چھپالیا اور اس رحمت نے قیامت تک کے انسانوں کے لیے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی ناہمواریوں کو دور کر کے ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔

الفرقان:

قرآن مجید فرقان حمید کو فرقان بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: ”حق و باطل کے درمیان

فرق کرنے والا کلام۔“ قرآن مجید کو فرقان کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ تبدیل شدہ پہلی کتب سماویہ کی تعلیمات کو قرآن مجید نے الگ تھلگ کر دیا۔ حق و باطل اور توحید و شرک کے درمیان ٹھوس دلائل و شواہد کے ذریعے واضح خط کھینچ دیا۔

شفاء:

قرآن مجید فرقان حمید کا ایک اسم گرامی شفاء بھی ہے جس کے معنی ہیں: ”تندرستی۔“ قرآن مجید فرقان حمید روح کے علاوہ جسم کی بیماریوں کے لیے بھی شفاء ہے۔ اس میں عجب تاثیر ہے۔ لاکھوں کروڑوں بیمار اس کی چند آیات یا چند سورتیں پڑھ کر شفاء یاب ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ اخبارات و رسائل میں بھی اس کے شواہد ملتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات یا دعائیں پڑھ کر دم کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

موعظہ:

قرآن مجید کو موعظہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: ”نصیحت آموز کتاب۔“ قرآن مجید سے ایک طرف تو عام انسانوں کو دین حق کے متعلق واضح حقائق معلوم ہوتے ہیں اور دوسری طرف مومنوں اور متقیوں کے لیے یہ کتاب ہدایت و موعظت ہے۔ ہدایت اور موعظت کا رشتہ حد درجہ منطقی ہے۔ جو چیز رہنمائی کرے گی وہ راہ کے خطروں سے بھی ڈرائے گی۔

موعظہ کے معنی ہیں: ”اعمال کے اچھے اور بُرے نتائج سے اس طرح باخبر کرنا کہ دلوں کی کیفیت بدل جائے۔“

لغوی لحاظ سے وعظ کے معنی حکم دینا اور (برے کام سے) روکنا بھی ہیں۔ گویا قرآن نیک اعمال کا حکم دیتا ہے اور بُرے اعمال، غلط روش کے نتائج سے بھی آگاہ کرتا اور حکماء ان سے روکتا ہے۔

ذکر:

قرآن مجید کو ذکر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں: ”یاد۔“ ذکر اس شے کو کہتے ہیں جو ذہن میں ایسے محفوظ ہو کہ بھلائی نہ جاسکے اور نہ ہی اسے فراموش کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی

حفاظت اس طرح کی کہ لوگوں کے سینوں میں اسے محفوظ کر دیا۔

دنیا میں یہ واحد کتاب ہے جسے لوگ زبانی یاد کرتے ہیں۔ آج بھی بے شمار بڑوں اور بچوں کے سینوں میں یہ کتاب موجود ہے یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک کوئی قرآن مجید میں ایک حرف بھی تبدیل نہیں کر سکا۔ علامہ ابن مکرم نے لکھا ہے کہ جو کتاب تفصیل دینی اور قوانین امم پر حاوی ہو وہ ذکر ہے۔ قرآن مجید میں دین کی تفصیلات بھی ہیں اور پہلی امتوں کے حالات بھی اس لیے بھی، اسے ذکر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

مبارک:

قرآن مجید فرقان حمید کو مبارک کتاب کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: ”برکت والی کتاب۔“ برکت کے مفہوم میں خیر و فلاح، کثرت و نمو اور ثبات و دوام شامل ہیں۔ جو کتاب رشد و ہدایت کا مرقع، حکمت و دانائی کا منبع، دینی تفصیلات کا گنجینہ، روحانی اور جسمانی بیماریوں کی دوا، بیماریوں کی شفاء، پڑھنے، وعظ و نصیحت اور عبرت حاصل کرنے میں انتہائی سہل اور آسان ہو، جس کی تعلیمات تمام انسانیت کے لیے ہوں، جس کا ایک حرف پڑھنے سے دس دس نیکیاں ملیں اور جس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابی و کامرانی کا سرٹیفکیٹ ملے، وہ یقیناً مبارک لقب والی کتاب قرآن مجید ہی ہے۔

علی:

عربی زبان کا مقولہ ہے:

”کلام الملوک ملوک الکلام“

”بادشاہ کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔“

اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے تو اس کا کلام بھی فصاحت و بلاغت، وعظ و نصیحت، نظم و ترتیب، اثر انگیزی، سہل انداز بیان، اعجاز اور دیگر خوبیوں کی بناء پر تمام کلاموں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

حکمت:

قرآن مجید فرقان حمید کو حکمت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ حکمت کا مفہوم عام طور

پردانائی ہی بیان کیا جاتا ہے جب کہ اس کے مفہوم میں قوت فیصلہ، انصاف، حسن اور تناسب بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم کو حکمت بالغہ کہا گیا ہے، کیونکہ یہ انسان کو ان فیصلوں، اس تناسب اور مقام عدل تک پہنچاتا ہے جو اس کی منزل ہے۔ حکمت میں قوت کا عنصر بھی شامل ہے اور یہی عنصر اسلامی نظام مملکت کو ایک نظام حکمت بنادیتا ہے۔

حکیم:

حکیم کا معنی ہے: ”کتاب حکیم یعنی دانائی والی کتاب۔“ حکیم اگر حکمت والی کتاب کے مفہوم میں ہو تو حکمت کی وضاحت ہو چکی ہے اور حکیم اگر محکم (مضبوط، ٹھوس اور پختہ) کے معنی میں ہو تو اس سے مراد وہ کتاب ہے جس کے حلال و حرام اور حدود و محکم و مضبوط ہیں۔ ان میں کبھی تبدیلی نہ آئے گی یا جو غلطیوں اور اختلاف سے پاک اور مبرا کتاب ہو، اس کو کتاب حکیم کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کیوں کہ ان تمام اوصاف سے متصف ہے اس لیے اسے کتاب حکیم کہا گیا ہے۔

مہمکن:

مہمکن کے معنی: ”نگران، محافظ اور گواہی دینے“ کے ہیں۔ باقی کتب سماویہ سے قرآن مجید کی یہ منفرد خوبی ہے کہ یہ ان کے لیے محافظ اور گواہی دینے والا ہے۔ پہلی آسمانی کتب میں چونکہ تحریفات ہو چکی ہیں اس لیے قرآن مجید کی بات فیصلہ کن ہے۔

حبل اللہ:

حبل اللہ کے معنی: ”اللہ کی رسی“ کے ہیں۔ جو قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اس پر عمل کرنا شروع کر دے وہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ قرآن مجید کو حبل اللہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچانے والی کتاب ہے۔

صراط مستقیم:

صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ۔ قرآن مجید پر عمل ایک ایسا راستہ ہے جو سیدھا جنت کو جاتا ہے۔ اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہیں ہے۔ بیشک جو قرآن کے احکامات پر عمل کرتا ہے وہ صراط

مستقیم پر ہے۔

قیم:

قرآن مجید کو قیم کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے جس کے معنی سیدھا اور صاف ہونے کے ہیں۔ قرآن مجید کیونکہ جھوٹ، زنا، غیبت، چغل خوری اور تمام گناہوں سے پاک صاف زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے اس لیے اسے کتاب قیم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں اہم معلومات

قرآن مجید فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری اور مکمل کتاب ہے اور صرف یہی ایک کتاب ہے جو بغیر کسی تغیر و تبدل کے بعینہ موجود و محفوظ ہے۔ اس میں آج تک کسی ایک لفظ کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ یہ لفظ و معنی دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔ خود قرآن مجید فرقان حمید میں صراحتاً موجود ہے کہ اس کی حفاظت خود خالق کائنات نے اپنے ذمہ لی ہے۔ صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ اس کے تلفظ اور اس کے بیان مقصود کی ذمہ داری بھی خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ اپنی طرف سے ایک لفظ کی کمی یا بیشی قرآن مجید میں کر دیں۔

دنیا کی کسی زبان میں کوئی ایسی مذہبی کتاب موجود نہیں جو ابتداء سے اب تک الفاظ و معانی دونوں اعتبار سے بغیر کسی تغیر و تبدل کے بالکل محفوظ ہو۔ یہ معجزانہ فضیلت صرف قرآن مجید فرقان حمید کو حاصل ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

جمع و حفاظت قرآن:

قرآن مجید نجماً نجماً ”تھوڑا تھوڑا“ نازل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھوا لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس کی تعلیم دیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن مجید فرقان حمید نہ صرف یاد کر لیتے بلکہ جوان میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ لکھ کر محفوظ کر لیتے۔ خود سرکارِ دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیات کو بایں تصریح لکھوا دیتے تھے کہ یہ فلاں سورت کی آیات ہیں اور ان کو فلاں آیات سے پہلے اور فلاں کے بعد لکھو۔ اس طرح جب کوئی آیت نازل ہوتی تو ایک ہی دن میں اس کے بہت سے حافظ ہو جاتے اور مکتوبہ نسخے بھی

تیار ہو جاتے۔

اگر قرآن مجید فرقان حمید سارا ایک بار نازل ہوتا یا لکھا ہوا کتابی صورت یا الواح کی صورتوں میں آتا تو اس کی حفاظت ایسی نہ ہو سکتی تھی جیسی آج ہے۔ کون سارے قرآن مجید کو ایک دن میں یاد کر سکتا تھا؟ اور کون ایک ہی دن میں متعدد نسخے تیار کر سکتا تھا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بعد نہ کوئی اور کتاب نازل فرمائی تھی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی بھیجنا تھا اس لیے قرآن مجید فرقان حمید کو نازل کرنے حفظ کرنے اور تحریری صورت میں محفوظ رکھنے کا بے مثال طریقہ اختیار فرمایا کہ نمازوں میں قرآن مجید کا بلفظ پڑھنا ضروری اور فرض قرار دیا اور اولین دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کو یہ شوق عطا فرمادیا کہ جس قدر قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا اسے اپنی نمازوں میں دہراتے اور بار بار پڑھتے۔ مرد ہی نہیں بلکہ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی قرآن مجید فرقان حمید کو حفظ کر لیا کرتی تھیں اور جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں وہ لکھ کر رکھ لیتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پرملاں سے پہلے ہی سارا قرآن مجید لکھا جا چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسے ایک کتاب کی شکل میں سورتوں کی ترتیب سے مرتب کیا گیا، یہ کام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سرانجام پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی قرآن مجید کے متعدد نسخے لکھے گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو از سر نو مرتب فرمایا۔ آپ نے قرآن مجید کے تیار شدہ نسخوں کو دور دراز کے ممالک تک پہنچایا۔ ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا اور بقیہ نسخوں میں سے ایک ایک مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، یمن اور بحرین میں بھجوائیں۔

قرآن مجید عربوں میں نازل ہوا اور وہ عربی جانتے تھے اس لیے اعراب سے مستغنی تھے، لیکن جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اور عجمی اسلام قبول کرتے گئے تو عجمی کیونکہ عربی کم جانتے تھے اور قرآن مجید پر اعراب بھی نہیں تھے اس لیے ان سے قرآن مجید میں اعرابی غلطیاں ہونے لگیں۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے حجاج بن یوسف نے 86 ہجری میں قرآن مجید پر اعراب تحریر کروائے تو وہ موجودہ صورت میں ہو گیا۔

نزول کے دو دور:

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے دو تاریخی مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب قرآن مجید رمضان المبارک کی ایک برکت والی شب میں (جسے قرآن نے لیلۃ القدر کہا ہے) لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی اکٹھا نازل کیا گیا۔ پھر دوسرے مرحلے میں تھوڑا تھوڑا کر کے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا شروع ہوا اور یہ سلسلہ عرصہ تیس سال تک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پورا قرآن شب قدر میں آسمان دنیا پر اتارا گیا اور وہ مواقع نجوم کے مطابق تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کے بعد نازل فرماتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید مختلف مناسبتوں کے پیش نظر ایک طویل مدت میں نازل ہوا۔ کبھی آیتوں کا ایک مجموعہ نازل ہوا، کبھی دس آیتیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صرف چند الفاظ کا اضافہ ہو پاتا۔

یہ مناسبتیں کئی طرح کی ہوتیں کبھی کچھ لوگ از خود مسائل چھیڑ لیتے اور ان کا کئی کئی دن تک چہ چار ہوتا۔ پھر قرآن نازل ہوتا اور فیصلہ کن رائے سے بہرہ مند کرتا۔ کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحان بعض سوالات پوچھے جاتے اور آپ قرآن مجید کی زبان فیض ترجمان سے جواب مرحمت فرماتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کچھ مسائل معاشرہ میں ایسے ابھر آتے کہ ان کا جواب دینا ضروری ہو جاتا اور وحی الہی کے ذریعے ان مسائل کا حل پیش کر دیا جاتا۔

ان سوالات اور مناسبتوں کے علاوہ نزول قرآن کی ایک اپنی رفتار بھی تھی جس کی رعایت سے تھوڑا تھوڑا اور حسب ضرورت نازل ہوتا رہتا آنکہ تکمیل تک پہنچا۔ چنانچہ قرآن مجید کے احکام و قوانین حالات کے مطابق درجہ بدرجہ نازل ہوئے جن میں اس بات کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا کہ اہل عرب پرانے اطوار و عادات چھوڑنے اور نئے احکام و قوانین پر عمل کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہیں۔

قرآن کا موضوع:

قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پڑھنے والوں کو اس کا موضوع معلوم ہو، اس کے مقصد، مدعا، اس کے مرکزی مضمون کا علم ہو اور اس کے انداز بیان سے واقفیت ہو، کیونکہ قرآن مجید تمام دنیا کے لٹریچر میں اپنے طرز کی ایک ہی کتاب ہے، اس کی تصنیف دنیا کی

ساری کتابوں سے بالکل مختلف انداز پر ہوئی ہے۔ اپنے موضوع مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ ایک نرالی چیز ہے۔

اس کا موضوع انسان ہے، اس اعتبار سے کہ اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز پر ہے۔ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بین یا قیاس آرائی یا کسی اور سبب سے انسان نے جو نظریات کائنات اور اپنے بارے میں قائم کئے ہیں وہ سب غلط اور خود انسان کے لئے تباہ کن ہیں۔

اس کا مدعا اس صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر اگر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع اور اپنے مدعا یا مرکزی مضمون سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹی۔ اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطبات کا اسلوب تھا پھر یہ خطبات بھی ایک داعی کے خطبوں جیسے تھے، جسے دل اور دماغ، عقل اور جذبات ہر ایک سے اپیل کرنا ہوتا ہے اور ایک دعوت کے مناسب حال ہوتا ہے۔

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

ترتیب قرآن مجید:

قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتوں کو تیس سپاروں، سات منزلوں، ساٹھ احزاب اور پانچ سو چالیس رکوع کی صورت میں مرتب کیا گیا۔

اب قرآن مجید فرقان حمید کی سورتوں کی فہرست بحساب نزول مع زمانہ اور مقام کے اس غرض سے دی جاتی ہے کہ قارئین کو یہ بات با آسانی معلوم ہو جائے کہ قرآنی سورتیں کس ترتیب سے نازل ہوئیں اور کون سے ادا مرواں پہلے نازل ہوئے اور کون سے بعد میں۔

نام سورت شمار بحساب نزول شمار موجودہ ترتیب تعداد آیات زمانہ نزول مقام نزول

العلق	1	96	19	مکی قبل ہجرت مکہ
المدثر	2	74	56	
الزلزل	3	73	20	
الضحیٰ	4	93	11	

8	94	5	انشرح
5	113	6	الفلق
6	114	7	الناس
7	1	8	الفاتحہ
6	109	9	الکافرون
4	112	10	الاخلاص
5	111	11	الہب
3	108	12	الکوثر
9	104	13	الہمزہ
7	107	14	الماعون
8	102	15	الحکاثر
21	92	16	اللیل
52	68	17	القلم
20	90	18	البلد
5	105	19	الفیل
4	106	20	القریش
5	97	21	القدر
17	86	22	الطارق
15	91	23	الغس
42	80	24	عبس
19	87	25	الاعلیٰ
8	95	26	التین
3	103	27	الحصر
22	85	28	البروج
11	101	29	القارعة

الزلزال	30	99	8
الانفطار	31	82	19
الکویبر	32	81	29
الانشقاق	33	84	25
الغدیت	34	100	11
الترغمت	35	79	46
المرسلات	36	77	50
النباء	37	78	40
الغافية	38	88	26
الفجر	39	89	30
القيمة	40	75	40
التطيف	41	83	36
الحاتة	42	69	52
الذاریت	43	51	60
الطور	44	52	49
الواقعة	45	56	96
النجم	46	53	62
المعارج	47	70	44
الرحمن	48	55	78
القمر	49	54	55
الصفٹ	50	37	182
نوح	51	71	28
الدهر	52	76	31
الدخان	53	44	59
ق	54	50	45

طہ	55	20	135
الشعرا	56	26	227
الحجر	57	15	99
مریم	58	19	98
ص	59	38	88
یٰسین	60	36	83
الزخرف	61	43	89
الجن	62	72	28
الملک	63	67	30
المومنون	64	23	118
الانبياء	65	21	112
الفرقان	66	25	77
نبی اسرائیل	67	17	111
النمل	68	27	93
الکھف	69	18	110
السجدة	70	32	30
حم السجدة	71	41	54
الجماعیہ	72	45	37
النحل	73	16	128
الروم	74	30	60
ہود	75	11	123
ابراہیم	76	14	52
یوسف	77	12	111
المومن	78	40	85
القصاص	79	28	88

75	39	80	الزمر
69	29	81	العنکبوت
34	31	82	لقمان
53	42	83	الشوریٰ
109	10	84	یونس
54	34	85	التباء
45	35	86	الفاطر
206	7	87	الاعراف
35	46	88	الاحقاف
166	6	89	الانعام
43	13	90	الرعد
286 مدنی بعد ہجرت مدینہ	2	91	البقرة
8	98	92	الہیمة
18	64	93	التغابن
11	62	94	الجمعة
75	8	95	الانفال
38	47	96	محمد
200	3	97	ال عمران
14	61	98	القصف
29	57	99	الحديد
177 مدنی بعد ہجرت مدینہ	4	100	النساء
12	65	101	الطلاق
24	59	102	الحشر
73	33	103	الاحزاب
11	63	104	المنافقون

105	24	64	النور
106	58	22	المجادلہ
107	22	78	النجم
108	48	29	الفتح
109	66	12	التحریم
110	60	13	الممتحنہ
111	110	3	النصر
112	49	18	الحجرات
113	9	129	التوبة
114	5	120	المائدة

چند قرآنی اصطلاحات

القرآن:

قرآن ”قرء“ کا ایک مصدر ہے، جس کے معنی ”پڑھنا“ کے ہیں۔ یہ پڑھی جانے والی چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام کو قرآن کے نام نامی سے موسوم فرمایا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ آیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے مختلف پچاس صفاتی نام ہیں۔ مثلاً: البیان، البرہان، الذکر اور التبیان وغیرہ۔ یہ بھی قرآن مجید میں آئے ہیں۔

السورة:

سورة کے لغوی معنی احاطہ باغ اور شہر پناہ کے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے ایک سو چودہ الگ الگ حصوں کے لیے یہ نام تجویز کیا۔ یہ اصطلاح خود قرآن مجید نے مقرر کی ہے، کسی انسان نے یہ نام قرآن مجید کی سورت کے لیے تجویز نہیں کیا۔ یہ نام سورة البقرة کی آیت نمبر تیس میں ذکر کیا گیا ہے۔

الآية

آیت کے لفظی معنی نشان اور ممتاز علامت کے ہیں۔ یہ قرآن مجید کے فقروں کے لیے

استعمال ہوتا ہے اور یہ نام بھی خود قرآن مجید نے اپنے لیے استعمال کیا ہے۔ ”الآیۃ“ کی جمع ”الآیات“ آتی ہے۔ قرآن مجید نے خود اپنے لیے آیت کا لفظ سورت محمد کی آیت نمبر بیس اور سورت عنکبوت کی آیت نمبر انچاس میں استعمال کیا ہے۔

تفصیل:

یہ تینوں اصطلاحات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے لیے استعمال فرمائی ہیں۔ فقروں کے لیے آیت کا لفظ، پورے حصہ خطاب کے لیے سورت کا لفظ اور ساری کتاب کے لیے قرآن مجید کا لفظ خود رب العزت نے مختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے، کسی انسانی ذہن و دماغ کی کوئی کاروائی اس میں شامل نہیں۔

وحی:

نزول وحی کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینے میں ولادت رسول اللہ سے اکتالیس سال بعد بمطابق 610 عیسوی بعد از مغرب ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ سے تین میل دور وادی محصب کی اس پہاڑی کے غار میں یاد الہی میں مشغول تھے جسے اس زمانہ میں جبل الحراء کہتے تھے اور آج کل اسے جبل النور کہتے ہیں۔ آج کل وادی محصب میں بڑے بڑے محلات تعمیر ہو چکے ہیں اور اس کو محصب کی بجائے المعابدۃ کہا جاتا ہے۔

جو پہلی آیات نازل ہوئی تھیں وہ قرآن مجید کی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں، اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا قرآن مجید نازل ہوتا رہا، کبھی کوئی سورۃ پوری بھی نازل ہو جاتی لیکن اکثر یہ ہوا کہ تھوڑا تھوڑا حصہ نازل ہوتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ارشاد الہی اس نازل ہونے والی آیات کو قرآن مجید کی سورتوں میں ترتیب سے لکھواتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری وحی بمقام عرفہ شام کے وقت جمعہ کے دن نو ذوالحجہ دس ہجری بمطابق چھ سو تیس عیسوی نازل ہوئی۔ یہ آخری وحی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر تین ہے۔ اس طرح پوری مدت نزول قرآن بائیس سال اور دو مہینے ہوتی ہے۔

نزول قرآن کے دو دور:

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چون سال کی عمر میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف

ہجرت فرمائی اور وہیں تریسٹھ برس کی عمر مبارک میں انتقال فرمایا اس لیے نزول قرآن کی مدت بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ پہلا مکی دور اور دوسرا مدنی دور۔

مکی دور: رمضان المبارک اکتالیس میلادی (جس وقت حضور کی پیدائش کو اکتالیس سال ہو گئے) سے ربیع الاول چون میلادی تک یعنی بارہ سال اور پانچ مہینے کی مدت میں جو حصہ قرآن یعنی سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی اور سب سے آخر میں سورۃ المطففین نازل ہوئی۔

مدنی دور: ربیع الاول چون میلادی (جس وقت حضور کی عمر مبارک چون برس تھی) سے لے کر نو ذوالحجہ تریسٹھ میلادی تک یعنی نو سال اور نو مہینے کی مدت میں جو آیات اور سورتیں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔

مکی مدنی سورتوں کی تعداد:

اس طرح قرآن مجید کی جملہ ایک سو چودہ سورتوں میں سے 93 سورتیں مکی ہیں اور اکیس مدنی ہیں۔ مدینہ منورہ میں پہلے سورۃ البقرۃ نازل ہوئی اور آخر میں سورۃ النصر نازل ہوئی۔

منازل:

قرآن مجید میں آپ سات منازل کے نشانات حاشیہ پر دیکھتے ہیں۔ یہ تقسیم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہفتہ وار تلاوت کے نشان سے بنائی گئی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہفتہ میں ایک بار قرآن مجید کو ختم کرتے تھے۔ یہ تقسیم اس طرح ہے:

ہفتہ	پہلی منزل	سورۃ فاتحہ تا سورۃ نساء
اتوار	دوسری منزل	سورۃ مائدہ تا سورۃ توبہ
پیر	تیسری منزل	سورۃ یونس تا سورۃ نحل
منگل	چوتھی منزل	سورۃ نبی اسرائیل تا سورۃ فرقان
بدھ	پانچویں منزل	سورۃ شعراء تا سورۃ یسین
جمعرات	چھٹی منزل	سورۃ الصافات تا سورۃ حجرات
جمعہ	ساتویں منزل	سورۃ ق تا سورۃ الناس

پارے:

عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی میں ایک ماہ مکمل کے تیس دنوں میں تلاوت کے لیے پارے کی تقسیم کی گئی، یعنی روزانہ ایک پارے کی تلاوت ہو تو تیس دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت کو مکمل کر لیا جائے۔ اس کو جزء یا پارہ کہتے ہیں۔ یہ قریب قریب تعداد میں آیتوں کی گنتی کر کے بنائے گئے ہیں۔ پھر ہر پارے کو تقریباً برابر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور انہیں حزب (نصف) کا نام ملا۔ اس طرح قرآن مجید کے تیس پارے (یا جزء) اور ساٹھ احزاب (نصف) ہوئے۔ اس کے علاوہ ربع اور ثلاثہ کے الفاظ حاشیے میں ملتے ہیں، جن کا معنی ہے کہ اب پارے کی پوری تقسیم میں سے اتنا حصہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اگر آپ نے ربع تک پڑھا تو مطلب یہ ہے کہ آپ نے پارے کے چار حصوں میں سے ایک حصہ تلاوت کر لیا ہے اور اگر آپ نصف پر پہنچ گئے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے چار حصوں میں سے دو کی تلاوت کر لی ہے اور اگر ثلاثہ پر پہنچتے ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ نے پارے کے چار حصوں میں سے تین کی تلاوت کر لی ہے۔

زمانہ تابعین میں پانچ پانچ آیات کے بعد نشان لگائے گئے اور انہیں خماسی کا نام دیا گیا۔ کسی نے دس دس آیات کے بعد نشان لگائے اور انہیں عشریات کا نام دیا۔ پھر پاک و ہند کے حافظوں نے اپنے نسخوں پر رکوع کے نشان لگائے۔ مقصد یہ تھا کہ رمضان میں تراویح پڑھاتے ہوئے ایک رکعت میں اتنی آیتیں پڑھیں گے۔ اس طرح رمضان کی ستائیس راتوں میں ہر ایک رات میں بیس تراویح ان کے جملہ نشان پانچ سو چالیس رکوع ہوئے۔

حروف مقطعات:

قرآن مجید کی 29 سورتوں کی ابتداء میں مفرد حروف تہجی ہیں جو مقطعات کہلاتے ہیں۔ مثلاً ”الم، حم، الر، کہی، عص“ وغیرہ۔ انہیں مفرد ہی تلاوت کیا جاتا ہے۔ یہ حروف عرب خطابت میں تنبیہ و مخاطب کا مخصوص انداز ہے۔ یہ مفرد حروف اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔

رموز اوقاف:

اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں نہیں ٹھہرتے، کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ

اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے اسی لیے اہل علم حضرات نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دیں ہیں جن کو ”رموز اوقاف قرآن مجید“ کہا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں۔

o: جہاں بات پوری ہو جاتی ہے وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول ”ت“ ہے جو اس صورت ”ة“ لکھی جاتی ہے اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہئے۔ اب ة تو نہیں لکھی جاتی بلکہ چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے اس علامت کو آیت کہتے ہیں۔ م: یہ وقف لازم کی علامت ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہئے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھی چاہئے کہ مثلاً: کسی کو یہ کہنا ہو کہ اٹھو مت بیٹھو۔ جس میں اٹھنے کا حکم اور بیٹھنے کی نفی ہے، اس طرح اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو جملہ ہوگا: ”اٹھو مت بیٹھو۔“ جس میں اٹھنے کی نفی اور بیٹھنے کے حکم کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہے۔

ط: وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہئے مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج: وقف جائز کی علامت، یعنی اس علامت پر ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ذ: وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص: وقف مرخص کی علامت ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے، لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت سے معلوم ہے کہ ص پر ملا کر پڑھنا کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صل: یہ الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق: یہ قیل علیہ الوقف (ضعیف قول ہے کہ یہاں ٹھہرا جا سکتا ہے) کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔

صل: یہ قد یوصل کی علامت ہے، یعنی یہاں کبھی ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی ٹھہرا جاتا، لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف: یہ لفظ وقف ہے جس کے معنی ہیں: ”ٹھہر جاؤ“ اور یہ علامت وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

س (سکت): یہ سکتے کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ: یہ لمبے سکتے کی علامت ہے۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئے لیکن سانس نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ سکتے اور وقفے میں یہ فرق ہے کہ سکتے میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے اور وقفے میں زیادہ۔

لا: لا کے معنی ہیں: ”نہیں۔“ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے اور اگر آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے بعض کے نزدیک ٹھہرنا چاہئے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

ک: کذک کی علامت ہے یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے۔

قرآن مجید کا مختصر تعارفی خاکہ

کل تعداد کلمات	(چھیا سی ہزار چار سو تیس) 86430
کل تعداد حروف	(تین لاکھ تیس ہزار سات سو ساٹھ) 323760
کل پارے	(تیس) 30
کل منزلیں	(سات) 7
کل سورتیں	(ایک سو چودہ) 114
کل رکوع	(پانچ سو چالیس) 540
کل آیات	(چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ) 6666
کل فتحات (زبریں)	(ترپن ہزار دو سو تیس) 53223
کل کسرات (زیریں)	(اُنتالیس ہزار پانچ سو بیاسی) 39582
کل ضمات (پیشیں)	(آٹھ ہزار آٹھ سو چار) 8804
کل مدات (ہ)	(ایک ہزار سات سو اکہتر) 1771
کل تشدیدیں (شدیں)	(ایک ہزار دو سو چوتھر) 1274
کل نقاط (نقطے)	(ایک لاکھ پانچ ہزار چھ سو چوراسی) 105684

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

اقسام آیات:

1000	آیات وعدہ	1000	آیات وعید
1000	آیات نہی	1000	آیات امر
1000	آیات مثال	1000	آیات قصص
250	آیات تحلیل	250	آیات تحریم
100	آیات تسبیح	66	آیات متفرقہ

کل مدت نزول

بائیس سال پانچ ماہ۔

جملہ کتابان وحی

چالیس صحابہ کرام۔

وحی اول.....

”اقراء باسم ربك الذى خلق“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 96 (العلق)، آیت نمبر 1 تا 15)

آخری وحی.....

”واتقوا يوما ترجعون فيه الى الله“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 3، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 281)

یا پھر.....

”اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت

لكم الاسلام ديناً“

(القرآن المجید، پارہ 6، سورۃ نمبر 5 (المائدہ)، آیت نمبر 3)

منازل کی تقسیم:

پہلی منزل.....	سورۃ فاتحہ تا سورۃ نساء
دوسری منزل.....	سورۃ مائدہ تا سورۃ توبہ
تیسری منزل.....	سورۃ یونس تا سورۃ نحل
چوتھی منزل.....	سورۃ نبی اسرائیل تا سورۃ فرقان
پانچویں منزل.....	سورۃ شعراء تا سورۃ یسین
چھٹی منزل.....	سورۃ الصافات تا سورۃ حجرات
ساتویں منزل.....	سورۃ ق تا سورۃ الناس

تعدادِ حروف:

حرف تلفظ	تعداد استعمال
ا (الف)	48874 (اڑتالیس ہزار آٹھ سو چوبیس)
ب (باء)	11428 (گیارہ ہزار چار سو اٹھائیس)
ت (تاء)	1199 (ایک ہزار ایک سو ننانوے)
ث (ثاء)	1276 (ایک ہزار دو سو چھتر)
ج (جیم)	3273 (تین ہزار دو سو تتر)
ح (حاء)	973 (نوسو تتر)
خ (خا)	2416 (دو ہزار چار سو سولہ)
د (دال)	5602 (پانچ ہزار چھ سو دو)
ذ (ذال)	4677 (چار ہزار چھ سو ستتر)
ر (را)	11793 (گیارہ ہزار سات سو ترانوے)
ز (زا)	1590 (ایک ہزار پانچ سو نوے)
س (سین)	5991 (پانچ ہزار نو سو اکانوے)
ش (شین)	2115 (دو ہزار ایک سو پندرہ)
ص (صاد)	2012 (دو ہزار بارہ)
ض (ضاض)	1307 (ایک ہزار تین سو سات)
ط (طاء)	1277 (ایک ہزار دو سو ستتر)
ظ (ظاء)	842 (آٹھ سو بتالیس)
ع (عین)	9220 (نو ہزار دو سو بیس)
غ (غین)	2208 (دو ہزار دو سو آٹھ)
ف (فاء)	8499 (آٹھ ہزار چار سو ننانوے)
ق (قاف)	6813 (چھ ہزار آٹھ سو تیرہ)
ک (کاف)	9500 (نو ہزار پانچ سو)

ل (لام)	(تین ہزار چار سو تیس) 3432
م (میم)	(چھتیس ہزار پانچ سو پینتیس) 36535
ن (نون)	(چالیس ہزار ایک سو نوے) 40190
و (واؤ)	(پچیس ہزار پانچ سو چھتیس) 25536
ہ (ہاء)	(انیس ہزار ستر) 19070
لا (لا)	(تین ہزار سات سو بیس) 3720
ی (یاء)	(پنچالیس ہزار نو سو انیس) 45919

سجدہ تلاوت:

متفق علیہ چودہ مقامات۔
اختلافی ایک مقام۔

قرآن مجید خود اپنی نظر میں

(مختصر تعارفی خاکہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں قرآن مجید کے فضائل و مناقب بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان مناقب کا ایک تعارفی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ سورت نمبر کے ساتھ سورت کا نام اور آیت نمبر بھی لکھی دی گئی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

(سورت نمبر 20، آیت نمبر 4) (سورت نمبر 20، آیت نمبر 8) (سورت نمبر 26، آیت نمبر 192) (سورت نمبر 33، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 42) (سورت نمبر 56، آیت نمبر 80) (سورت نمبر 69، آیت نمبر 43)

قرآن مجید جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 193)

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 6) (سورت نمبر 20، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 47، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 26، آیت نمبر 194) (سورت نمبر 69، آیت نمبر 40) (سورت نمبر 76، آیت نمبر 23)

نزول قرآن کا مہینہ:

(سورت نمبر 2، آیت نمبر 185)

نزول قرآن کی رات برکت والی ہے:

(سورت نمبر 97، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 44، آیت نمبر 3)

قرآن مجید کی زبان عربی ہے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 195) (سورت نمبر 39، آیت نمبر 28) (سورت نمبر 42، آیت نمبر 7) (سورت نمبر 43، آیت نمبر 3) (سورت نمبر 46، آیت نمبر 12)

قرآن مجید عربی میں ہی کیوں:

(سورت نمبر 41، آیت نمبر 44) (سورت نمبر 44، آیت نمبر 58) (سورت نمبر 42، آیت نمبر 77)

قرآن مجید میں کیا ہے:

(سورت نمبر 14، آیت نمبر 52)

قرآن مجید شک و شبہ سے بالاتر ہے:

(سورت نمبر 2، آیت نمبر 2)

قرآن مجید سنتے وقت خاموش رہو:

(سورت نمبر 7، آیت نمبر 204) (سورت نمبر 75، آیت نمبر 16) (سورت نمبر 46، آیت نمبر 29) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 4)

قرآن مجید نہ سننا کفار کا طریقہ ہے:

(سورت نمبر 31، آیت نمبر 7) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 26)

قرآن مجید کا نام:

(سورت نمبر 41، آیت نمبر 44) (سورت نمبر 56، آیت نمبر 77) (سورت نمبر 43، آیت نمبر 3) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 60) (سورت نمبر 42، آیت نمبر 7) (سورت نمبر 59، آیت نمبر 21) (سورت نمبر 27، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 15، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 25، آیت نمبر 32)

صفات قرآن، صفات رسول:

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

(سورت نمبر 16، آیت نمبر 89)

قرآن کو پاک لوگ مس کریں:

(سورت نمبر 56، آیت نمبر 79)

قرآن مجید کا چیلنج:

(سورت نمبر 2، آیت نمبر 23) (سورت نمبر 10، آیت نمبر 38) (سورت نمبر 11، آیت نمبر 13) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 88) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 42) (سورت نمبر 52، آیت نمبر 34)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حدیث بھی فرمایا:

(سورت نمبر 56، آیت نمبر 81)

قرآن مجید یاد کرنے کے لیے آسان ہے:

(سورت نمبر 54، آیت نمبر 17) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 22) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 32) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 40) (سورت نمبر 44، آیت نمبر 58)

قرآن پاک ترتیل سے پڑھنے کا حکم:

(سورت نمبر 20، آیت نمبر 114) (سورت نمبر 73، آیت نمبر 4)

قرآن مجید کی طرف پیٹھ کرنا:

(سورت نمبر 75، آیت نمبر 32)

قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والوں کی سزا:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 91)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا محافظ ہے:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 9) (سورت نمبر 75، آیت نمبر 16) (سورت نمبر 75، آیت نمبر 19)

قرآن مجید کا چرچا پہلی کتابوں میں:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 196)

قرآن مجید اور بزرگوں کی طرف پیٹھ نہیں کرنی چاہئے:

(سورت نمبر 80، آیت نمبر 14) (سورت نمبر 88، آیت نمبر 23)

نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں قرآن ہے:

(سورت نمبر 69، آیت نمبر 40)

قرآن مجید نصیحت ہے:

(سورت نمبر 73، آیت نمبر 19) (سورت نمبر 80، آیت نمبر 12) (سورت

نمبر 80، آیت نمبر 16) (سورت نمبر 38، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 38، آیت

نمبر 87) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 41) (سورت نمبر 45، آیت نمبر 20)

قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو نیچا دکھانے والے کو عذاب دیا جائے گا:

(سورت نمبر 34، آیت نمبر 38)

قرآن مجید ہدایت اور خوشخبری ہے مومنوں کے لیے:

(سورت نمبر 16، آیت نمبر 64) (سورت نمبر 27، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 31، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 31، آیت نمبر 5) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 82) (سورت نمبر 10، آیت نمبر 57) (سورت نمبر 27، آیت نمبر 77) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 44) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 157) (سورت نمبر 39، آیت نمبر 41)

علم القرآن:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 38) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 59) (سورت نمبر 35، آیت نمبر 11) (سورت نمبر 16، آیت نمبر 89) (سورت نمبر 10، آیت نمبر 37) (سورت نمبر 10، آیت نمبر 61) (سورت نمبر 27، آیت نمبر 75) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 53) (سورت نمبر 34، آیت نمبر 3) (سورت نمبر 12، آیت نمبر 111) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 12) (سورت نمبر 22، آیت نمبر 70)

تلاوت قرآن اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے:

(سورت نمبر 35، آیت نمبر 29)

قرآن مجید کو شیطان لے کر نہیں اترتا:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 210)

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا:

(سورت نمبر 4، آیت نمبر 82) (سورت نمبر 3، آیت نمبر 118) (سورت نمبر 2، آیت نمبر 219) (سورت نمبر 2، آیت نمبر 242) (سورت نمبر 2، آیت نمبر 266) (سورت نمبر 7، آیت نمبر 176) (سورت نمبر 10، آیت نمبر 24) (سورت نمبر 16، آیت نمبر 44) (سورت نمبر 23، آیت نمبر 68) (سورت نمبر 24، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 29، آیت نمبر 43) (سورت نمبر 30، آیت نمبر 28) (سورت نمبر 47، آیت نمبر 24) (سورت نمبر 38، آیت نمبر 29) (سورت نمبر 12، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 39، آیت نمبر 28) (سورت نمبر 43، آیت نمبر 29)

(3) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 3) (سورت نمبر 59، آیت نمبر 2) (سورت نمبر 59، آیت نمبر 21)

قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والوں کی سزا:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 91)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم ارشاد فرمائی:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 1)

قرآن مجید پر کافر جھگڑتے ہیں:

(سورت نمبر 40، آیت نمبر 4) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 40)

قرآن مجید بہتوں کے کفر کو ترقی دیتا ہے:

(سورت نمبر 5، آیت نمبر 64) (سورت نمبر 5، آیت نمبر 68)

قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح سے بیان کی گئی ہے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 54) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 89) (سورت

نمبر 30، آیت نمبر 58) (سورت نمبر 17، آیت نمبر 41)

قرآن مجید سے منہ موڑنے والوں سے ہدایت سلب کر لی جاتی ہے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 57) (سورت نمبر 45، آیت نمبر 23)

قرآن مجید متصل اور مسلسل ہے:

(سورت نمبر 28، آیت نمبر 51)

قرآن مجید سے عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 29) (سورت نمبر 41، آیت نمبر 3) (سورت

نمبر 50، آیت نمبر 45) (سورت نمبر 14، آیت نمبر 52)

یہ قرآن نصیحت ہے کیا تم اس کے منکر ہو:

(سورت نمبر 38، آیت نمبر 29) (سورت نمبر 21، آیت نمبر 50) (سورت

نمبر 41، آیت نمبر 41) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 92) (سورت نمبر 6، آیت نمبر 155)

قرآن مجید اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا:

(سورت نمبر 4، آیت نمبر 82)

قرآن مجید اچھی کتاب ہے، اس کی تلاوت ذکر اللہ کی طرف راغب کرتی ہے:

(سورت نمبر 39، آیت نمبر 23)

جنات کا قرآن مجید سننا:

(سورت نمبر 46، آیت نمبر 29)

قرآن مجید کو کفار بھی سنتے تھے، ان کے سننے کی وجہ:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 47)

قرآن مجید کفار کی ہدایت کے لیے اتر:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 114)

جھوٹ کی تائید میں قرآن پیش کرنے والا دوزخی ہے:

(سورت نمبر 22، آیت نمبر 51)

جو قرآن مجید سے اندھا بن جائے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے:

(سورت نمبر 43، آیت نمبر 36)

قرآن مجید لوح محفوظ میں پہلے سے موجود ہے:

(سورت نمبر 43، آیت نمبر 4)

قرآن مجید سیدھی راہ ہے:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 126)

قرآن مجید سے منہ پھیرنے والے کی سزا:

(سورت نمبر 6، آیت نمبر 157)

قرآنی آیات میں حکمت بھی ہے اور تفصیل بھی:

(سورت نمبر 11، آیت نمبر 1) (سورت نمبر 54، آیت نمبر 5)

سورہ فاتحہ اور قرآن مجید کی عظمت:

(سورت نمبر 15، آیت نمبر 87)

قرآن مجید حق کی وضاحت کرنے والی کتاب ہے:

(سورت نمبر 23، آیت نمبر 62)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

قرآن مجید لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 106)

پہلی آسمانی کتابوں کے عالم حضور کی آمد اور قرآن مجید کے نزول کے منتظر اور معترف تھے:

(سورت نمبر 17، آیت نمبر 107) (سورت نمبر 26، آیت نمبر 196)

ظالم قرآن مجید نہیں سمجھتے:

(سورت نمبر 18، آیت نمبر 57)

قرآن مجید میں حضور کے صحابیوں کا ذکر ہے:

(سورت نمبر 21، آیت نمبر 24)

قرآن مجید کے معنی حضور ﷺ کے دل پر نازل ہوئے:

(سورت نمبر 26، آیت نمبر 194)

عابدوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کافی ہے:

(سورت نمبر 21، آیت نمبر 106)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سکھایا:

(سورت نمبر 27، آیت نمبر 6) (سورت نمبر 55، آیت نمبر 2)

قرآن مجید کمپیوٹر اور ریاضی کی روشنی میں

القرآن

تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی پیغمبرانِ دین آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا کو دیا تو لوگوں نے ہمیشہ ان سے اس پیغام کی صداقت کے لیے ثبوت طلب کیا۔ چنانچہ جب ہادی برحق خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان کیا تو لوگوں نے اسی طرح کا مطالبہ شروع کر دیا جیسا کہ پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔ ان کے مطالبات کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

”وقالوا لولا انزل عليه آيت من ربه“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (الحکبوت)، آیت نمبر 50)

”اور ان (کفار) نے کہا کہ کیوں نہ اتاری گئیں اس (محمد) پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے۔؟“

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ آسمان تک سیڑھی لگائیں اور ہمارے سامنے اس پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب لے آئیں تب ہم ایمان لائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

”قل انما الايت عند الله وانما انا نذير مبين“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (الحکبوت)، آیت نمبر 50)

”آپ فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں بیشک میں تو کھلا ڈرسانے والا ہوں۔“

قرآن مجید نے کافروں کے مافوق الفطرت نشانیوں کے مطالبے کے جواب میں فرمایا:

”الم يكفهم اننا انزلنا عليك الكتب يتلى عليهم ان في ذلك

لرحمة وذكرى لقوم يؤمنون“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (الحکبوت)، آیت نمبر 51)

”کیا ان لوگوں کیلئے یہ (نشانی) کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“

کلام الہی

قرآن مجید اپنے کلام الہی ہونے کے متعلق دو دلائل بیان فرماتا ہے:

1: حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پڑھا نہیں تھا، کہیں کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی (اس بات کی تصدیق بیشمار غیر مسلم مورخین و محققین نے بھی کی ہے) اس لیے ایسی عظیم کتاب کی تصنیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید گواہی دیتا ہے:

”وما كنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك

اذا الارتاب المبطلون“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 48)

”اور (اے نبی!) آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ

سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شک میں پڑ سکتے تھے۔“

اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم ہوتے اور پڑھے لکھے ہوتے تو اس شبہ کی کوئی گنجائش ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور نصیرانیوں کی کتابوں اور افلاطون و ارسطو کی تصنیفوں کا مطالعہ کر کے خوبصورت ترین زبان میں قرآن کی تصنیف کی ہے، لیکن قرآن مجید اور تاریخ نے اس شبہ کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

2: قرآن مجید فرقان حمید خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ کافروں

کو چیلنج کرتا ہے کہ تم قرآن مجید جیسی کم از کم ایک سورت ہی لے آؤ۔ اگر ایک سورت بھی نہیں

لا سکتے تھے تو ایک آیت ہی قرآن جیسی لے آؤ! لیکن تم اور ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی قرآن

جیسی ایک آیت نہیں لا سکتے کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور مخلوق خالق جیسا کلام نہیں لا سکتی۔ چنانچہ

ارشادِ باری ہے:

”وان كنتم فى ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله و ادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صدقين ۝ فان لم تفعلوا ولكن تفعلوا فاتقوا النار التى وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 1، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 23-24)

”اور اگر (اے کافرو!) تم اس کتاب میں شک کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو تم بھی اس کی مثل ایک سورت لے آؤ اور بلا لو اپنے دوستوں کو اللہ کے مقابلے میں اگر تم سچے ہو۔ ۝ پس اگر تم نہ کر سکتے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ۝“

مزید فرمایا:

”قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 88)

”اے محبوب! فرما دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو لے آئیں۔ وہ اس جیسا نہ لائیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ ۝“

مزید برآں قرآن مجید کافروں سے کہتا ہے کہ اس کا مطالعہ کرو اور کسی زاویہ نظر سے دیکھو تمہیں ماننا پڑے گا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”افلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا ۝“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 82)

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔ ۝“

کسی انسان کی تصنیف جو تیس سالوں پر پھیلی ہوئی ہو یکساں اور یک رنگ نہیں رہ سکتی بالخصوص جب کہ مصنف زندگی کے بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہو۔ سیاسی، معاشرتی، معاشی اور دفاعی امور رات دن جس کے پیش نظر ہوں، دشمن کی ریشہ روائیاں جس کے خلاف مسلسل جاری ہوں، ایسے شخص کی تصنیف میں یقیناً کہیں نہ کہیں تضاد ہوگا، الجھاؤ، اختلاف اور اونچ نیچ ہوگی اور زبان اور لہجہ کا فرق بھی ضرور ہوگا لیکن قرآن مجید سارے کا سارا یک رنگ و یکساں ہے، کہیں کوئی اختلاف نہیں، تضاد نہیں، کوئی جھول نہیں ہے، زبان کی شریانی اور بلاغت شروع سے آخر تک جاری و ساری ہے، اس طرح قرآن مجید فرقان حمید اپنی صداقت کا آپ نشان ہے، برہان قاطع ہے، ایک زندہ، لازوال اور قطعی معجزہ ہے۔

عصری سائنس کی شہادت

آج دنیا میں تقریباً نوے کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید الہامی کتاب اور ایک ابدی معجزہ ہے۔ مسلمانوں ہی پر کیا منحصر ہے دنیا کے کئی بڑے بڑے غیر مسلم سکالرز بھی اس کے اعجاز کے قائل ہیں۔ پادری باسور تھ سمجھتا ہے:

”بلاشبہ قرآن حکیم انداز بیان فراست اور صداقت کا ایک معجزہ ہے۔“

ایک اور انگریز اے جے ہیری لکھتا ہے:

”قرآن کی تلاوت میں مجھے نغمے کا سرور اور دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔“

لیکن ایک عام تعلیم یافتہ غیر مسلم یا ملحد سائنس دان یہ کہہ سکتا ہے کہ میں عربی زبان سے ناواقف ہوں، اس لیے مجھے قرآن مجید کی زبان کی عظمت اور تعلیم کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جب میں اسے سمجھ ہی نہیں سکتا تو پھر میں یہ کس طرح باور کروں کہ قرآن بذریعہ وحی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔؟

ایسے تعلیم یافتہ سائنسدان سے آپ کائنات کی تخلیق کے بارے میں سوال کریں تو جواب ملے گا کہ اربوں سال پہلے یہ کائنات مادے کی اکائی تھی اور مادے کا ایک ہی بہت بڑا کمرہ (MASS) تھی، پھر اس عظیم الشان ٹکڑے کے اندر ایک دھماکا ہوا تو مادے کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹ کر خلا کی تمام سمتوں میں اڑنے لگے۔ اسی دھماکے کے نتیجے میں ہمارا نظام شمسی اور کہکشاں بھی وجود میں آئے اور تمام سیارے اپنے اپنے مدار پر گھومنے لگے۔

پھر آپ اسی سائنسدان سے پوچھیے کہ آپ کو اس بات کا علم کب ہوا؟ تو وہ جواب دے گا کہ کوئی پچاس سال پہلے ہی اس امر کا انکشاف ہوا ہے۔ اس سے مزید سوال کیجئے کہ کیا ساڑھے چودہ سو سال پہلے ریگستان عرب کے ایک امی کو اس بات کا علم ہو سکتا تھا؟ تو جواب آئے گا کہ ہرگز نہیں! تب آپ اس کو بتائیے کہ عرب کے اسی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو تیس سال پہلے اس بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر سنائی تھی:

”اولم یر الذین کفرو ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقناھما“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

”کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں

کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر انہیں جدا کیا۔“

اور یہ آیت بھی قرآن مجید میں ہے جسے اسی نبی امی نے تلاوت کیا تھا:

”وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلك

یسبحون“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 33)

”اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا سب

ایک ایک فلك میں تیر رہا ہے۔“

قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیات سائنسدانوں اور ماہرین فلکیات کے لیے دعوتِ فکر ہیں۔

کیا وہ نہیں سمجھ سکتے کہ سائنس نے جن واقعات کا انکشاف عہدِ حاضر میں کیا ہے ان واقعات کا

انکشاف آج سے چودہ سو سال سے بھی پہلے صحرائے عرب کے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ

تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے ذریعے کر دیا تھا اور اس نبی امی نے اسی وقت ان آیات کی

تلاوت کر کے ساری دنیا کو اس بات سے آگاہ فرما دیا تھا جس کا انکشاف سائنس نے آج

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کیا ہے۔

پھر کسی ماہر حیاتیات (BIOLOGIST) سے پوچھئے کہ اس دنیا میں زندگی سب سے

پہلے کس جگہ وجود میں آئی۔؟ جواب ملے گا کہ کروڑوں سال پہلے سمندری مادے میں مادہ حیات

بننا شروع ہوا جس سے ایملیبا (AMOEBA) پیدا ہوا اور اسی ایملیبا سے تمام جاندار پیدا ہوئے

یعنی زندگی کا آغاز سمندر یا بالفاظ دیگر پانی سے ہوا۔ استفسار پر ماہر حیاتیات یہ بھی بتائے گا کہ اس حقیقت کا علم عہد حاضر میں ہوا ہے اور اگر آپ اسے سے پوچھیں کہ کیا اس بات کا علم صحرائے عرب میں رہنے والے کسی امی کو آج سے چودہ سو تیس پینتیس سال پہلے ہو سکتا تھا؟ تو وہ یقیناً نفی میں جواب دے گا، پھر اسے کہئے کہ اس بات کا انکشاف تو اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی نبی امی پر کر دیا تھا اور اگر وہ نہ مانے تو پھر اسے قرآن مجید کی یہ آیت سنائیے:

”وجعلنا من الماء كل شيء حي افلا يومنون“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

”اور پانی سے ہم نے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا وہ (ہماری اس خلاق کو) نہیں مانتے۔“

اسی طرح ماہرین نباتات (BOTONIST)، ماہرین حیوانیات (ZOOLOGIST) اور ماہرین طبعیات (PHYSICISTS) سے سوال کیجئے کہ جاندار اشیاء کی تخلیق کا کیا اصول فطرت ہے۔؟ سب یہی جواب دیں گے کہ عصر جدید میں ثابت ہوا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق کی طرح نباتات کی تخلیق بھی ازواج سے یعنی مذکر اور مؤنث سے ہوتی ہے، لیکن اس حقیقت کا انکشاف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں سال پہلے کیا تھا جس کا علم خدا نے وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

”سبحن الذی خلق الأزواج کلہا مما تنبت الارض ومن انفسہم ومما لا یعلمون“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 36 (الین)، آیت نمبر 36)

”پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے، خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (نوع انسانی) میں سے ہوں یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔“

مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح ہو گیا کہ سائنس اور انسانی دماغ کے ہر ہر انکشاف سے قرآن مجید فرقان حمید کے معجزوں کا ثبوت ملتا جلتا ہے۔ یہی وہ نشانیاں ہیں جن کا ذکر اہل نظر کے لیے خدا کی اس ابدی کتاب قرآن مجید میں بار بار آتا ہے:

قرآن مجید میں یہ 97 نمبر سورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غیر معمولی واقعے کے بعد پریشان گھر لوٹے اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ساری بات بتائی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت، اپنی رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی تبلیغ شروع کی جو کفار مکہ کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔ جواب میں کفار مکہ نے پروپگنڈا کیا کہ (نعوذ باللہ) محمد دیوانہ اور مجنون ہے۔ کفار مکہ کے اس پروپگنڈے کے دور میں سورۃ القلم نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں یہ 68 نمبر سورت ہے۔ اس میں اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ آپ مجنون ہیں اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور عالی مرتبے کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری وحی سورۃ المزمل کی چند ابتدائی آیات کی شکل میں آئی۔ یہ تہتر نمبر سورۃ ہے اس وحی کی آخری آیت یہ ہے:

”اناسنلقی علیک قولاً ثقیلاً“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 73 (المزمل)، آیت نمبر 5)

”ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت بدستور جاری رکھی۔ لوگ آہستہ آہستہ اس دعوت کی طرف مائل ہونے لگے اور سمجھنے لگے کہ قرآن مجید کسی مجنون کا کلام نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تورب العالمین کا کلام عالیشان ہے، کیونکہ اتنا فصیح و بلیغ کلام کسی مجنون کا نہیں ہو سکتا۔ جب لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی حقانیت کو ماننے لگے تو اس پر کفار مکہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد جادوگر ہے اور قرآن محمد کا ہی کلام ہے اللہ کا کلام نہیں ہے۔

اس وقت چوتھی وحی آئی جو کہ قرآن مجید میں 74 نمبر سورت ہے یعنی سورہ مدثر کی ابتدائی تیس آیات نازل ہوئی۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت کی ابتدائی تیس آیات دے تیسویں آیت پر رک گئے جو ذیل میں درج ہے:

”علیہا تسعة عشر“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

”اس پر انیس ہیں۔“

جو بیسویں اور پچیسویں آیت میں کفار مکہ کے پروپگنڈے کا ذکر کیا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بیان کرتے ہیں وہ جادو ہے اور یہ کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہی کلام ہے..... اور چھبیسویں آیت میں کفار مکہ کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ پر ایسے الزامات لگانے والوں کو بہت جلد دوزخ میں ڈالا جائے گا..... اٹھائیسویں اور انیسویں آیت میں دوزخ کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ اس میں انسان کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے..... اور اس کے فوراً بعد تیسویں آیت میں فرمایا گیا:

”علیہا تسعة عشر“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

”اس پر انیس ہیں۔“

حضرت جبرئیل علیہ السلام یہاں سورۃ مدثر کی تیسویں آیت پر رک گئے اور اس کے فوراً بعد سورہ اقرء (جس کی پہلی پانچ آیات نازل ہو چکی تھی) کی باقی چودہ آیات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے جاتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔؟ قرآن مجید کی اس آیت ”اس پر انیس ہیں۔“ کا مطلب کیا ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے۔؟

مفسرین نے اس آیت کے مختلف معانی لیے ہیں۔ کسی نے کہا کہ دوزخ کے ذکر کے بعد یہ آیت آئی ہے اس لیے اس کا مطلب وہ انیس فرشتے ہیں جو دوزخ پر مامور ہیں کسی نے کہا کہ یہ اسلام کے انیس اساسی اصول ہیں لیکن ہر ایک نے لکھا کہ حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الہی نے اس عقدے کا حل بیسیوں صدی کے کمپیوٹر کے عہد کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پہلی وحی سورۃ اقرء کی پانچ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھوائیں۔ چوتھی وحی میں سورہ مدثر کی تیس آیات دیں اور پھر رک گئے اور پھر اسکے بعد سورہ اقرء (جس کی پہلی پانچ آیات پہلی وحی میں نازل ہو چکی تھی) کی باقی چودہ آیات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ اس طرح سورۃ اقرء کی انیس آیات مکمل ہو گئیں یعنی سورہ مدثر میں علیہا تسعة عشر ”اس پر انیس ہیں۔“ کہنے کے فوراً بعد انیس آیات کی سورہ اقرء مکمل ہو گئی۔

انیس کا ہندسہ

ارشاد ربانی ہے:

”علیہا تسعة عشر“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 74 (مدثر)، آیت نمبر 30)

”اس پر انیس ہیں۔“

اس انیس کے ہندسے کی ذرا تفصیل میں جائیں تو حیرت انگیز باتیں سامنے آتی ہیں اور انسانی ذہن تحیرات کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے اور ضمیر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ کتاب..... یہ قرآن..... کسی انسان کا کلام نہیں ہے! بلکہ یہ تو اللہ رحمن و رحیم کا ہی کلام مبارک ہے۔
کچھ تفصیلات ملاحظہ کیجئے۔

سورۃ اقرء اور انیس کا ہندسہ:

- 1: سورۃ اقرء کی پہلی پانچ آیات میں انیس الفاظ ہیں اور ان انیس الفاظ میں چھ ہتر حروف ہیں جو انیس پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں۔
- 2: قرآن مجید کی آخری سورت یعنی ایک سو چودہ نمبر سورت سے الٹا گنا شروع کیا جائے یعنی 113، 112، 111 وغیرہ تو ٹھیک 19 نمبر پر سورۃ اقرء (96 نمبر سورت) آتی ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

سورۃ قرآنیہ:

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ یہ ہندسہ بھی پورا پورا انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

آغاز کلام:

- 1: یہ بات کس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ قرآن مجید کا آغاز ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتا ہے جس میں انیس حروف ہیں۔

2: تسمیہ میں چار الفاظ ہیں:

اسم اللہ الرحمن الرحیم

اس آیت کا ہر لفظ جتنی دفعہ قرآن حکیم میں آیا ہے وہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایسا ہونا محض

اتفاقی بات نہیں ہے۔

3: آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ النمل میں دو مرتبہ آئی ہے، ایک مرتبہ آغاز میں اور دوسری مرتبہ متن میں..... اس لیے سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ہے۔ ورنہ اس کی تعداد ایک سو پندرہ ہو جاتی اور ایک سو پندرہ کا ہندسہ انیس پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ (قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تعداد ایک سو پندرہ ہے اور سوائے سورۃ توبہ کے باقی تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آئی ہے)

حروف مقطعات:

قرآن مجید کی انتیس سورتوں کی ابتدا حروف تہجی کے مفرد اعداد یعنی حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ عربی زبان کے اٹھائیس حروف میں سے چودہ حروف تہجی مختلف جوڑ میں ان سورتوں کے آغاز میں واقع ہوئے ہیں۔ یہ حروف تہجی ذیل میں درج ہیں:

1: الف	2: ح	3: ر	4: ہ	5: ص
6: ط	7: ع	8: ق	9: ک	10: ل
11: م	12: ن	13: ہ	14: ی	

اور ان چودہ حروف میں سے جو چودہ سیٹ حروف مقطعات کے بنتے ہیں وہ یہ ہیں:

ح، ق اور ن ہیں..... یہ تین سیٹ ہوئے۔

دو حرف والے:

ط، ظ، یس، طس اور لحم ہیں..... یہ چار سیٹ ہوئے۔

تین حروف والے:

الم، الراء، طسم، اور عسق ہیں..... یہ چار سیٹ ہوئے۔

چار حروف والے:

المرا اور المص ہیں..... یہ دو سیٹ ہوئے۔

پانچ حروف والے:

کھالمص ہیں..... یہ صرف ایک سیٹ ہے۔

مذکورہ خاکے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات جو انیس سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں، یہ چودہ حروف ہیں اور ان کے مجموعہ سیٹ بھی چودہ ہی ہیں۔ اب 14 حروف + 14 سیٹ + 29 سورتیں = 57۔

یہ حاصل جمع 57 بھی انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

حرف قاف:

حروف مقطعات میں ”ق“ کو لیجئے۔ یہ حرف ق دو سورتوں کے شروع میں آیا ہے، یعنی سورۃ ق میں اور سورۃ شوریٰ میں ”حلم عسق“ کی صورت میں۔ ان میں سے ہر سورت میں حرف ق ستاون (57) مرتبہ آیا ہے جو انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

خود سورۃ ق میں بھی حرف ق 57 مرتبہ آیا ہے اور ”حلم عسق“ والی سورت میں بھی حرف ق 57 دفعہ ہی آیا ہے، حالانکہ آخر الذکر سورت بہت طویل ہے۔

دونوں سورتوں میں حرف ق کا مجموعہ ایک 114 ہوتا ہے اور قرآن مجید کی جملہ سورتوں کی تعداد بھی ایک سو چودہ (114) ہی ہے۔

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور حرف ق جو لفظ قرآن کا پہلا حرف ہے اور اس کی نمائندگی کرتا ہے وہ بھی ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے۔

اس طرح یہ کہنا جائز ہو گیا کہ قرآن کی اُلُو ہی تفکیک حسابی نظام کے تحت 114 سورتوں پر ہوئی ہے۔

قرآن مجید میں زمانہ قدیم کی قوموں کو لفظ قوم ہی سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قوم نوح قوم ثمود قوم عاد قوم لوط وغیرہ مگر سورہ ق کی تیرہویں آیت میں قرآن فرماتا ہے:

”وَعَادُ وَفِرْعَوْنَٰٓ اِخْوَانُ لَّوْطُ“

(القرآن المجید، پارہ، سورۃ نمبر (ق)، آیت نمبر 13)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر قرآن میں لفظ قوم ہی سے عموماً کیا گیا ہے لیکن صرف اس آیت میں لفظ قوم کی بجائے لفظ اخوان خصوصاً کیوں استعمال کیا گیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہاں لفظ قوم استعمال ہوتا تو ایک ق بڑھ جاتا اور اس سورت میں حرف ق کی تعداد ستاون کی بجائے اٹھاون ہو جاتی جو انیس پر پوری تقسیم نہ ہو سکتی اور اس

طرح قرآن کا حسابی نظام درہم برہم ہو جاتا۔

حرف نون اور سورۃ القلم:

سورۃ القلم کے شروع میں حرف ن آیا ہے۔ اس پوری سورت میں حرف ن کی تعداد ایک سو تینتیس ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

حرف صاد:

حرف صاد قرآن مجید کی ان تین سورتوں کے شروع میں آیا ہے:

1: سورۃ الاعراف میں المصّٰی کی شکل میں۔

2: سورہ مریم میں کھیلے مصّٰی کی صورت میں۔

3: سورہ ص میں حرف ص کے طور پر۔

ان تینوں سورتوں میں حرف صاد کی تعداد سو باون ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

سورۃ الاعراف کی انہریں آیت میں ایک لفظ ”بَصَّطَہ“ آیا ہے۔ عربی میں یہ لفظ اس کے ساتھ لکھا جاتا ہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ حکم بھی ہوا کہ اس لفظ کو ص کے ساتھ لکھا جائے اس کی کیا وجہ تھی؟

وجہ یہ تھی کہ اگر اس لفظ کو ص کے ساتھ لکھا جاتا تو اس سورت میں ایک ص کم ہو جاتا اور ص والی متذکرہ بالا سورتوں میں حرف ص کی کل تعداد 152 کی بجائے 153 ہو جاتی جو انیس پر پوری پوری تقسیم نہ ہوتی اور قرآن حکیم کا حسابی نظام غلط ہو جاتا۔!

حروف مقطعات والی سورتیں:

جن سورتوں کی ابتداء ایک حرف سے زیادہ حروف والے حروف مقطعات سے ہوتی ہے ان سورتوں میں ہر حرف علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ حروف جن جن سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان سورتوں میں ان حروف کی اپنی اپنی تعداد کو یکجا کیا جائے تب بھی مجموعی تعداد انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثلاً:

1: سورۃ طہ میں دو حروف ”ط“ اور ”ہ“ ہیں۔ اس سورت میں حرف ”ط“ اٹھائیس دفعہ اور ”ہ“ تین سو چودہ مرتبہ آیا ہے اور دونوں کا مجموعہ تین سو بیالیس ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

2: سورۃ یسین میں حرف ”ی“ کی تعداد دو سو ستتیس، حرف ”س“ کی تعداد اڑتالیس ہے اور دونوں کا مجموعہ دو سو پچاسی ہے جو انیس پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

مجموعی حروف مقطعات:

قرآن مجید کی انتیس سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں اور یہ حروف جتنی بھی دفعہ ان سورتوں میں آئے ہیں ان کا مجموعہ انیس پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

1: حروف الم مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں اور ان حروف کی تعداد جو ان سورتوں میں آئی ہے ساتھ ہی درج ہے۔

سورت	حروف	تعداد
البقرۃ	الم	9991
ال عمران	الم	5714
التکویٰت	الم	1685
الروم	الم	1259
لقمان	الم	823
السجدۃ	الم	580
الرعد	الم	1364
الاعراف	الم	5260

جملہ تعداد: 26676

یہ مجموعی تعداد 26676 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

2: حروف ”الر“ مندرجہ ذیل سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ ان سورتوں میں ان حروف کی تعداد کا مجموعہ ذیل میں دیا جاتا ہے اور سورۃ الرعد میں حرف ”ر“ کے سابق میں حذف

شدہ ٹوٹل کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

سورة	حروف	تعداد
یونس	الز	2522
ہود	الز	2514
یوسف	الز	2405
ابراہیم	الز	1206
الحجر	الز	925
الرعد	الز (صرف "ز" کی تعداد)	135
جملہ تعداد: 9709		

یہ مجموعی تعداد 9709 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

3: مندرجہ ذیل سورتوں میں حروف حم آغاز میں آتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی ساتھ ہی لکھی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

سورة	حروف	تعداد
المومن	حم	453
حم السجدة	حم	334
الزخرف	حم	362
الدخان	حم	161
الجماعیہ	حم	231
الاحقاف	حم	264
الشوریٰ	حم عسق (میں سے صرف "حم" کی تعداد)	361

جملہ تعداد: 2166

یہ مجموعی تعداد 2166 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

4: سورة الشوریٰ میں پانچ حروف حتم عسق ہیں۔ ان پانچوں حروف ح، م، ع، س

اور ق کی اس سورت میں جملہ تعداد 570 ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

سورة	حروف	تعداد
------	------	-------

2522	الز	یونس
2514	الز	ہود
2405	الز	یوسف
1206	الز	ابراہیم
925	الز	الحجر
135	الز (صرف "ز" کی تعداد)	الرعد

جملہ تعداد: 9709

یہ مجموعی تعداد 9709 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

5: درج ذیل سورتوں میں حروف "ط" اور "س" آتے ہیں۔ ان کی جملہ تعداد پر

غور فرمائیے:

سورۃ	حروف	تعداد
النمل	طس	120
الشعراء	طسم ("م" کو حذف کر کے)	126
القصص	طسم ("م" کو حذف کر کے)	119
طہ	طہ ("ہ" کو حذف کر کے)	28
یس	یس ("ی" کو حذف کر کے)	48
الشوریٰ	حم عسق (صرف "س" کی تعداد)	53

جملہ تعداد: 494

یہ مجموعی تعداد 494 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

6: سورۃ "ص" میں حرف "ص" 28 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف کا آغاز

"المص" سے ہوتا ہے اور اس سورت میں حرف ص اٹھانوے مرتبہ آیا ہے۔ سورہ مریم کا آغاز

"کہا یلعص" سے ہوتا ہے، اس سورۃ میں حرف "ص" 26 مرتبہ آیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

سورۃ	حرف	تعداد
ص	ص	28
اعراف	ص	98

26

ص

مریم

جملہ تعداد: 152

یہ مجموعی تعداد 152 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

7: سورہ مریم کا آغاز تیس سے ہوتا ہے۔ اس سورت میں ان تمام حروف کی تعداد یہ ہے۔

حرف	تعداد
ک	137
ھ	168
ی	345
ع	122
ص	26

جملہ تعداد: 798

یہ مجموعی تعداد 798 بھی انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

8: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ قرآن مجید کی 29 سورتوں میں حروف مقطعات آتے

ہیں۔ حیرت کی انتہا ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں ہر ایک حرف کو علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے تو ہر حرف کی جملہ تعداد انیس پر تقسیم ہو جاتی ہے۔

مثلاً ان حروف مقطعات والی سورتوں میں الف کی تعداد سترہ ہزار چار سو ننانوے ہے جو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ل" کی تعداد گیارہ ہزار سات سو اسی ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "م" کی تعداد آٹھ ہزار چھ سو تیرا سی ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ر" کی تعداد ایک ہزار دو سو پینتیس ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف "ص" کی تعداد ایک سو باون ہے جو کہ انیس

پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ”ح“ کی تعداد تین سو چار ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ”ق“ کی تعداد ایک سو گیارہ ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

ان حروف مقطعات والی سورتوں میں حرف ”ن“ کی تعداد ایک سو تینتیس ہے جو کہ انیس پر پوری پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔

انیس کا ہندسہ ایک اور نو سے مرکب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر و باطن سے منسوب ہے۔ ایک کا عدد اللہ تعالیٰ کی وحدت کا آئینہ دار ہے اور نو کا عدد اس کی مخفی صفات کا علمبردار ہے۔ چنانچہ انیس کا عدد جو ایک اور نو کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر و باطن کو واضح کرتا ہے۔ حسابی نقطہ نظر سے ایک سے پہلے کوئی ہندسہ نہیں ہے اور نو کے بعد بھی کوئی مفرد ہندسہ نہیں ہے یعنی انیس کا ہندسہ ابتداء و انتہاء کو حاوی ہے اور غالباً اسی لیے قرآن کے حسابی نظام کی اساس اسی ہند سے پر رکھی گئی ہے۔

نتیجہ گفتگو

اس تمام تفصیل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل و دانش کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُلُو ہی بصیرت کو قرآن کے ایک ایک لفظ پر کنٹرول ہے۔ فی الحقیقت یہ ساری حسابی ترتیب حیرت انگیز ہے اور بلاشبہ سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی محیر العقول کتاب تصنیف نہیں کر سکتے!

اس دور میں قرآن مجید کو پوری طرح کمپیوٹرائز کیا گیا ہے۔ چنانچہ کمپیوٹر سے سوال کیا گیا کہ اگر انسان قرآن جیسی کتاب کی تصنیف کرنا چاہے تو کتنی مرتبہ کوشش کرنے سے یہ بات ممکن ہو سکتی ہے۔؟

کمپوٹر نے جواب دیا کہ.....

"6260000000000000000000000000000000000000"

مرتبہ کوشش کرنی پڑے گی۔!

بالفاظ دیگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان یا دنیا کے سارے انسان اور جن مل کر بھی ایسی کتاب تصنیف کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن

لایاتون بمثلہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 88)

”اے محبوب! فرما دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن کی مثل

لے آئیں تو لے آئیں وہ اس جیسانہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے

مددگار ہوں۔“

حفاظت.....قرآن اور دیگر مذہبی کتب کا تقابل

ویدیں:

کتابت اور حفاظت کے ضمن میں قرآن مجید کو دیگر مذہبی کتب میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر مذہبی کتب زمانے کی خرد برد کے ہاتھوں نہ بچ سکیں اور ناپید ہو گئیں۔ مثلاً: ہندوؤں کے مقدس کتب ویدوں کا زمانہ آج تک متعین نہیں ہو سکا۔ خود ہندو قوم اس کو عدم صحت کی بجائے ایجاد بندہ خیال کرتے ہیں۔

بدھ مت کی کتب:

بدھ مت کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے۔ گوتم بدھ نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ صرف ان کی زبانی تعلیمات تھیں جو سینہ بہ سینہ چلتی رہیں اور سینکڑوں سال کے بعد جا کر مدون ہوئیں۔

تورات:

یہودیوں کی کتاب مقدس تورات کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کتاب کے بارے میں بے شمار تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ یہ کتاب طویل طویل عرصوں کے لئے بالکل نیست و نابود ہو گئی تھی۔ مثال کے طور پر بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ تورات کا صرف ایک نسخہ تھا جو ہیکل میں تھا وہ بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بخت نصر پوری یہودی قوم کو بابل پکڑ کر لے گیا جہاں انہیں اپنی مذہبی رسموں کے بجالانے کی

بالکل اجازت نہ تھی۔

ایران کے بادشاہ سائرس نے جب بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی دی تو پھر انہوں نے نہ جانے کہاں سے تورات کا ایک نسخہ ڈھونڈ لیا۔ اس کے بعد بھی کم از کم تین مرتبہ تورات کا نسخہ دنیا سے بالکل تباہ کر دیا گیا اور یہودیوں نے دوبارہ پیدا کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں نہ جانے کتنی تہدیلیاں ہو گئیں۔ تحریفات کا ایک معمولی اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جھنجھیر و تکلفین کے واقعات تک درج ہیں۔

اگر یہ وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو پھر اس میں یہ واقعات کہاں سے آگئے؟ معلوم ہوا کہ یہ کتاب سراسر مبدل و متغیر ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

انجیل:

یہی معاملہ انجیل کا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کی سوانح عمری مرتب کرنے کی کوشش کی اور انہی کوششوں کا نتیجہ بابل کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس زمانے میں اس قسم کی انجیل کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک روایت کی رو سے اس طرح کی 34 انجیل کا پتہ چلتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک بڑی تعداد حواریوں کے خطوط کی ہے۔ ۳۲۵ء میں نیقہ کی کونسل کے سامنے یہ سارا لٹریچر رکھا گیا۔ کافی جنگ و جدال کے بعد ان ساری انجیلوں کو اوپر تلے رکھ دیا گیا اور صبح آ کر دیکھا گیا تو چار انجیل اور کچھ خطوط کو چھوڑ کر باقی سب نیچے پڑی ہوئی تھیں۔ ان ہی چار انجیل انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل مرقس اور انجیل یوحنا کو صحیح قرار دیا گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ خطوط بھی بچے تھے انہیں بھی درست قرار دیا گیا، لیکن اس نیقہ کی انجیل کا آج بھی پتہ نہیں۔ آج کل قدیم ترین انجیل چوتھی پانچویں صدی کی ملتی ہے اور وہ بھی یونانی زبان میں، جب کہ حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کی زبان آرامی تھی۔

حفاظت قرآن مجید..... معجزہ قرآن مجید:

ان سب کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اپنی اصل زبان (عربی) میں آج تک اسی صورت سے محفوظ ہے جیسے وہ اتر ا تھا۔ قرآن دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زمانے میں مرتب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کے مختلف نسخے کرا کر مختلف جگہوں پر بھیجے۔ چنانچہ اس کے قدیم ترین اور جدید ترین نسخوں میں ایک شوشے کا فرق بھی نہیں ملتا۔ اسلام کے کٹر

مخالف بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے پاک اور منزہ ہے۔

جمع و تدوین کے اعتبار سے معجزہ:

جمع کے معنی ہیں:

”قرآن کو حفظ کرنا اور سینہ میں محفوظ کرنا۔“

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”انا علینا جمعه وقرانه“

”بیشک اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترنی شروع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یاد کرنے کی غرض سے جلدی جلدی پڑھتے تو یہ آیت حضور پر اتری:

”ہم اسے آپ کے دل میں جمع کر دیں گے اور اسے آپ کی زبان سے پڑھائیں گے۔“

اس طرح دوسری آیت میں ایسی ہی تاکید کہ آپ زبان تیز نہ کریں، ہم اس کو حفظ کرائیں گے۔ ارشاد ہے:

”لا تحرك به لسانك لتعجل به“

دوسری جگہ ہے آپ جلدی نہ کریں۔ ارشاد ہے:

”ولا تجعل بالقرآن انما نعدھم عدا“

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ امی تھے مگر آپ فصیح ترین کلام دنیا کو سنارہے تھے۔ اسی وجہ سے حفاظ قرآن کو جماع قرآن بھی کہتے ہیں۔

حفاظت کے اعتبار سے معجزہ:

قرآن مجید اتنا جامع اور مختصر کلام الہی ہے کہ اسے سینوں میں محفوظ رکھنا آسان ہے۔ یہ بھی اس کا اعجاز ہے کہ بے شمار علوم کا مخزن ایک مختصر سے مجموعہ میں سمویا ہوا ہے۔ یاد کرنے میں آسان ہے اور سمجھنے میں مشکل نہیں۔ ان دونوں باتوں کی طرف قرآن کا ارشاد ہے:

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ“

(سورۃ القمر، آیت نمبر 17)

قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی کوئی ایسی مذہبی کتاب نہیں جسے حفظ کیا جاتا ہو۔ عیسائیوں نے

جب قرآن مجید کو ضائع کرنے کا منصوبہ بنایا تو انہوں نے اس کے لئے خطیر رقم شروع کی مگر انہیں بتایا گیا کہ پہلے تو یہ بہت مشکل ہے، اگر معاذ اللہ یہ تم کر بھی لو تو قرآن مجید ان لاکھوں حفاظ کے دلوں سے کیسے نکالو گے جو ان کو محفوظ رکھے ہیں؟ اس پر انہوں نے منصوبہ ہی ترک کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

”انانحن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظون“

”ہم ہی اس قرآن کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

ایک دور وہ بھی آیا کہ قرآنی آیات کے حوالہ سے باتیں ہوتیں تھیں۔ سوال کرنے والا قرآنی آیت پڑھتا جو اس کے سوال کو ظاہر کرتی اور جواب دینے والا بھی ایسی قرآنی آیت پڑھتا جس سے اس کا جواب واضح ہوتا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہونے آئے تو انہوں نے حفظ قرآن کی شرط بیان کی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں اکٹھ قرآن ختم کر لیتے تھے۔ دن اور رات میں دو اور پورے ماہ میں اس کے برعکس۔ ہمیں کسی مقدس کتاب کے متعلق ایسا لگاؤ تا حال دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

تواتر کے اعتبار سے معجزہ:

جب سے قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا ہے، اس دن سے آج تک کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ قرآن مجید اس میں نہ پڑھا گیا ہو۔ لاکھوں مسلمان روزانہ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ شان صرف قرآن مجید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

”فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“

”پس پڑھو (نماز میں) جو قرآن کا حصہ آسانی سے پڑھ سکو۔“

(سورۃ المزمل، آیت نمبر 20)

یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ چنانچہ انسائیکلو

پیڈیا آف برٹینیکا میں ہے:

"The Holy Quran is the most

read book in the World"

قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور اس کے برعکس انجیل سب سے زیادہ چھاپی جاتی ہے۔ قرآن مجید دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جو زمانہ کے ساتھ متواتر ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی۔

قرآن مجید کا بے مثل ہونا:

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل

هذا القرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا“

(بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۱۸۸)

”کہہ دیجئے کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا

لائیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن

جائیں۔“

سورۃ بقرہ میں منکرین کو صرف ایک سورت کی مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ ارشاد

باری ہے:

”وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله

وادعوا شهداء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین“ فان لم

تفعلوا ولن تفعلوا“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۳)

”اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو تم اس کی

مانند کوئی سورت بنا لاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے اس کی

مثل پیش نہ کی اور یاد رکھو کبھی نہ کر سکو گے۔“

یہ دونوں آیات قرآن کا بے مثل ہونا ثابت کرتی ہیں۔

دلائل اعجاز

قرآن مجید کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، صرف چند ایک اعجازی پہلوؤں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علمی لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید علوم کا خزانہ ہے جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہئے۔ قرآنی علوم کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

1: جن میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم، تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبدء و معاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم شامل ہے۔

2: جن میں عمرانیات، علم سیاسیات، علم اقتصاد، علم قانون، علم تمدن، علم ہندسہ اور علم مناظرہ شامل ہیں۔

3: جن میں علم کیمیا، علم طبیعیات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم الجبال، علم الحیوان، علم ہیئت اور علم طبابت شامل ہیں۔

4: جس میں صرف ونحو اور معانی و بیان کے علم شامل ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”لَا رَطْبَ وَلَا يَابِسَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَّبِينٍ“

”کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جو اس روشن کتاب میں نہ ہو۔“

اس آیت میں ”رطب“ سے مراد روحانی علوم اور ”یابس“ سے مراد بقیہ تمام علوم ہیں۔ دوسری

جگہ ارشاد ہے:

”مَافَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ“

”ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔“

(سورۃ الانعام، آیت نمبر: ۳۸)

قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں، جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے

لئے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

برکات روحانیہ کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانے میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر بااخلاق اور باخدا انسان بنادیا۔ موسیو سیڈیو فرامیسی لکھتا ہے:

”اسلام کو جو گوگ و حشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کاپلاٹ گئی۔“

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب ”لیکچرز آن ہیروز“ میں لکھتے ہیں:

”اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔“

فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے بلکہ مخالفین کو بھی ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے۔ جن کی زبان آوری مسلمہ تھی، سب فصحاء و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگ پڑے۔ لبید معلقہ کا شاعر تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا:

”جب خدا نے مجھے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران سکھائی ہے تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔“

”Popular Encyclopedia“ میں لکھا ہے:

”قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی انتہائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔“

قرآن مجید اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیا کے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔ چنانچہ سر جارج لکھتا ہے:

”انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔“

قوت تاثیر کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرَ“

(سورۃ نمبر ۵۴، آیت نمبر ۴ اور ۵)

”اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعے) وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے۔ یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔“

اس وقت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور کہتے تھے:

”جب کوئی مسلمان قرآن پڑھے کر سنائے تو شور کرو۔“

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمِعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ“

(حم السجدہ: آیت نمبر ۲۶)

”کفار نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھنے کے وقت شور و غل کیا کرو، شاید تم غالب آ جاؤ۔“

جان و یک جرم فلا سفر کہتا ہے:

”جب قرآن پیغمبر کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔“

عدم اختلاف کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید تیس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے، کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لاسکتا ہے کہ اس قسم کے حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے اور جو وہ کلام پیش کرے اس میں اختلاف نہ ہو؟ قرآن مجید منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کر کے کہتا

ہے:

”افلا يتدبرون القرآن لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه
اختلافا كثيرا“

(سورة النساء: آیت نمبر ۸۲)

”پھر کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس
میں ضرور اختلاف پاتے۔“

غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرپڑا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی
ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علیم و خیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں
اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور بعض وہ خبریں
ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

1: قرآن مجید نے بائبل میں تحریف و تغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت
سے نا آشنا تھی۔ آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد
ہے:

”افتطمعون ان يؤمنوا لكم وقد كان فريق منهم يسمعون كلام
الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون“
”پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ
ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ
وہ جانتے ہیں۔“

(سورة البقرة، آیت نمبر: ۷۵)

رومن تاریخ کلیسا، مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے:
”بہت سے مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے
اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے، ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی
سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل

”شرم حرکت تھی۔“

2: قرآن مجید نے فرعون کی لاش کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فاليوم ننجيک بيدنک لتکون لمن خلفک اية وان کثیر امن الناس عن ايتنا للغافلون“

”ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان رہے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔“

(سورۃ یونس، آیت نمبر: ۹۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جو فرعون تھا اس کا نام رعمیس ثانی تھا۔ انسائیکلو پیڈیا آف بریٹینیکا میں مضمون ”مسی“ کے تحت لکھا ہے کہ رعمیس ثانی کی لاش آج بھی محفوظ ہے۔

قوت دلائل کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن مجید کا نام ”بینۃ“ ہے جس کے معنی ہی واضح اور کھلی دلیل ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”فقد جاء کم بینۃ من ربکم“

(سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۵)

قرآن کا قاری آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا پیغام:

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا پیغام دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کان الناس امة واحدة فاختلفوا“

”سب لوگ ایک ہی امت تھے پس انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔“

(سورۃ الیونس، آیت نمبر: ۵۲)

اکمل ہونے کا دعویٰ:

سماوی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت

لکم الاسلام دینا“

”آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہو ہوں۔“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۳)

تکریم انسانیت:

جو بلند مقام قرآن مجید نے انسان کو دیا ہے کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

”ولقد کرّمنا بنی آدم“

”اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔“

اس کے برعکس ہندو اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دینے کو تیار نہیں، یہود غیر یہود کو بے دین کافر کہتے ہیں اور انجیل غیر بنی اسرائیلیوں کو کتا اور سور کا نام دیتی ہے۔ یہ قرآن مجید کا احسان ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو انسانیت میں داخل کر کے قابل تکریم قرار دیا ہے۔

قرآن پہلی کتب کا مصدق ہے:

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”و امنوا بما انزلت مصدقا لما معکم“

”ایمان لاؤ جو میں نے اتارا ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔“

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر: ۶۱)

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

”مصدقالما بین یدیه من الکتاب“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۴۸)

قرآن مجید پہلی شرائع کو منسوخ کرتا ہے:

قرآن مجید میں ہے:

”مانسخ من اية او نسهانات بخیر منها او مثلها“

”جو پیغام ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۰۶)

اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں۔ اس وجہ سے آیت سے مراد شرائع سابقہ ہیں۔ آیت کا لفظ رسالت اور پیغام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عالمگیر ہونے کا دعویٰ:

متعدد مقامات پر قرآن مجید لوگوں کو ”یا ایہا الناس“ سے مخاطب کرتا ہے۔ قرآن مجید کسی خاص قوم یا نسل کو مخاطب نہیں کرتا۔ دوسرے مذہب کے برعکس کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی رہنمائی کے لئے آئی تھیں، جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئیں تھیں وہ عالمگیر دعویٰ کا متقاضی نہیں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا۔ ارشاد باری ہے:

”ان هو الا ذکر للعالمین“

”یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔“

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر: ۱۰۳)

قرآن میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے:

قرآن مجید اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں راہ اعتدال پر چلنے کی دعا سکھائی ہے:

”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم“
 ”اے اللہ! ہمیں سیداراستہ چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعام ہوئے۔“
 (سورۃ الفاتحہ، آیت نمبر ۶ اور ۷)

اس وجہ سے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:
 ”و کذلک جعلنکم امة وسطا“
 ”اور اس طرح ہم نے امت وسط بنایا ہے۔“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۴۳)
 امت وسط سے مراد ایسی جماعت ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے ارفع
 سے ارفع مقام پر پہنچتی ہو۔

پہلی کتب کا شارح:

پہلی کتب سماوی میں جو اجمال اور ابہام رہ گیا تھا قرآن مجید اس کی تفصیل بیان کرتا ہے۔
 ارشاد باری ہے:

”وما کان هذا القرآن ان یفتري من دون الله ولكن تصدیق
 الذی بین یدیه وتفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العالمین“
 ”اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے، اللہ کے سوا اوروں کا افتراء ہو، اس کی تصدیق ہے جو اس
 سے پہلے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ تمام جہانوں کے رب
 کی طرف سے ہے۔“

(سورۃ الیونس، آیت نمبر: ۳۷)

اس آیت میں قرآن مجید کی دو شاخیں بیان ہوتی ہیں:
 1: تصدیق بین یدیه۔
 2: تفصیل کتاب۔

عقائد باطلہ کی تردید:

ارشاد باری ہے:

”ما انزلنا علیک الکتب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیہ وهدی
 ورحمة لقوم یؤمنون“

”ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ تاکہ جو عقائد باطلہ عقول ناقصہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں ان سب کا رد کیا جائے۔ یہ قرآن ایمان داروں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔“

(سورۃ النحل، آیت نمبر: ۶۴)

لہذا قرآن مجید نے عقائد باطلہ، اقسام شرک، تثلیث، شویت، کفارہ اور تناسخ کا مدلل رد کیا

ہے۔

کفارہ کا عقیدہ اور اس کا رد: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ رحم بلا بدل نہیں کر سکتا، اس لئے بیٹا (عیسیٰ) انسانوں کے گناہوں کے معاوضے کے طور پر صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو بھی کفارہ پر ایمان لے آئے گا وہ نجات کا مستحق ہوگا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

”لا تزروا ذرۃ اخری ثم الی ربکم مرجعکم“

”کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

(سورۃ الزمر، آیت نمبر: ۷)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی دوسرے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، تمام انسان خود اپنے گناہوں کے ذمہ دار ہوں گے۔

عقیدہ تثلیث کا رد: یہ بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کی رد میں قرآن

مجید میں آتا ہے:

”فامنوا باللہ ورسولہ ولا تقولوا ثلثۃ انتہو خیر الکم انما اللہ الہ واحد“

”پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو خدا تین ہیں۔ اس سے رک جاؤ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۱۷)

عقیدہ ابنیت کا رد: یہ یہود اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ یہود نے حضرت

عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا“
 ”خدا کے رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ بیٹا بنائے۔“

(سورۃ مریم، آیت نمبر: ۹۲)

عقیدہ ثنویت کا رد: یہ عقیدہ زرتشت مذہب کا ہے۔ وہ دو خدا ہرمن اور یزدان کا قائل تھا۔ اس کے رد میں ارشاد باری ہے:

”قال اللہ لا تتخذوا الہین اثنین انما ہوا الہ واحد“
 ”اور اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ۔ وہ صرف ایک ہی معبود ہے۔“

(سورۃ النحل: آیت نمبر: ۵۱)

عقیدہ تناسخ: یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے خدا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے ایک انسان کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے مختلف جنموں میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ قرآن مجید نے ”ملک یو الدین“ میں اس عقیدہ کا رد کر دیا ہے۔ پھر قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”غافر الذنب وقابل التوب“
 ”اللہ گناہ بخشے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

(سورۃ نمر: آیت نمبر: ۳)

روح و مادہ کی ابدیت کا عقیدہ: یہ عقیدہ ہندو مذہب کا ہے، اس کی رو سے خدا کی صفات میں شرک لازم آتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

”الا نعبدوالا اللہ ولا نشرك به شیاء ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ“

”یہ کہ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۶۴)

☆☆☆

سنتِ رسول ﷺ وفقہ کی اہمیت

ماخذ دوم..... اجمالِ قرآن کی تشریح

بعد از قرآن:

قرآن کے بعد سنت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے اور قرآن کے بعد اس کا درجہ آتا ہے، کیونکہ سنت اپنی اصل حیثیت سے قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیح و تفسیر ہے۔

مستقل قانون:

قرآن مجید سے مرتبہ میں مؤخر ہونے کے باوجود حدیث مبارکہ ایک جہت سے بجائے خود ایک مستقل مصدر قانون ہے، کیونکہ سنت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے مگر اس لحاظ سے مستقل قانون سازی کا منبع ہونے کے باوجود سنت قرآن کے تابع ٹھہرتی ہے، کیونکہ وہ قرآن کا بیان و تفسیر ہونے کے علاوہ قرآن کے مبادی اور اس کے قواعد عامہ سے متجاوز نہیں ہوتی۔

حجیت حدیث و سنت

واجب التسلیم:

سنت کی حیثیت دین میں مستند اور حجت ہے اور ہر ثابت شدہ سنت اور ہر وہ ارشاد یا عمل جس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہو اور وہ قرآنی معیار اور اصول روایت و درایت کی رو سے ظن غالب بھی صحیح ٹھہرے تو وہ جمہور امت مسلمہ کے عقیدے میں واجب التسلیم ہے۔

خدا، اس کے رسول پر ایمان اور اسکے تقاضے:

یہ بات ایسی نہیں جس کے لئے کسی قسم کی باریک بینی اور علم و بصیرت کی ضرورت ہو، بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا کو خدا مان لینے کے بعد اس کی فرماں برداری ضروری ہو جاتی ہے، کیونکہ عقل تک اس بات کو جائز اور ممکن نہیں سمجھتی کہ رسول مان لینے کے بعد رسول کے ہر قول اور ہر عمل کو رضائے الہی کی یقینی اور واحد کلید باور کرنا ضروری ہے۔ رسول پر ایمان بھی اپنے اندر رسول کی اطاعت و اتباع کا مطالبہ رکھتا ہے۔ خواہ رسول کا جسمانی وجود بھی ہو یا اس کا صرف ارشاد یا طریق

عمل سامنے ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں تاکید اور تکرار سے ہدایت کی گئی ہے۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

قرآن مجید میں جا بجا اطاعت رسول کی تاکید کی گئی ہے۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم حب الہی کا ذریعہ ہے۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعت الہی ہے۔ نیز دین و دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ لہذا اطاعت رسول و اتباع رسول کے لئے حدیث و سنت ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله“
 ”اے نبی! کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو! اللہ تم سے محبت کرے گا۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۳۱)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

”يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول لعلكم ترحمون“

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی تاکہ تم رحمت الہی کے حقدار ٹھہرو۔“

www.only1or3.com

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۳۳) www.onlvoneorthree.com

اور جگہ فرمایا:

”ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما“

”اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔“

(سورۃ الاحزاب)

اسی طرح سورۃ محمد میں ارشاد ربانی ہے:

”يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم“

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔“

(سورۃ محمد، آیت نمبر: ۳۳)

ایک اور جگہ تو اس تفریق کو یکبارگی اٹھا دیا اور فرمایا:

”وَمَنْ يَطْعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ“

”اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۱۶۴)

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر صرف اللہ ہی کی اطاعت کافی تھی یا محض قرآن ہی ہمارے لئے کافی تھا تو یہ ”اطیعوا الرسول“ کا اتنی بار حکم کیوں دیا گیا؟ اس تاکید کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے مطابق فرماتے تھے۔ چنانچہ حکم باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“

”وہ میری مرضی کے سوا بولتے بھی نہیں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

”مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“

”رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ۔“

(سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۷)

الغرض فہم قرآن، علم دین اور اطاعت رسول کے لئے حدیث کا علم نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر نہ تو دین اسلام کا فہم ہو سکتا ہے اور نہ اس پر عمل۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی:

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک ان پر قائم رہو گے گمراہ نہ

ہو گے، کتاب اللہ اور اپنی سنت۔“

کتابت و حفاظت حدیث

میثاق مدینہ کی تحریر:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور زندگی میں ہی کتابت حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہے۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی میثاق مدینہ کتابت حدیث کا پہلا ثبوت ہے۔

جس میں قریش مکہ، مدینہ کے مسلمانوں اور انصار یہود کے حقوق کا تعین ہے۔

تحریری مردم شماری:

اسی طرح ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم شماری کرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں:

”مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔“

تمیم داری کو پروانہ:

سرکاری دستاویزوں، معاہدوں اور پروانوں وغیرہ کا آغاز تو ہجرت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کو فلسطین کا شہر حیرون بذریعہ پروانہ جاگیر میں دیا تھا۔

پروانہ بنام سراقہ بن مالک:

اسی طرح سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک کو پروانہ امن عطا فرمایا تھا۔

دیگر قبائل سے معاہد:

اس سے قطع نظر ایک ہجری میں قبیلہ بھہیہ سے حلیی کا معاہدہ اور بنی صفرہ سے معاہدہ کا مخطوطہ اب تک ملتا ہے۔ یہ معاہدوں کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہا۔ ۵ ہجری میں خندق کے زمانے میں بنی فزارہ اور غطفان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک توثیق طلب یا مسودہ معاہدہ کیا تھا جسے بعد میں محو کر دیا گیا۔ ۶ ہجری میں آل اکیدر و متہ الجندل سے اطاعت کا معاہدہ کیا۔

تحریری خطوط:

قیصر، کسریٰ، مقوقس اور نجاشی وغیرہ حکمرانوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔

گورنروں کے نام خطوط:

انتظامی ضرورتوں سے اکثر مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے اطراف و اکناف میں اپنے ہر جگہ کے گورنروں اور قاضیوں کو وقتاً فوقتاً جو ہدایات و فرامین تحریری صورت میں روانہ کئے، آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ خطوط پر ثبت کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مہر تیار کرانا بھی معروف واقعہ ہے۔

سیاسی و غیر سیاسی تحریروں میں احادیث:

غرض ایسی سیاسی و غیر سیاسی دستاویزوں وغیرہ میں تحریری حدیثوں کو اکٹھا کرنے کی کوششوں کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع کی تحریر:

عہد نبوی میں ان مندرجہ بالا سرکاری طور پر لکھی ہوئی احادیث کے علاوہ نجی طور پر اور اتفاق حیثیت سے مرتب شدہ احادیث کے نسخوں کی بھی یہ بکثرت شہادتیں ملتی ہیں۔ مثلاً: فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم خطبہ دیا تھا، ایک یمنی شخص ابوشاہ کی درخواست پر انہیں لکھوا کر دے دیا۔

صحیفہ صادقہ:

اس طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھا کرتے تھے اور ان کی تحریر کردہ احادیث کا مجموعہ ”صادقہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کا بھی احادیث لکھنا مستند روایات سے ثابت ہے۔

جمع و تدوین حدیث کا ارتقاء:

غرض حدیث کی کتابت، اس کی حفاظت اور جمع و تدوین کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں شروع ہو چکا تھا جسے صحابہ کرام نے وسعت دی اور تابعین نے اضافے کئے لیکن

صحابہ کے مرتبین نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔

صحیح ترین انسانی ذخیرہ علم:

آج خدا کی کتاب کے بعد انسانی ذخیرہ علم میں جو چیز سب سے زیادہ معتبر اور صحیح ترین شکل میں محفوظ ہے وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

فقہ واجتہاد

مجتہد صحابہ:

اسلامی قوانین کی تدوین کا کام بہت پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کچھ ایسے تھے جن کو اجتہاد میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ جن میں حضرت عمر، حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فقہاء اور معتزلہ و اشاعرہ کا فلسفہ:

معتزلہ اور اشاعرہ کی باہمی رسہ کشی کے دوران فقہاء نے اپنا کام نہ صرف جاری رکھا بلکہ اپنی سرگرمیوں کو فلسفہ کے رد عمل کے طور پر اور تیز کر دیا۔ وہ فلسفہ کو یکسر نظر انداز کر کے اسلامی قوانین کے وضع میں مشغول ہو گئے۔

فقہاء کے دو حصے:

فقہاء بھی دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ حجاز کے لوگ اہل حدیث کہلائے اور عراق والے اہل الرائے کے نام سے موسوم ہوئے۔ اول الذکر نے اپنی زندگی کو اقوال و افعال رسول کے سانچے میں ڈھال لیا۔ پھر مدینہ کا ماحول بھی ان کے لئے سازگار تھا۔ جہاں جدید ثقافت کی حکمرانی نہ تھی۔ اس لئے انہیں نئے نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی واضح ہدایت نہیں تھی۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے انہوں نے رائے یا قیاس پر تکیہ کیا۔ جس کی بنیاد قرآن و احادیث پر رکھی گئی۔

اہل الرائے اور اہل حجاز:

اہل الرائے کے سربراہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حجازیوں کی سربراہی امام مالک بن

انس رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد تھی۔

امام شافعی اور ابن حنبل:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما نے بھی جداگانہ فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی۔

چار فقہی مذاہب:

یہی چار فقہی مذاہب یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی آج بھی دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں رائج ہیں۔

فقہاء کی محنت:

ان آئمہ اور ان کے شاگردوں نے اسلامی فقہ کی تدوین کی اور انہوں نے ایسے مسائل جو پیش آچکے ہیں یا جن کے پیش آنے کے دور کے بھی امکانات تھے، سب کے حل پیش کرنے کی کوشش کی۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

اجتہاد اور تقلید جامد:

فقہ اسلامی کی تدوین سے جہاں مسلمانوں کے علمی ذخیرے میں گراں بہا اضافہ ہوا، وہاں اس کی وجہ سے مسلمانوں کو زبردست خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ وہ یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہو گیا۔ تقلید کے اسباب میں اہم ترین سبب علماء متاخرین میں مجتہدانہ صلاحیتوں کا فقدان ہے، جس کے نتیجے کے طور پر وہ کسی ایک امام کی تقلید کرنے پر مجبور ہو گئے اور روز بروز علمی صلاحیتوں کی کمی تقلید کی ترقی کا باعث بنی۔ مناظروں کی گرم بازاری ہو گئی۔ فروعی مسائل پر مناظروں کی محفلیں برپا ہوئیں، جن کا مقصد افہام و تفہیم کے بجائے اپنے دلائل سے حریف کو زیر کرنا ہوتا اور انجام جنگ و جدل اور سر پھوڑ کے سوا کچھ نہ تھا جس سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ یہ کہنا غلط نہ

ہوگا کہ مسلمانوں کے زوال کا اہم ترین سبب اجتہاد کا خاتمہ ہے۔ **نوٹ:** یہ مصنف (غیر عالم دین) کی ذاتی رائے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ آج بھی کھلا ہے مگر اس کے لئے جملہ علوم میں مہارت نامہ درکار ☆☆☆☆ ہے وہ علماء امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اٹھتے جیسے وجہ سے علماء اجتہاد کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔ جیسے علماء دین مفسرین، محدثین اور مقبولہ کے فوت ہو جانے سے یہ علوم ختم ہو گئے۔ حدیث کے مطابق پہلی تین صدیاں مسلمانوں کے لئے بہترین تھیں اس لئے بعد از ان مسلمانوں پر زوال آنا تھا جو مسلمانوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے آکر رہا، تقلید کو الزام دینا غلط ہے۔ نیز تحقیقی اختلافات پر مسلمانوں میں سبب بھی سرچھوڑ نہیں ہو سکتا۔

تعلیمات اسلام

پانچ بنیادی تعلیمات:

اسلام نے درج ذیل پانچ اہم ترین تعلیمات پیش کیں:

- 1: ایمانی تعلیمات۔
- 2: اخلاقی تعلیمات۔
- 3: سیاسی تعلیمات۔
- 4: معاشی تعلیمات۔
- 5: معاشرتی تعلیمات۔

اسلام کی اہم ترین ایمانی تعلیمات

ایمانیات

عقل اور الہامی صلاحیت:

قرآن مجید اگرچہ عقل سے کام لینے کی بار بار تلقین کرتا ہے اور اپنے دعوؤں پر عقلی استدلال بھی کرتا ہے، کیونکہ انسانوں کے پاس تلاش حقیقت کے لئے فانوس عقل کے سوا اور کوئی روشنی نہیں ہے۔ الہامی صلاحیت جو عقل کی کمی کو پورا کرتی ہے، اسے وہ عقل ہی کے ذریعے ہی پہچان سکتا ہے، مگر وہ اپنے ماننے والوں کو جس حالت تک پہنچانا چاہتا ہے وہ محض ایک فلسفیانہ شعور نہیں ہے، جس میں ظن و تخمین اور تامل و تذبذب اور بار بار کا ادل بدل کا رفرما رہتا ہے۔ وہ اندھی جذباتیت اور ادھام پرستی سے بھی انسان کو بچانا چاہتا ہے۔ اس کا مطلوب ”حالت ایمان“ ہے۔ محض تعقل، غیر عملی تفلسف، ادھام پرستی اور یکسر جذباتیت انسانی زندگی کو ہرگز نہیں سنوار سکتی۔

انسانی زندگی ایمان کی محتاج:

انسانی زندگی ہر حال میں حالت ایمان کی محتاج ہے۔ ایمان وہ اعلیٰ کیفیت ہے جو عقلیت، یقین محکم، اعلیٰ تر جذبات اور بھرپور اذوق عمل کے ایک نقطے پر مجتمع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔

ایمان وہ قوت ہے جو انسان کی شخصیت کے تمام شعبوں کو ایک مقصد کے لئے متحرک کر دیتی ہے۔ ایمان سے بہرہ مند آدمی راستی، عدل، محبت اور احسان کی قدروں سے سرشار ہو کر اپنے مسلمی حقائق و مقاصد کے لئے شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ پھر اپنے فرائض بے لوث ایثار کے ساتھ ادا کرتا ہے اور خواہشات اور مفاد کی قربانی دیتا ہے، مخالفتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ہنسی خوشی سے دکھ جھیلتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری متاع زندگی کو قربان کر دیا جائے۔

قرآن مجید جن حقیقتوں کی طرف بلاتا ہے اور ان پر مبنی جس نظام زندگی کی دعوت دیتا ہے ان کے لئے اس قسم کے زندہ و فعال ایمان کا مطالبہ کرتا ہے۔

اجزائے ایمان:

ایمان کے درج ذیل اجزاء ہیں:

- 1: توحید پر ایمان۔
- 2: رسالت پر ایمان۔
- 3: الہامی کتب پر ایمان۔
- 4: فرشتوں پر ایمان۔
- 5: تقدیر پر ایمان۔
- 6: آخرت پر ایمان۔

عقیدہ توحید پر ایمان اور اس کے تقاضے

کائنات اور اس کا نظام:

اسلام کی تعلیم کا اولین محور ہے کہ اس کائنات کا نظم، اس کے ضابطے، اس کا سلسلہ، علت و معلول، اس کے اجزا کا توافق، اس کا حسن و جمال اور اس کے اندر ہونے والے ہر واقعہ کا کسی نہ کسی نتیجے پر منتہی ہونا ایسی کھلی شہادتیں ہیں کہ یہ کھربوں سالہائے نور کی وسعتیں رکھنے والی مادی دنیا ایک خالق کے خلق کرنے سے پیدا ہوئی ہے اور ایک منتظم کے حسن تدبیر سے چل رہی ہے۔

اللہ کی رعیت:

پھر قرآن مجید بتاتا ہے کہ تم بھی خدا کی اس سلطنت کائنات کے اندر خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہو، اس لیے تم خدا کے رزق پر پلنے والی رعیت میں اس کی عطا کردہ قوتوں سے زندگی کے تقاضے پورے کرنے پر قادر ہوئے ہو، لہذا تمہارے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ تم اس کی عبادت و اطاعت میں زندگی گزارو۔

حقیقی معبود تو بس ایک ہی ہے:

قرآن مجید بتاتا ہے کہ ایسی منظم و حسین کائنات کئی مختلف خداؤں کی موجودگی میں ایک لحظہ کے لئے نہیں چل سکتی، ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو اس کے ہر گوشے میں تصادم رونما ہو جاتا۔ پس تمہارا خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت بھی کرو تو اسی ایک خدا کی اور مدد بھی مانگو تو اسی ایک خدا سے۔ وہی ا خدا تمہارا خالق ہے، رازق ہے، مالک ہے، حاکم ہے، جزا اور سزا دینے والا ہے۔ پس اسی ایک کو اپنا رب اور اپنا الہ مانو۔ اس کے ساتھ کسی دوسری قوت کی الہیت کا پیوند نہ لگاؤ۔ یہ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے حقوق میں کسی دوسرے کی شرکت کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ بطور امر واقعہ کے ایسی کوئی شراکت موجود ہے۔

وحدت انسانیت کا واحد تصور:

خدا کی توحید کا یہ تصور ہی وہ واحد نقطہ ہے جس پر دنیا کی تمام قومیں، تمام نسلیں، اپنی بولیوں اور رنگوں کے اختلافات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وحدت انسانیت کا واحد راستہ ہے۔ یہ خدائے واحد جو انسانوں سے محبت کرتا ہے اور محبت کرنے کی وجہ ہی سے ان کے سامنے ہدایت کی راہیں اسلامی تعلیم کے ذریعے واضح کرتا ہے، ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی مصیبتوں میں سہارا بنتا ہے، اس پر ایمان لانا ایسی قوت کا سرچشمہ ہے کہ جس کے بل پر انسان زندگی کی کشاکش کے پر صعوبت مراحل کو جرات و ہمت سے طے کرتا چلا جاتا ہے۔

توحید فی الذات:

اللہ تعالیٰ پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور عبادات میں وحدۃ لا شریک سمجھا جائے۔ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد، ماں ہے نہ باپ اور نہ تو وہ کسی کی ذات کا حصہ ہے نہ کوئی اس کی ذات کا جزء۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوتا ہے:

”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
كُفُوًا أَحَدٌ ۝“

(القرآن المجید، پارہ 30، سورۃ نمبر 112 (الاخلاص))

”تم فرما دو وہ اللہ ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اسکی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے

پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔“

اس کے برعکس کسی کو اللہ کا بیٹا، بیٹی، بیوی وغیرہ ماننا یا مخلوق میں سے کسی کو اللہ کی ذات کا حصہ اور جزء اعتقاد کرنا وغیرہ ”شُرک فی الذات“ ہے۔

توحید فی الصفات:

اللہ تعالیٰ کو صفات میں واحد تسلیم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات میں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں یکتا، بے مثل ومثال اور لا شریک مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ”رَزَّاقُ“ (ہمیشہ رزق دینے والا) اور ”سَمِیعُ“ (ہمیشہ سننے والا) ہے۔ یہ حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں کسی دوسرے میں ان کا پایا جانا محال ہے۔

مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں یہ فرق ہے کہ ہم مخلوق اللہ تعالیٰ کی عطا سے سنتے ہیں نہ کہ حقیقی طور پر، لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی صفات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ ازلی وابدی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دنوں، مہینوں، سالوں اور صدیوں سے نہیں بلکہ ازل سے سننے والا ہے اور ہمیشہ سنتا رہے گا، لیکن ہم نہ تو ہمیشہ سے سنتے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ سنتے رہیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں بے مثل ومثال اور یکتا ہے۔ کوئی بھی اس کی صفات میں شریک نہیں۔ اس کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا ”شُرک فی الصفات“ کہلاتا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی صفات کا مالک ہے۔ وہ تمام صفاتِ رذیلہ یعنی بری صفات سے پاک ہے۔ مثلاً: جھوٹ بولنا بری صفت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

توحید فی العبادۃ:

وحدتِ عبادت سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سمجھا جائے، ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص تسلیم کیا جائے اور کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سجدہ، رکوع، صدقہ، قربانی، خیرات، طواف، اعتکاف اور دعا صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت ہیں۔ اگر کوئی غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، صدقہ دیتا ہے، قربانی کرتا ہے، طواف کرتا ہے، اعتکاف کرتا ہے تو یہ عبادت میں اللہ

کے غیر کو اللہ کا شریک بناتا ہے۔ اسے ”شرک فی العبادت“ کہا جاتا ہے۔

رسالت پر ایمان اور اس کے تقاضے

نظام رسالت:

انسان الہامی ہدایت کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح سورج کی روشنی، ہوا، پانی اور روشنی کا محتاج ہے۔ اس کے رب والہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام بھی اسی طرح کر دیا ہے جس طرح اس کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام فرمایا۔ اسی انتظام کا عنوان نظام رسالت ہے۔

ہر قوم میں ہادی:

خدائے واحد نے اولین انسان کو اپنی ہدایت سے نوازا اور پھر جوں جوں نسل انسانی پھیلتی گئی، ہر دور میں ہر قوم کے لئے وقت کے بہترین کردار کے انسانوں کو منتخب فرما کر انہیں فریضہ رسالت تفویض کیا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عملاً تبلیغ:

خدا کے مبعوث کردہ انبیاء و رسل علیہم السلام نہ صرف اس کی ہدایت اور صحیفے انسانوں کو پہنچاتے رہے بلکہ ان کے مطابق نمونے کی زندگیاں بسر کر کے دکھاتے رہے کہ خدا کو بندوں سے کیسی زندگی مطلوب ہے اور اسے کیا چیز پسند ہے۔

صحیفے اور مشہور چار کتب:

انبیاء کے ذریعے جو ”ہدایت نامے“ انسان تک پہنچے ہیں ان میں صحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے علاوہ چار بڑی کتابیں معروف ہیں۔ ان کتب کے نام یہ ہیں:

1: تورات۔ 2: زبور۔ 3: انجیل۔ 4: قرآن مجید۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور قرآن مجید آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔

تحریف اور صحیح و مکمل ترین تعلیمات:

اول الذکر تینوں کتب کی حفاظت ان کے علمبردار نہ کر سکے، بلکہ الٹا ان میں تحریف کی گئی۔

آخر کار قرآن مجید کے ذریعے ان کی تعلیمات کو صحیح ترین اور مکمل ترین شکل میں انسانیت کے سامنے رکھ دیا گیا، جسے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور صرف لائے ہی نہیں بلکہ اپنی ذات سے لے کر ایک مکمل نظام حیات کے دائرے تک میں اس کے ایک ایک شوشے کو جلوہ گر کر کے دکھا دیا کہ ہدایت یافتہ انسان اور ہدایت یافتہ معاشرے کی ساخت کیا ہونی چاہئے۔

جمع انبیاء پر ایمان:

نبیوں اور رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور چنے ہوئے بندے ہیں۔ وہ تمام مخلوق سے معزز و مکرم اور ساری مخلوقوں سے اعلیٰ و اشرف ہیں۔

ان سب انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام رسائی کا حق ادا کیا ہے۔ اس پیغام رسائی میں کوئی کمی کی نہ کوئی زیادتی۔ ہو وہی کسی کی تبلیغ کی اور وہی کچھ سکھایا اور بتایا جو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء و رسل کو ارسال فرمایا۔ انہوں نے جو دعوت اپنی اپنی قوم کو دی وہ حق تھی، پہلے انبیاء و رسل سارے کے سارے سچے تھے۔ ان کی تبلیغ اور دعوت حق تھی۔ کوئی بھی انسان چاہے جتنا بھی عبادت گزار ہو کسی بھی نبی و رسول سے بڑھ نہیں سکتا بلکہ ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ ان سب کا ادب و احترام کرنا فرض اور عین دین حق ہے۔ ان کے ذکر خیر کے وقت ”علیہ الصلوٰۃ والسلام“ کہنا ضروری ہے۔ سارے انبیاء و رسل ”محضوم عن الخطاء“ ہیں، یعنی ان سے کوئی بھی غلط کام صادر نہیں ہوتا۔ یہ صرف نیک کام کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ یہ سب دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ ان انبیاء و رسل کی کل تعداد کے متعلق حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ حدیث میں ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) ہے۔ جن میں سے تین سو تیرہ (اور ایک روایت کے مطابق تین سو پندرہ) رسول ہیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 5، باب مسند ابی ذر، عربی صفحہ نمبر 265)

انبیاء کرام علیہم السلام کے مراتب:

انبیاء و رسل میں بھی مراتب ہیں کہ نبی سے افضل رسول، رسول سے افضل اولوالعزم رسول، اولوالعزم رسول سے افضل کلیم کلیم سے افضل خلیل اور خلیل سے افضل حبیب (علیہم الصلوٰۃ والسلام) ہیں۔

سرور کائنات ﷺ پر ایمان اور اس کے تقاضے:

سرور کون و مکاں، احمد مجتبیٰ، ہادی کل جہاں، دانائے سب، خاتم الرسل، آمنہ کے لال، پیکر حسن و جمال، منبع شرف و کمال، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، سید الاولین والاخرین، خیر الوری، شمس الضحیٰ، بدر الدجی، والی بطحاء، صاحب المعراج والاسراء، خاتم الرسل والانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کو دل و جان سے مانا اور تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کو نبی و رسول بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم تمام انبیاء و رسل کے سردار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کی بعثت سعید سے لے کر قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کا ہی دور نبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ کوئی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی تبلیغ کرنے سے دریغ نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کی شان تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی ایمان سے خارج کر دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم سے خطا کبھی بھی سرزد نہیں ہوئی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم تو ”معصوم عن الخطاء“ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم سید البشر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھنا یا کہنا جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کو عطا فرما دیئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب بھی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 40)

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں

اور سب نبیوں میں پچھلے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام کائنات سے زیادہ آپ

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم سے محبت کی جائے اور اس محبت اور پیار کو دل کی دھڑکن بنایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“

(اصح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، جلد نمبر 1، عربی صفحہ نمبر 7)

”اس وقت تک تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے

نزدیک اس کی اولاد، والدین اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت کے بلوغ کے موقع پر اور بین الاقوامی دور کے سرے پر ہوئی ہے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ تحریف کے تمام خطرات سے محفوظ کر دی گئی ہے۔ پس یہ کتاب آخری کتاب ہے اور اس کے لانے والے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فرشتوں پر ایمان

فرمانبردار مخلوق:

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار مخلوق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

فرشتے اور ان کی ڈیوٹیاں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مختلف کاموں پر ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت جبرائیل علیہ السلام انبیاء و رسل تک وحی پہنچانے پر مامور تھے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے، بادل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے (وغیرہ) پر مامور ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام روح کو قبض کرنے پر مامور ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صور پھونکنے پر مامور ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ فرشتے جن کو کراما کاتبین کہا جاتا ہے۔ وہ ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، وہ انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے منکر نکیر کے نام سے جانے جاتے ہیں اور یہ قبر میں سوال و جواب کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ تمام فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم

کی بجا آوری کے لیے تیار رہتے ہیں۔

کتابوں اور صحیفوں پر ایمان

مشہور کتب اور کلام الہی پر ایمان:

کتابوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی کتب یا صحائف انبیاء و رسل پر نازل فرمائے وہ حق ہیں، ان کے احکام صحیح تھے۔ ان میں کوئی بھی جھوٹی بات نہ تھی۔ اب جو کتب و صحائف موجود ہیں قرآن مجید کے سوا ان میں تغیر و تبدیلی کی جا چکی ہے، لیکن اس تغیر و تبدیلی کے باوجود آج بھی جزوی طور پر ان میں جو کلام الہی موجود ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مشہور کتب یہ ہیں:

1: توراۃ 2: انجیل 3: زبور 4: قرآن مجید

نبی اور ان کی کتب:

توراۃ: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

انجیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

زبور: حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

قرآن مجید: خاتم الانبیاء و الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

قرآن مجید پر ایمان اور اس کے تقاضے:

قرآن کریم پر ایمان یہ ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن مجید تمام کتب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کے تمام احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم پر نازل فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم نے حرف بحرف اسی طرح امت مسلمہ تک پہنچایا۔ اس میں کوئی تبدیلی و تغیر نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم خاتم المرسلین ہیں، اسی طرح قرآن بھی ”خَاتَمُ الْکُتُبِ“ ہے۔ قرآن مجید ایک کامل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ قرآن مجید کے نزول سے دین مکمل ہو چکا۔ اسی لیے اب کسی نبی و رسول یا کتاب کی ضرورت باقی نہیں۔ قرآن

مجید پر ایمان اور عمل ہی جنت کی ضمانت ہے۔

قضاء و تقدیر پر ایمان

نازک اور اہم ترین مسئلہ:

تقدیر کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ تقدیر پر ایمان ہونے سے یہ مراد ہے کہ مخلوق کے ہر فرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے ازلی وابدی علم سے لکھا ہے اسے حق و سچ مانا جائے۔

تقدیر لکھی جا چکی ہے:

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی وابدی سے لکھا ہے وہ حق ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ہمارے لیے لکھے ہیں وہی ہم سے صادر ہوتے ہیں۔

اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مجبور محض ہیں کہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہم اسی کو کر سکتے

ہیں اس کے خلاف نہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر ہمیں سزا و جزا کیوں؟

جواب: یہ مت سمجھیے کہ انسان مجبور محض ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو بھی اختیار عطا فرمایا

ہے۔ بات کو سمجھنے کے لیے یہ جملہ یاد رکھئے کہ.....

”جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے ہم وہ نہیں کرتے بلکہ جو ہم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے

اپنے ازلی وابدی علم سے پہلے ہی وہ لکھ دیا ہے۔“

یہ ایسا اہم اور نازک مسئلہ ہے کہ اس پر بحث کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

آخرت پر ایمان اور اسکے تقاضے

آخرت پر ایمان:

آخرت پر ایمان لانا یہ ہے کہ انسان اس بات کا اعتقاد رکھے کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت

کے بعد قبر کی پر خا وادی سے گزرنا ہے۔ قبر کے بعد حشر کے روز دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور اللہ

کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں ایمان کے بعد نیک کام کرنے والوں کو ان کے اعمال صالحہ کی

جزا (جنت) دی جائے گی اور ایمان لانے کے بعد برے کام کرنے والوں کو سزا دیکر بالاخر جنت

عطا کی جائے گی۔ لیکن بے ایمانوں، کافروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ نہ تو انہیں نکالا جائے گا، نہ انہیں موت آئے گی اور نہ ہی جہنم سے آزادی ملے گی۔ سارے مسلمان بالآخر جنت میں جمع ہو جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور سارے کافر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

مذہب کی عقلی جانچ..... اور تصور آخرت:

کسی عقیدہ کی صحت کی ایک عقلی جانچ یہ بھی ہے کہ اس سے زندگی بہتر شکل اختیار کرتی ہے یا اس میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔؟ اس معیار کو سامنے رکھ کر سوچیں تو انسانی زندگی کا محض اس کرۂ ارضی کے جسمانی دور تک محدود ہونا ایسے نتائج تک پہنچاتا ہے جو فساد اور بگاڑ کے سوا کوئی نتیجہ نہیں دے سکتے۔ اگر زندگی بس یہیں تک ہے اور محض جسمانی ہے تو پھر انسان کے لئے اس سے بڑا کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا کہ وہ اس مختصر دور میں اپنی ساری قوتیں زیادہ سے زیادہ فوائد اور لذات حاصل کرنے میں کھپا دے۔ کہیں وہ شرافت کا بہروپ بھرے، کہیں غنڈہ گردی سے کام لے اور کہیں ظلم و جبر کی قوتیں استعمال کرے۔ عقلاً اس کا موقف صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ جسم و دماغ، دولت و کاروبار، تقریر و تحریر، قیادت و تنظیم، ادب و شعر اور سائنس کی جو بھی قوتیں رکھتا ہو ان کو زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ وہ میکاؤلی کا پرنس بن کر سحر آفرین نفسیاتی حربوں سے کام لے کر انسانوں کا شکار کرے اور افراد سے آگے نکل کر یہ تصور تقاضا کرتا ہے کہ ہر طبقہ دوسرے طبقے کے خلاف اور ہر قوم دوسری قوم کے خلاف اور ہر عالمی بلاک دوسرے عالمی بلاک کے خلاف جبر و قوت اور ساز باز کی مختلف ترکیبیں آزما کر اپنے مفاد کی بنیاد دوسروں کے دکھ پر رکھے۔

اسی تصور نے سرمایہ داری سوشلزم کی مصیبتیں پیدا کیں اور اسی نے فلسفہ ارتقاء کے ”اصول تنازع“ اور ”بقائے اصلح“ کو اٹل صداقتیں بنا دیا۔ جنہیں اختیار کر کے افراد، اقوام اور طبقوں نے لاکھوں انسانوں پر ایسے ایسے عذاب ڈھائے ہیں کہ درندے شرمہ جائیں۔

جس تصور کے نتیجے میں انسانیت صدیوں سے مصائب کے چکر میں مبتلا ہو اور جس نے امن اور انصاف کھودی ہو، تاریخ خود عقل انسانی کے سامنے شہادت دیتی ہے کہ وہ قطعی طور پر باطل ہے اور جو نظریات اس سے ہم آہنگ ہوں وہ بھی قابل استرداد ہیں۔

یہی وہ تصور تھا جس نے نمرود اور شداد پیدا کئے، جس نے طاقتور قوموں کا شکاری بنایا، جس نے سیاسی، اقتصادی اور فکری و ثقافتی غلامی کے قلاوے مزدور ملتوں کی گردنوں میں ڈلوائے، جس نے سرمایہ داری اور مزدور سے ناجائز نفع اندوزی کرنا سکھایا اور جس نے اشتراکیت کو اس منزل تک پہنچایا کہ وہ محنت کش انسانوں کو جانوروں کے گلے میں بدل دے۔ قرآن مجید نے اس تصور کو توڑ کر رکھ دیا اور اس کے بخلاف آخرت کا شعور دلایا۔

اسلام کا تصور آخرت:

قرآن مجید کا تصور آخرت یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ”اجل مسطی“ پوری ہونے پر انسانی دنیا ایک دن ختم کر دی جائے گی اور تمام کے تمام مردہ انسان زندگی کے اس دور میں داخل ہوں گے جس کا آغاز حشر یا بعث بعد الموت سے ہوتا ہے۔ پھر خدا کی عدالت لگے گی اور اس عدالت کے سامنے ہر آدمی کی زندگی کا پورا ریکارڈ پیش ہوگا۔ اس کے مظالم، اس کے ماحول کے تمام عناصر گواہی دیں گے اور پھر فیصلہ صادر ہوگا کہ اس شخص نے زندگی نیکی کی راہ پر گزاری یا بدی اور ظلم کے راستے پر۔ پہلی صورت میں اسے رحمت خداوندی سے نوازے گی اور دوسری صورت میں طویل عذاب ہے۔

دنیا امتحان گاہ:

یہ عقیدہ آخرت جس کے تمام پہلوؤں کو قرآن مجید نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس زندگی کو ایک امتحانی زندگی قرار دیتا ہے۔ یہاں ہم ایک امتحان گاہ میں اتارے گئے ہیں اور ہماری جانچ ہو رہی ہے کہ خدا کی عطاء کردہ حیات، علم، قوت و اختیار اور اسکی نعمتوں سے ہم کس طرح کے مقاصد کے لئے کیا کام لیتے ہیں۔؟ یہ تصور امتحان ایمان و تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کا محرک بھی بنتا ہے اور بدی کی قوتوں کے خلاف کشمکش کرنے اور راستی اور نیکی کے خدائی نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد کا درس بھی دیتا ہے۔ اس عقیدے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے محبت کرو اور کی خدمت انجام دو۔ نہ یہ کہ ان پر ظلم کرو اور ان سے ناجائز فائدے اٹھاؤ۔ یہ عقیدہ آدمی کے سینے میں ایک پولیس چوکی، ادارہ احتساب اور ایک نظام عدالت قائم کر دیتا ہے جو اسے تنہائیوں میں بھی نیکی پر قائم رہنے کے رضا کارانہ جذبے سے آراستہ کرتا ہے۔

تصور آخرت سے منہ موڑنے کا انجام:

اسلامی تصور آخرت اگر ہمارے سامنے نہ ہو تو ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

وہ شخص جس نے ساری عمر ظلم و معصیت میں گزار کر ہزار ہا انسانوں کو مصائب کا شکار بنایا ہے اس کو آخر کون پوچھنے والا ہے؟ کسی استعمار یا آمریت کے علمبردار جو قوموں کی قوموں کو خونریزی اور جبر و تشدد کے تلخ تجربوں سے گزارتے ہیں آخر کونسا دنیوی اقتدار اور قانون اور عدالتی نظام ان کے ایک ایک فعل اور اس کے اثرات کا احاطہ کر کے انہیں مکافقہ پوری سزا دے سکتا ہے؟

عقلی بنیاد پر آخرت کو ماننا ضروری ہے..... تصور آخرت اور امن و امان کا قیام:

اسی طرح وہ شخص یا گروہ جو نوع انسانی کو سچائی اور نیکی سے بہر مند کرنے اور ان کی بہترین خدمات انجام دینے کے لئے عمروں قربانیاں دیتا ہے، کوئی حکومت اور اس کے ذرائع و وسائل اسے پوری پوری جزا دے سکتے ہیں؟

قرآنی تصور حیات کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لامعنیت بن جاتی ہے اور زندگی اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا انسان بننا ممکن ہے۔ بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو سائنسی اور عقلی مزاج رکھتا ہو، کس طرح موت کے بعد زندگی پر یقین کو قبولیت کا درجہ دے سکتا ہے؟ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آخرت پر کسی شخص کا یقین، اس کے اندھے عقیدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ تاہم آخرت پر مسلمانوں کا یقین عقلی دلائل کی بنیاد پر ہے۔

قرآن مجید کی ایک ہزار سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں سائنسی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں کے دوران قرآن مجید میں بیان کردہ بہت سے حقائق دریافت ہو چکے ہیں۔ لیکن سائنس ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ تمام حقائق کی تصدیق کر سکے۔

اب ذرا فرض کیجئے کہ اگر قرآن پاک میں بیان کیے گئے اسی (80) فیصد حقائق سو فیصد درست ثابت ہو گئے ہیں، باقی کے بیس فیصد حقائق کے بارے میں سائنس نے کوئی واضح نتیجہ اخذ

نہیں کیا ہے کیونکہ سائنس ابھی تک اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی کہ قرآن میں بیان کردہ باقی حقائق کو صحیح یا غلط ثابت کر سکے۔ اس محدود علم کے ساتھ، جو ہمارے پاس ہے، ہم پورے وثوق سے یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس بیس فیصد حصے کا بھی صرف ایک فیصد حصہ یا کوئی ایک آیت ہی غلط ہے۔ لہذا جب قرآن مجید کا اسی فیصد حصہ (عقلی بنیادوں پر) سو فیصد درست ثابت ہو چکا ہے اور باقی کا بیس فیصد حصہ غلط ثابت نہیں کیا جا سکا تو منطق یہی کہتی ہے کہ وہ بیس فیصد حصہ بھی درست ہے۔ آخرت کا وجود جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اسی بیس فیصد مبہم حصے میں شامل ہے جو منطق کی رو سے صحیح ہے۔

ڈکیتی اچھا عمل ہے یا برا؟ اس سوال کے جواب میں کوئی بھی نارمل اور متوازن شخص یہی کہے گا کہ یہ برا عمل ہے۔ لیکن اس سے بھی اہم سوال یہ کہ کوئی ایسا شخص جو آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو، وہ کسی انتہائی طاقتور اور اثر و رسوخ والے مجرم کو کیسے قائل کرے گا کہ ڈاکے ڈالنا ایک برائی، ایک گناہ ہے؟

فرض کیجئے کہ میں دنیا کا سب سے طاقتور اور اثر و رسوخ والا مجرم ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں نہایت ذہین اور منطقی شخص بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکے ڈالنا بہت اچھا ہے کیونکہ اس سے مجھے اپنی پر تعیش زندگی گزارنے میں مدد ملتی ہے۔ لہذا میرے لیے تو ڈاکہ زنی بہت اچھا عمل ہے۔ اگر کوئی میرے سامنے اس بات کے حق میں ایک منطقی دلیل بھی پیش کر دے (جو میرے لیے بھی یکساں طور پر قابل قبول ہو) کہ ڈاکہ ڈالنا برا ہے۔ تو میں فوراً یہ کام چھوڑ دوں گا۔ اس کے جواب میں لوگ عموماً درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

بعض لوگ یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ لٹنے والے شخص کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔ یقیناً میں اس بات سے اتفاق کروں گا کہ لٹنے والے فرد کے حق میں ڈاکہ زنی کا عمل بہت برا ہے۔ لیکن میرے لیے تو بہر حال یہ اچھا ہے۔ اگر میں ہزار ڈالر کی ڈکیتی ماروں تو میں کسی مہینے فائینسار ہوٹل میں مزے سے کھانا کھا سکتا ہوں۔

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی دن کوئی دوسرا ڈاکو آپ کو بھی لوٹ سکتا ہے۔ لیکن میں تو خود بہت اثر و رسوخ والا مجرم ہوں اور میرے سینکڑوں باڈی گارڈ ہیں تو پھر بھلا کوئی دوسرا مجھے کیسے لوٹ سکتا ہے؟ یعنی میں تو دوسروں کو لوٹ سکتا ہوں مگر مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ ڈاکہ زنی ایک عام آدمی کے لئے تو پر خطر پیشہ ہو سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور با اثر شخص کے لئے نہیں۔

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی نہ کسی دن آپ کو پولیس گرفتار کر لے گی۔ ارے بھئی! پولیس تو مجھے گرفتار ہی نہیں کر سکتی! پولیس کے چھوٹے بڑے افسران سے لے کر حکومتی وزراء تک میرے پے رول پر ہیں۔ میرے نمک خوار ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اگر کوئی عام آدمی ڈاکہ ڈالے تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا اور ڈاکہ زنی اس کیلئے بری ثابت ہوگی۔ لیکن میں تو غیر معمولی طور پر با اثر اور طاقتور مجرم ہوں۔

مجھے کوئی ایک منطقی دلیل دیجئے کہ یہ عمل برا ہے تو میں ڈاکہ زنی چھوڑ دوں گا۔

ایک اور دلیل یہ بھی آسکتی ہے کہ یہ بغیر محنت کے یا کم محنت سے کمائی گئی آمدنی ہے جس کے حصول کیلئے بہت مشقت نہیں کی گئی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ڈاکہ زنی کی کمائی میں کچھ خاص محنت کیے بغیر اچھی خاصی رقم ہاتھ لگتی ہے اور یہی تو میرے ڈاکے ڈالنے کی بڑی وجہ بھی ہے۔ اگر کسی شخص کے سامنے زیادہ پیسہ کمانے کا آسان اور با سہولت راستہ ہو اور وہ راہ بھی ہو کہ جس سے پیسہ کمانے میں اسے بہت زیادہ محنت کرنا پڑے، تو منطقی ذہن رکھنے والا کوئی بھی شخص آسان راستے ہی کا انتخاب کرے گا۔

بعض لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکہ زنی انسانیت کے خلاف ہے اور یہ کہ ایک شخص کو دوسرے انسانوں کا خیال کرنا چاہیے۔ اس کا رد کرتے ہوئے میں یہ سوال کروں گا کہ ”انسانیت“ کہلانے والا یہ قانون کس نے لکھا ہے اور میں اس کی پاسداری کس خوشی میں کروں گا؟ یہ قانون کسی جذباتی اور حساس قسم کے انسان کیلئے تو اچھا ہو سکتا ہے لیکن میں منطقی انسان ہوں اور مجھے دوسرے انسانوں کی پروا کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

کچھ لوگ ڈاکہ زنی کو خود غرضانہ عمل بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ڈاکہ زنی ایک خود غرضانہ عمل ہے لیکن میں خود غرض کیوں نہ بنوں؟ اسی سے تو مجھے زندگی کے مزے اڑانے میں مدد ملتی ہے۔

لہذا، ڈاکہ زنی کو برا عمل ثابت کرنے کی غرض سے دیئے گئے تمام عقلی دلائل بے سود رہتے ہیں۔ ان دلائل سے ایک عام اور کمزور انسان کو تو قائل کیا جاسکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور با اثر شخص کو نہیں۔ ان میں سے کسی ایک دلیل کا دفاع بھی عقل اور منطق کی طاقت پر نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں بہت جرائم پیشہ افراد پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح دھوکہ دہی اور زنا جیسے جرائم، مجھ سے کسی شخص کیلئے اچھے ہونے کا جواز پاسکتے ہیں اور کوئی

منطقی دلیل مجھے اس کے براہونے پر قائل نہیں کر سکتی۔

چلیے! اب ہم جگہیں بدل لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ دنیا کے طاقتور ترین اور بااثر مجرم ہیں، جس کے پے رول پر پولیس کے سپاہی سے لے کر وزراء تک سب موجود ہیں۔ آپ کے پاس اپنی حفاظت کیلئے ٹھکوں کی ایک پوری فوج ظفر موج ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں جو آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ عصمت دری، ڈاکہ زنی اور دھوکہ دہی وغیرہ برے اعمال ہیں۔

اگر میں وہی تمام دلائل (جو پہلے دیئے جا چکے ہیں) ڈاکہ زنی کو برا ثابت کرنے کے لیے پیش کروں تو مجرم بھی اسی انداز سے جواب دے گا جیسے میں نے پہلے کیا تھا۔

میں مانتا ہوں کہ مجرم ذہین ہے اور منطقی سوچ رکھتا ہے اور اس کے تمام دلائل صرف اسی وقت صحیح ہوں گے جب وہ دنیا کا سب سے طاقتور اور بااثر مجرم ہو۔

ہر ایک انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے انصاف ملے۔ حتیٰ کہ وہ دوسروں کے لئے انصاف کا خواہش مند نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنے لیے انصاف چاہتا ہے۔ بعض لوگ طاقت اور اثر و رسوخ کے نشے میں اس قدر بدست ہوتے ہیں کہ دوسروں پر صعوبتیں اور تکالیف مسلط کرتے رہتے ہیں، لیکن یہی لوگ اس وقت شدید اعتراض کرتے ہیں کہ جب خود ان کے ساتھ کوئی نا انصافی کی جائے۔ ان کے دوسرے لوگوں کی تکالیف اور صعوبتوں کی طرف سے بے حس ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاقت اور اثر و رسوخ کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں یہ طاقت اور اثر و رسوخ ہی ہے جو نہ صرف انہیں دوسروں سے نا انصافی کرنے کے قابل بناتا ہے بلکہ دوسروں کو ان کے ساتھ ویسا ہی کرنے سے باز بھی رکھتا ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اس مجرم کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود پر قائل کروں گا۔ (اس بارے میں دلائل علیحدہ ہیں) اللہ تعالیٰ آپ سے بھی کہیں زیادہ طاقتور ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ منصف ترین بھی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

”ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضاعفها ويؤت

من لدنه اجرا عظيما ۝

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 40)

”اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دوگنا کرتا ہے

اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ ۝“

منطقی اور سائنسی شخص ہونے کے ناطے جب اس کے سامنے قرآن مجید سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ انہیں تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لیتا ہے۔ وہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے تو پھر وہ مجھے سزا کیوں نہیں دیتا؟

ہر وہ شخص، جس کے ساتھ نا انصافی کی گئی ہو، یقیناً یہ چاہے گا کہ نا انصافی کے مرتکب کو اس کے مال و دولت اور معاشرتی مرتبے کا لحاظ کیے بغیر سزا ملنی چاہیے۔ ہر نارمل انسان یہ چاہے گا کہ ڈاکو اور بدکار کو سبق سکھایا جائے۔ اگرچہ بہت سارے مجرموں کو سزا مل جاتی ہے لیکن پھر بھی ان کی ایک بڑی تعداد قانون سے بچنے میں کامیاب رہتی ہے۔ یہ لوگ بڑی پر لطف اور پر تعیش زندگی گزارتے ہیں اور بسا اوقات بڑے اطمینان سے رہتے ہیں۔ اگر کسی طاقتور اور با اثر شخص کے ساتھ اس سے بھی زیادہ با اثر اور طاقتور شخص نا انصافی کرے تو وہ بھی یہی چاہے گا کہ اس زیادہ طاقتور اور زیادہ با اثر شخص کو (جس نے نا انصافی کا ارتکاب کیا ہے) سزا دی جائے۔ دنیا کی یہ زندگی، آخرت کے لئے امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

”الذی خلق الموت والحیاء لیبلوکم ایکم احسن عملاً وہو العزیز الغفور“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 67 (الملک)، آیت نمبر 2)

”اللہ وہ ہے جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔“

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

”کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجور کم یوم القیمۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 185)

”آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے

والے ہو، کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب ہے۔“

حتیٰ انصاف قیامت کے روز کیا جائے گا۔ مرنے کے بعد ہر شخص کو یوم حساب (روز قیامت) ایک بار پھر دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی سزا کا کچھ حصہ اس دنیا ہی میں بھگت لے، لیکن سزا اور جزا کا آخری اور حتمی معاملہ تو آخرت ہی میں کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی لئیرے یا بدکار کو اس دنیا میں سزا نہ دے لیکن اسے روز محشر میں اپنے ایک ایک عمل کا اور ایک ایک گناہ کا حساب چکانا ہوگا اور وہ آخرت میں موت کے بعد کی زندگی میں اپنے ایک ایک جرم کی سزا پائے گا۔

جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے لگ بھگ ساٹھ لاکھ یہودیوں کو زندہ جلوایا تھا۔ بالفرض اگر پولیس اسے گرفتار بھی کر لیتی تو قانون کی پاسداری کرتے ہوئے (انسانی قانون کے مطابق) عدالت اسے زیادہ سے زیادہ کیا سزا دے سکتی تھی؟ بہت سے بہت یہی ہوتا کہ اسے بھی کسی گیس چیمبر میں بند کر کے ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن یہ تو صرف ایک بے گناہ یہودی کو قتل کرنے کی سزا ہوتی، باقی کے 5999999 یہودیوں کے قتل کی سزا اسے کس طرح دی جاسکتی تھی۔؟ اسے صرف ایک بار ہی سزا دے موت دی جاسکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ ہٹلر کو جہنم کی آگ میں ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ مرتبہ جلا دے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

”ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیہم نارا کلما نصبت
جلودہم بدلنہم جلودا غیرہا لیدوقوا العذاب ان اللہ کان
عزیزا حکیمًا“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 56)

”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کر دیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، بیشک اللہ قدرت والا حکمت والا ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو ہٹلر کو جہنم کی آگ میں محض ساٹھ لاکھ مرتبہ نہیں بلکہ لاتعداد بار جلا سکتا

ہے۔

یہ واضح رہے کہ کسی شخص کو تصویر آخرت یا موت کے بعد زندگی کے یقین پر قائل کیے بغیر اسے انسانی اقدار یا نیک و بد اعمال کے تصور پر قائل کرنا بھی ممکن نہیں۔ خصوصاً جب ان طاقتور اور باختیار لوگوں کا معاملہ درپیش ہو جو ان انصافی میں پڑے ہوں۔

دین

دین کا معنی اور لوازمات:

اسلام کی اساسی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ دین نام ہے پوری زندگی بسر کرنے کے انداز و اطوار کا اور اس کے مفہوم میں مسلک حیات اور نظام حیات کے تصورات شامل ہیں۔ اس لئے انسان بیک وقت کسی ایک ہی دین کا پیرو ہو سکتا ہے۔ وہ دین حق پر چلے گا یا دین باطل پر، وہ خدا پرستی کی راہ اختیار کرے گا یا خدا فراموشی کی اور وہ ایماندار ہو گا یا کفرکیش۔

نظریہ دین کا عکاس:

ہر نظریہ اور فلسفہ ایک خاص قسم کے دین کی بنیاد ہوتا ہے اور ہر قوم اور ہر فرد کی زندگی جس نقشے پر بسر ہو رہی ہے وہی اس کا دین ہے۔

اسلام کا تصور دین:

ہماری کتاب ہدایت (قرآن مجید) میں خدا نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تمہارے لئے قرآنی تصویر آخرت کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لاعینیت بن جاتی ہے اور زندگی کو لاعینی ماننے کے بعد انسان کا اچھا بننا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”میں نے تمہارا خالق، مالک، حاکم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے اسلام کو تمہارا دین مقرر کر دیا ہے اور اس کے خلاف جس بھی نظام زندگی کو اختیار کیا جائے گا وہ خدا کی بارگاہ (اور عدالت آخرت) میں جائز (Valid) تسلیم نہیں کیا جائے گا۔“

پس قرآن کا مطالبہ خدا پرستوں سے یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر دین حق کے لئے یکسو ہو جائیں اور اس پر خود جم جائیں اور اسے معاشرے میں بھی غالب کرنے کی جدوجہد

کریں۔

تصورِ عبادت

اسلام کا غیر محدود تصورِ عبادت:

اسلام کا تصورِ عبادت دوسرے محدود مذاہب سے مختلف ہے۔ اسلامی تصورِ عبادت صرف اتنا نہیں ہے کہ خاص انفرادی دائرے میں پوجا پاٹ کے چند مقررہ طریقوں کو پورا کر دیا جائے گا بلکہ یہاں کا تصورِ عبادت پوری زندگی کو محیط ہے۔

اسلامی حدود و احکام کے تحت انجام پانے والا ہر فعل عبادت ہے:

اسلام کے نزدیک زندگی کا ہر فعل خواہ وہ فرد سے تعلق رکھتا ہو یا خاندان سے، معاشرے سے یا ریاست سے، مسجد کے اندر کی ذمہ داریوں سے یا کھیت سے، کارخانے و بازار سے تعلق رکھتا ہو یا دفتر کے مشاغل سے، بال بچوں کے معاملات سے یا تھانے، کچھری اور اسمبلی کی سرگرمیوں سے، اگر اسے خدا کے احکام و حدود کے تحت انجام دیا جائے تو وہ عبادت کے دائرے میں ہے۔ بصورت دیگر معصیت کے دائرے میں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے حدود میں رہ کر بال بچوں کے نفقہ کا انتظام کرنا، ازدواجی تعلقات استوار کرنا، امارت و قیادت کے منصب پر فائز ہونا، میدان جنگ میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا، عدالت کی کرسی سے حق کے مطابق فیصلے دینا اور صدق و دیانت کے ساتھ تجارت کرنا بھی عبادت کی وسیع تعریف میں داخل ہے۔

نیکی کا جامع تصور:

عبادت ہی کے تصور کے مطابق قرآن مجید نیکی کا جامع تصور دلاتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسوم کا بیرونی خول اصل نیکی نہیں بلکہ اصل نیکی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور پھر اس ایمان کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ جائے نماز سے لے کر میدان جہاد تک!

نصب العین

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اسلام انسانی زندگی کو ایک بے مقصد کھیل تماشے کی حیثیت نہیں دیتا، بلکہ بامقصد کائنات میں رہنے والی مخلوق کو بھی وہ ایک اعلیٰ نصب العین سے بہرہ مند کرتا ہے۔ وہ نصب العین امت وسط، شہداء علی الناس اور حزب اللہ ہونے کے منصب جلیلہ پر ساری دنیا کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے، وہ بھی کسی ذاتی غرض اور کسی گروہی مفاد سے بالاتر ہو کر۔!

فریضہ تبلیغ ہر فعل و عمل سے:

ہمارے لئے قرآن مجید کا عطا کردہ مقصد حیات یہ ہے کہ ہم جس مقام پر بھی ہوں، جس حیثیت کے مالک بھی ہوں، جیسی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں اور جس پیشے میں بھی مصروف ہوں ہماری تمام سرگرمیوں کا مقصد ساری دنیا تک صلاح کا وہ پیغام بذریعہ قول و عمل پہنچانا ہے جس پر قرآن مجید مشتمل ہے۔

قوم و زبان اور رنگ و نسل سے ہٹ کر تبلیغ:

تمام قومی منافرتیں، تمام نسلی عصبیتیں، تمام لسانی اور لونی دیواریں ہٹا دی گئی ہیں اور تمام دوسرے مفاد و مقاصد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید پر ایمان لانے والے کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ ہر شخص، ہر گروہ، ہر قوم اور ساری انسانیت کو قرآنی نظام عدل و احسان کے قریب لائے۔

اس نصب العین سے ہٹنے والوں کا انجام:

اس قسم کے بلند، پاکیزہ اور اخلاقی نصب العین سے جو لوگ محروم رہ گئے ہیں ان کے سامنے دولت پرستی، نفس پرستی، جاہ پرستی اور جنس پرستی کے علاوہ دلچسپی کا کوئی اور عنوان ہی باقی نہیں رہا اور اس بیماری میں مبتلا اقوام اور تحریکوں کا حال یہ ہے کہ وہ جارحیت، بے علمی و عملی اور بد اخلاقی کو تیزی سے فروغ دے رہی ہیں۔

اسلام کی اہم ترین اخلاقی تعلیمات

۱۔ اخلاقی تعلیمات اپنانے کا حکم

اصل سنوارنے والا..... حسن اخلاق:

انسان کو باقی حیوانی دنیا سے ممتاز کرنے والی چیز اخلاق ہی ہے۔ اس کے سنوارنے سے انسان کا سنوار ہے اور اس کے بگاڑنے سے انسان کا بگاڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ تہذیب میں معاشرے جس چیز پر متفق نظر آتے ہیں وہ ”حسن اخلاق“ ہے۔

اخلاقیات وغیر اخلاقیات کا تصور..... اسلام کے معروفات اور منکرات:

سچائی، پاس عہد، رحم، فیاضی، صبر، تحمل، بردباری، اولوالعزمی، شجاعت، ضبط نفس، خودداری، میل ملاپ، شائستگی، فرض شناسی، اتفاق اور دوسری اچھی صفات کو سب معاشرہ نے سراہا ہے اور اس کے برعکس تمام معاشرہ نے جھوٹ، بدعہدی، ظلم، بخل، بے صبری، بزدلی، ذلت، ترش روئی، خیانت، چغلی، غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو برا سمجھا ہے۔ یہ اقدار انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں اور اسلام نے ان معروفات اور منکرات کو اپنے نظام میں سمولیا ہے۔ البتہ جس پہلو سے قرآن مجید کا نظام اخلاق منفرد ہے وہ یہ ہے کہ اس نے فلسفہ اخلاق کے تمام بنیادی امور کے بارے میں ایک منظم اور مربوط نظریہ پیش کیا ہے اور وہ اپنا ایک خاص اخلاق اور قوت محرکہ رکھتا ہے۔ نظریہ اور خاص قوت محرکہ مل کر اس کے فلسفہ اخلاق کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔

نظریہ آخرت اور معیار خیر و شر:

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی پہلی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجا ہے اور ایک دن انسان کو پوری زندگی کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا ہوگا۔ اسلام نے اخلاقی امور کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کئے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں اور انسانوں کو خدا کے بتائے ہوئے معیار خیر و شر کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اسی میں ان کی فلاح ہے۔

آفاقی وضع شدہ اخلاقیات:

انسان خود اپنے برے بھلے کے متعلق محض اپنی عقل کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو اچھی اور مفید سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ مضر ہوتی ہے اور بعض چیزوں کو وہ مضر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے حد درجہ مفید ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ اسی مضمون کی ترجمانی کرتے ہیں:

”وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ

تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ كَرِهٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“

”عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھی بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۱۶)

آخر میں وجہ بھی بتا دی کہ اللہ ہی حقائق اشیاء سے کما حقہ باخبر ہے اور تمہارے علم کا دائرہ محدود ہے۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لئے خود اخلاقی ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق کا تعلق باہمی معاملات و مسائل سے ہے۔ دنیا کی ساری خوشی، خوشحالی اور امن و امان اسی اخلاق کی بدولت ہے۔ اسی دولت کی کمی کو حکومت اپنی قوت اور طاقت کے قانون سے پورا کرتی ہے۔ اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاق و فرائض کو پوری طرح خود انجام دیں تو حکومت کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو۔ اس لئے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کے قدم بہ قدم کو سیدھے راستے سے ہٹکنے نہ دے۔

اس اعتبار سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب اور نظاموں سے کہیں زیادہ جامع ہے۔ اخلاق کے دائرے میں تو زندگی کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پہلو بھی آ جاتے ہیں لیکن ہم اپنے مطالعے کی آسانی کے لئے اخلاق کو اس کے معروف تصورات تک محدود رکھیں گے اور اس ضمن میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

ذاتی اغراض اور اسلامی اخلاقیات:

اسلام میں چونکہ اخلاق بھی دوسرے مذہبی امور کی طرح ایک عبادت ہے، اس لئے اس کی

غرض و غایت بھی ہر قسم کی دنیاوی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی حیثیت کچھ ہے اور نہ ہی ان اخلاقی امور کا کوئی اخروی فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”وَمَنْ يَرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُوتَهُ مِنْهَا“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۴۵)

”اور جو شخص دنیا میں (اپنے اعمال) کا بدلہ چاہے اس کو ہم یہیں بدلہ دیں گے۔“

ریا کاری اور اسلام:

کوئی بھلائی کا کام اگر بدنیتی اور ریا کاری سے کیا جائے وہ باطل ہوگا اور اس کا کوئی اجر نہ ملے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى“

”مومنو! اپنے صدقات کو احسان رکھنے اور ایذا دینے سے برباد نہ کرو۔“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۶۴)

معاشرت، رہبانیت اور اسلامی تعلیمات:

اخلاق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں اچھائی برتنے کا نام ہے۔ انسانوں کے باہمی میل جول سے جو فرائض اور ذمہ داریاں ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں ان کا بحسن ادا کرنا اخلاق کہلاتا ہے۔ اس لئے اخلاق کے وجود کے لئے انسانوں کا باہمی میل جول ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو جائز قرار نہیں دیا۔ قرآن کریم کہتا ہے:

”وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهَا“

(سورۃ الحديد، آیت نمبر: ۲۷)

”اور رہبانیت جسے انہوں نے از خود گھڑا ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔“

فریضہ امت..... امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اسلام میں جماعت کے افراد پر جماعت کے دوسرے افراد کی نگرانی فرض ہے۔ اس اخلاقی اور شرعی فرض کا نام ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ ہے۔ قرآن کریم کی وضاحت کے پیش نظر امت مسلمہ کی فضیلت اس بات پر ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

سرا انجام دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر“

”تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“

(سورۃ آل عمران)

لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی برائی کو دیکھے اسے مٹانے کی کوشش کرے اور ہر حالت میں حق بات کہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر“

”اور مومن ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔“

(سورۃ العصر، آیت نمبر: ۳)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

عدل و انصاف:

1: عدل و انصاف کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے، کسی فرد یا قوم کی دشمنی کی وجہ سے راہ اعتدال سے ہٹنا یا گچی شہادت سے گریز کرنا ناجائز ہے، خواہ اس کی خاطر رشتہ داروں، دوستوں اور انتہائی کہ اپنی ذات کے خلاف ہی گواہ کیوں نہ بننا پڑے۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو بے لاگ فیصلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”واذا حکمتہم بین الناس ان تحکمو بالعدل“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۵۸)

”اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔“

2: سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

”ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۸)

”اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔“

3: پھر فرمایا:

”کونو اقوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم

اووالدین والاقربین“

”انصاف پر قائم رہو! اللہ واسطے کے گواہ بنو! خواہ تمہاری گواہی تمہارے یا تمہارے

ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

اخلاقیات کی جان..... حکم احسان:

اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن مجید نے عدل کے ساتھ احسان کو بھی مسلمانوں کی ایک اخلاقی خصوصیت بتایا ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی کمی کو پورا کر دینا تاکہ معاشرے اور زندگی میں حسن قائم رہے۔ اسلامی مملکت میں عدل کا تعلق بڑی حد تک ریاست کے ہاتھ میں ہوگا، لیکن احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان الله يامرکم بالعدل والاحسان“

(القرآن الکریم)

”بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔“

شریں بات کہنے کی تاکید:

اسلام کہتا ہے کہ باہمی میل ملاپ میں اور بات چیت میں تواضع اور شیریں زبانی سے کام لو اور غرور اور بد مزاجی سے پرہیز کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قولوا للناس حسنا“

”سب لوگوں سے اچھی بات کہو۔“

تواضع اختیار کرنے کا حکم:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور مومنین کے لئے اپنے بازو جھکا لو۔“

(سورۃ الحج، آیت نمبر: ۸۸)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”واخفض جناحک لمن التبعک من المومنین“

”ان مومنوں کے ساتھ خاطر تواضع سے پیش آؤ جو آپ کے تابع ہیں۔“

(سورۃ الشعراء، آیت نمبر: ۲۱۵)

غصہ پی لینا اور معاف کرنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والکاظمین الغیظ“

”اور وہ (مومن) غصہ پی جانے والے ہوتے ہیں۔“ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۳۴)

معاف کرنا:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والعافین عن الناس“

”اور وہ (مومن) لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۳۴)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وان تعفوا اقرب للتقوا“

”اگر تم معاف کرو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔“

3: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وليعفوا وليصفحوا“

”انہیں چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔“

(سورۃ النور، آیت نمبر: ۲۲)

صبر و استقامت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ولمن صبر و غفر ان ذلك لمن عزم الامور“

”اور جو صبر کرے اور درگزر سے کام لے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔“

(سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر: ۴۳)

میانہ روی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والذین اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما“

”اور (حقیقی مومن) وہ لوگ (ہیں کہ) جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اس کے درمیان اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔“

۲۔ اخلاق مذمومہ سے بچنے کی تاکید

اخلاق مذمومہ کی بیک کٹی:

قرآن مجید کے نزدیک وہ تمام صفات مذموم ہیں جو معاشرے کی اخلاقی فضاء کو مکدر کریں، مسلمانوں کے اتحاد و ضبط و نقصان پہنچائیں اور جن سے اس بات کا خطرہ ہو کہ پوری سوسائٹی ناقابل اعتبار قرار پائے گی۔ مثلاً: جھوٹ، انتشار و افتراق، افترا پردازی، بدگمانی، چغلی، غیبت، نفاق اور تحقیر وغیرہ کہ یہ محرکات ہیں جن سے کسی سوسائٹی کی فضاء مکدر ہو سکتی ہے۔ ان سب سے بچنے کے لئے ہدایات دی گئیں ہیں۔

اسلام میں مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور آبرو، سب محترم ہیں۔ ناحق کسی کی جان لینا، بے عزت کرنا یا ذلیل و خوار کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ خیانت، بددیانتی، ظلم، فخر و غرور، خود ستانی، حسد، بغض، ناپ تول میں کمی بیشی، انتقام اور قتل ناحق وغیرہ قرآن مجید کے نزدیک یہ سب مذموم صفات ہیں۔

خیانت کی بیک کٹی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”لا تخونوا الله والرسول وتخونوا امنتكم“

”اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔“ (سورۃ الانفال، آیت نمبر: ۲۷)

غصہ کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَصْعَرَ خَدَّكَ لِلنَّاسِ“

”اور لوگوں سے گال پھیلائے نہ رکھو (غصہ میں نہ رہو)۔“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۳۷)

تکبر کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا“

”اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔“ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۳۷)

اپنے منہ میاں مٹھو:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَلَا تَزْكُوا أَنْفُسَكُمْ“

”پس اپنی پاکبازی نہ جتاؤ۔“ (سورۃ النجم، آیت نمبر: ۳۲)

حسد کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَنْ شَرُّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ“

”اور حاسد کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرے۔“

(سورۃ الفلق، آیت نمبر: ۵)

تہمت کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”أَنْ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعْنُوا فِي

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“

”جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی اور بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت دونوں میں لعنت ہے۔“ (سورۃ النور، آیت نمبر: ۲۳)

ظلم کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاللّٰهُ لَا يَحِبُّ الظَّالِمِينَ“

”اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔“

کم ناپنے اور تولنے کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ“

”ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔“

رشوت کی بیخ کنی:

قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ جائز سفارش کرو اور کسی کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ یعنی بطور رشوت یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ

لَتَأْكُلُوا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ“

(سورۃ البقرۃ)

”اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ

لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو۔“

مذاق کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا

خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ“

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۱)

”اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔ اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔“

جھوٹ کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ“

”اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔“

دوسری جگہ فرمایا:

”كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“

”سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

برائنام ڈالنے کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ“

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: 11)

”اور برے نام نہ ڈالو۔ ایمان لانے کے بعد کسی کا برائنام ڈالنا بہت بڑا فسق ہے۔“

قیاس آرائی کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ“

”قیاس آرائیوں سے بچو۔ بعض قیاس آرائیاں یقیناً گناہ ہوتی ہیں۔“

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: 12)

غیبت کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ“

مَيْتًا فَكَيْفَ هُتَمُّوهُ“

”اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے ناپسند کرتے ہو (تو پھر غیبت بھی نہ کیا کرو)۔“
(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

نا جائز جاسوسی کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَجَسَّسُوا“

”تُوہ میں نہ لگے رہو۔“ (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

عیب لگانے کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ“

”ایک دوسرے کے عیب نہ لگاؤ۔“ (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 11)

اسلام کا معاشی نقطہ نظر:

اسلام کہتا ہے کہ مسلمان معاشی نقطہ نظر سے ایسی روش اختیار کریں جس میں قناعت ہو، خرچ میں اعتدال ہو اور اسراف سے دور رہیں۔ اگر اللہ نے کسی کو زیادہ دیا ہے تو لالچ نہ کریں اور نہ اس سے حسد کریں۔ اگر اللہ نے انہیں زیادہ دیا ہے تو اسراف نہ کریں اور نہ بخل سے کام لیں۔

حسد کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ام یحسدون الناس علی ما اتاهم اللہ من فضله“

”یا وہ جلے مرتے ہیں اس نعمت پر جو خدا نے لوگوں کو عطا کی۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۴)

نا جائز طلب و ہوس کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ“
 ”اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت
 کرو۔“ (سورۃ النساء، آیت نمبر: ۳۲)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کنجوسی کی بیخ کنی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ“
 ”اور نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (کنجوسی و بخل نہ کرو)۔“
 (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۲۹)

فضول خرچی کی بیخ کنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ“
 ”اور نہ اپنے ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دو (فضول خرچی نہ کرو)۔“
 (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۲۹)

اسلام کی اہم ترین سیاسی تعلیمات

اسلام کا تصور کائنات

فلسفہ سیاست اور اس کے اہم ترین قرآنی نکات:

فلسفہ سیاست کے نقطہ نظر سے اگر تصور کائنات کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل نکات
 ہمارے سامنے آتے ہیں:

1: اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا اور خود انسان اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے۔ جن

سے انسان اس دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا ہے، سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا۔“

(سورۃ نمبر ۲۱، آیت نمبر: ۱۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”اسی اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے۔“ (سورۃ نمبر ۲۰، آیت نمبر: ۸)

2: اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا کسی کی ہے، نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی اور کا یہ

حق ہے کہ حاکمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے، سوائے اللہ کے۔“ (سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر: ۵)

3: حاکمیت کی جملہ صفات اور اختیارات صرف اللہ ہی میں مرکوز ہیں۔ اس کائنات میں

کوئی ان صفات اور اختیارات کا حامل سرے سے ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”وہی اپنے بندوں پر غلبہ رکھنے والا اور وہی دانا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔“

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر: ۱۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وہ اللہ بادشاہ ہے ہر عیب و نقص سے پاک ہے، غلطی سے مبرا ہے۔ وہ امن دینے

والا، نگہبان، غالب، بزور حکم نافذ کرنے والا اور کبریائی کا مالک ہے۔“

(سورۃ نمبر ۵۹، آیت نمبر: ۲۲)

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

”کہو خدا یا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے!

ساری بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

(سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر: ۳۶)

حاکمیتِ الہیہ

کائنات کا حاکم و فرمانروا:

کائنات کے اسی تصور کی بنیاد پر قرآن مجید کہتا ہے کہ انسانوں کا حقیقی فرمانروا اور حاکم بھی

وہی ہے جو کائنات کا حاکم و فرمانروا ہے، انسانی معاملات میں بھی حاکمیت کا حق اسی کو پہنچتا ہے اور اس کے سوا کوئی انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

مسلمہ ربوبیت:

اسلام کہتا ہے کہ کائنات کا رب ہی درحقیقت انسان کا رب ہے اور اس کی ربوبیت تسلیم کی جانی چاہئے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝“

”کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی۔“ (سورۃ الناس، آیت نمبر 1 تا 3)

حکم فقط اللہ کا:

1: اسلام کہتا ہے کہ حکم اور فیصلہ کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اسی کی بندگی انسانوں کو کرنی چاہئے اور یہی صحیح طریق کار ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

”حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۱۲، آیت نمبر: ۴۰)

2: سورۃ آل عمران میں فرمایا:

”وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے۔؟ کہو اختیار سارا اللہ ہی کا ہے۔“

(سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۵۴)

3: دوسری جگہ ہے:

”خبردار! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔“ (سورۃ نمبر ۷، آیت نمبر: ۵۴)

4: اسلام کہتا ہے کہ حکم دینے کا حق اللہ کو اس لئے ہے کہ وہ کائنات کا بادشاہ

ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پھر مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی

بادشاہی اللہ کے لئے ہے۔؟“ (سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر ۳۸ تا ۴۰)

5: اسلام کہتا ہے کہ اللہ کا حکم اس لئے برحق ہے کہ وہی حقیقت کا علم رکھتا ہے اور وہی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“
(سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۱۶)

مقصد اسلام:

اسلام کا مقصد اتنا ہی نہیں کہ افراد کی اخلاقی اصلاح کر دی جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تدریجی مگر بنیادی انقلاب بنی نوع انسان کی پوری اجتماعی زندگی میں برپا کیا جائے۔ اسلام نے قومی و نسلی زاویہ نظر کو بدل کر اس کی جگہ خالص انسانی احساس و شعور پیدا کیا۔

اسلام..... قومیت کی اساس و بنیاد:

قرآن مجید کہتا ہے کہ صرف اسلام ہی بنیاد و اساس ہے قومیت کی، خواہ اسے تہذیبی مفہوم میں لیا جائے، خواہ سیاسی مفہوم میں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اگر کسی شخص نے اسلام کے سوا کسی اور ضابطہ حیات و دین کو اختیار کیا تو یہ بات ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

اللہ کی قانونی حاکمیت:

1: ان وجوہ سے قرآن مجید فیصلہ کرتا ہے کہ اطاعت خالصہ اللہ کی اور پیروی اسی کے قانون کی ہونی چاہئے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی یا اپنی خواہشات نفس کی پیروی ممنوع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پس تم دین کو اللہ کیلئے خالص کر کے اس کی بندگی کرو۔ خبردار! دین خالص اللہ ہی کیلئے ہے۔“ (سورۃ نمبر ۳۹)

2: اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاملات کو منضبط کرنے کے لئے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز

کریں وہی ظالم ہیں۔“ (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۲۹)

3: نیز اسلام کہتا ہے کہ اللہ کے خلاف جو حکم بھی ہے نہ صرف غلط اور ناجائز ہے بلکہ کفر اور ظلم و فسق ہے۔ اس طرح کا ہر فیصلہ جاہلیت کا فیصلہ ہے جس کا انکار لازمہ ایمان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۴)

4: ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۵)

5: پھر ارشاد فرمایا:

”اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۶۴)

مقام رسول ﷺ

ہدایات کا ذریعہ:

اللہ کا وہ قانون جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، انسان تک اس کے پہنچنے کا ذریعہ صرف اس کا رسول ہے۔

خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ:

رسول ہی خدا کی طرف سے اس کے احکام اور اس کی ہدایات انسانوں کو پہنچاتا ہے اور اپنے قول اور عمل سے ان احکام و ہدایات کی تشریح کرتا ہے۔ پس رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ ہے اور اس بنا پر اس کی اطاعت لازمی ہے۔

اطاعت رسول..... حکم الہی:

1: اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حکم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو بے چون و چرا تسلیم کیا جائے حتیٰ کہ ان پر دل میں ناگواری پیدا نہ ہو۔ ورنہ

ایمان کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔“

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۸۰)

2: پھر فرمایا:

”جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو اور اللہ سے

ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“ (سورۃ نمبر ۵۹، آیت نمبر ۷)

3: پھر فرمایا:

”پس نہیں! تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ (اے نبی!) وہ تجھے

اپنے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ تسلیم کر لیں۔“ (سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۶۵)

بالا تر قانون..... اطاعت ہی اطاعت:

اللہ اور رسول کا حکم قرآن کریم کی رو سے وہ بالا تر قانون ہے جس کے مقابلہ میں اہل ایمان

صرف اطاعت ہی کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ جن معاملات میں خدا اور رسول اپنا فیصلہ دے چکے ہیں ان میں کوئی مسلمان خود آزا دانہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس فیصلے سے انحراف ایمان کی ضد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اس معاملے میں ان کے لئے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔“

(سورۃ نمبر ۳۳، آیت نمبر: ۳۶)

خلافت

انسانی حکومت کی صحیح ترین صورت:

انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کریم کے مطابق یہ ہے کہ ریاست اللہ اور رسول کی قانونی بالادستی مانے، اس کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت

”خلافت“ کی حیثیت قبول کر لے۔ اس حیثیت میں اس کے اختیارات تشریحی ہوں، عدالتی ہوں یا انتظامی لازماً حدود میں محدود ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے نبی! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تصدیق کرتی ہے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی اور تمہیں ان پر۔ پس جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے تم اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی میں اس حق سے منہ نہ موڑو جو تمہارے پاس آیات ہے۔“

(سورۃ نمبر ۲۳، آیت نمبر: ۵۵)

خلافت کی حقیقت:

اس خلافت کا جو تصور قرآن مجید میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں اس کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں۔ خدا نے خود ان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لئے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں، بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“
”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 30)

لیکن یہ خلافت صحیح اور جائز خلافت صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہو۔ اس سے روگردانی کر کے جو خود مختار نہ نظام حکومت بنایا جائے وہ خلافت کے بجائے بغاوت بن جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، انہیں چاہئے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی

چیز کو شریک نہ کریں۔“

(سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۵۵)

اجتماعی خلافت اور جمہوریت:

اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جماعت اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ہو۔ سورۃ نمبر ۲۴ کی آیت نمبر ۵۵ کے الفاظ اس معاملہ میں صریح ہیں۔ ان کی رو سے اہل ایمان کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ کسی شخص یا طبقہ کو عام مومنین کے اختیارات خلافت سلب کر کے انہیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں ہے، نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت، طبقاتی حکومت اور تھیا کریسی سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رخ پر موڑتی ہے، لیکن اس میں اور مغربی تصور جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوئی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوریت خلافت میں خود عوام حاکم کی ملکیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانون خداوندی کی حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔

ریاست کی اطاعت کی حدود:

اس نظام خلافت کو چلانے کے لئے جو ریاست قائم ہوگی عوام اس کی صرف اطاعت فی المعروف (نیکی کے کام میں اطاعت کرنے) کے پابند ہوں گے۔ معصیت میں نہ کوئی اطاعت ہے اور نہ تعاون۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کرو۔“

(سورۃ نمبر ۷۶، آیت نمبر ۲۴)

حدیث مبارکہ میں ہے:

”لا اطاعة فی المعصية“

”گناہ کے معاملے میں اطاعت نہیں کی جائے گی۔“

ریاست اور اس کی ذمہ داریاں

شوریٰ:

اس ریاست کا پورا کام، اس کی تائیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت کے انتخاب اور انتظامی معاملات تک، اہل ایمان کے باہمی مشوروں سے چلنا چاہئے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ مشاورت بلا واسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور ان مومنوں کا کام آپس کے مشوروں سے چلتا ہے۔“

(سورۃ نمبر ۴۲، آیت نمبر ۳۸) www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com اولی الامر کی صفات:

اس ریاست کا نظام چلانے کے لئے اولی الامر کے انتخاب میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ یہ ہیں:

1: وہ ان اصولوں کو جانتا ہو جن کے مطابق خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ ایک نظام کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولی مخالفین پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں اولی الامر ہوں۔“

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۵۹)

2: یہ کہ وہ ظالم، فاسق و فاجر، خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والا نہ ہو، بلکہ ایماندار، خدا ترس، نیکو کار ہوں۔ کوئی ظالم یا فاسق اگر امارت کے منصب پر قابض ہو جائے تو اس کی امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور تو اطاعت نہ کر کسی ایسے شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کی ہے اور جس کا کام حد سے گزرا ہوا ہے۔“

(سورۃ نمبر ۱۸، آیت نمبر: ۲۸)

3: وہ نادان اور جاہل نہ ہو، بلکہ ذی علم، دانا، ذی فہم اور کاروبار کو چلانے کے لئے کافی اور جسمانی اہلیت رکھتا ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اپنے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لئے ذریعہ قیام بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ

کرو۔“

4: وہ ایسا امانت دار ہو کہ ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر اعتماد کے ساتھ رکھا جاسکے۔ چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا“

”اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸)

دستور کے بنیادی اصول:

اس ریاست کا دستور جن بنیادی اصولوں پر قائم ہے وہ یہ ہیں:

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور رسول آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔“

(سورت نمبر ۴، آیت نمبر ۵۹)

یہ آیت چھ دستوری نکات واضح کرتی ہے:

- 1: اللہ اور رسول کی اطاعت کا ہر اطاعت پر مقدم ہونا۔
- 2: اولی الامر کی اطاعت کا اللہ اور رسول کی تعلیمات کے تحت ہونا۔
- 3: اولی الامر اہل ایمان سے ہوں۔
- 4: لوگوں کو حکام اور حکومت سے نزاع کا حق ہے۔
- 5: نزاع کی صورت میں آخری سند اللہ اور اس کے رسول کا قانون ہے۔
- 6: خلافت ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو اولی الامر اور عوام کے دباؤ سے آزاد رہ کر اس بالاتر قانون کے مطابق جملہ نزاعات کا فیصلہ کرے۔

منظمہ اور اس کے اختیارات:

منظمہ کے اختیارات لازماً حد و اللہ سے محدود اور خدا اور رسول کے قانون سے محصور ہوں گے، جس سے تجاوز کر کے وہ نہ کوئی ایسی پالیسی اختیار کر سکتی ہے، نہ کوئی ایسا حکم دے سکتی ہے جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو، کیونکہ اس آئینی دائرے سے باہر جا کر اسے اطاعت کے مطالبہ

کا حق ہی نہیں پہنچتا (اس کے متعلق قرآن و احادیث کے واضح احکام ہم اوپر بیان کر چکے ہیں) علاوہ بریں یہ منظمہ لازماً شوریٰ یعنی انتخاب کے ذریعہ سے وجود میں آئی چاہئے اور اسے شوریٰ یعنی مشاورت دونوں کے متعلق قرآن مجید قطعی صورتیں مقرر نہیں کرتا بلکہ ایک وسیع اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی صورتوں کو مختلف زمانوں میں معاشرے کے حالات اور ضروریات کے مطابق طے کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

مقتنہ اور اسکے اختیارات:

مقتنہ لازماً ایک شوریٰ ہیئت ہونی چاہئے لیکن اس کے اختیارات قانون سازی بہر حال ان حدود سے محدود ہوں گے۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں خدا اور رسول نے واضح احکام دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کئے ہیں، یہ مقتنہ ان کی تعبیر و تشریح کر سکتی ہے مگر ان میں رد و بدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ امور جن کے لئے بالاتر قانون ساز نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے ہیں، ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصول عامہ کے مطابق مقتنہ ہر ضرورت کے لئے قانون سازی کر سکتی ہے، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شارع نے ان کو اہل ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

عدلیہ اور اس کے اختیارات:

عدلیہ ہر طرح کی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہونی چاہئے، تاکہ وہ عوام اور حکام سب کے مقابلہ میں قانون کے مطابق بے لاگ فیصلہ دے سکے۔ اسے لازماً ان حدود کا پابند رہنا ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ اپنی اور دوسروں کی خواہشات سے متاثر ہوئے بغیر ٹھیک ٹھیک حق اور انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔“ (سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۸)

ریاست کا مقصد:

ریاست کو دو بڑے مقاصد کے لئے کام کرنا چاہئے۔ اول یہ کہ انسانی زندگی میں عدل قائم ہو اور ظلم و جور ختم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت اور لوگوں کے لئے منافع ہے۔“ (سورۃ نمبر ۵۷، آیت نمبر ۲۵)

ریاست کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ حکومت کی طاقت اور وسائل سے بھلائی اور نیکی کو ترقی دی جائے اور برائی کو دبایا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔“ (سورۃ نمبر ۲۲، آیت نمبر: ۴۱)

حدیث مبارکہ میں ہے:

”ان الله يزع بالسلطان ما لا يزع بالقران“

”اللہ تعالیٰ (اپنے اطاعت گزاروں کی) حکومت کی قوت کے ذریعے وہ کام لیتا ہے جو وہ (محض) قرآن (کے تلقینی ذریعے) سے نہیں لیا کرتا۔“

بنیادی حقوق

اس نظام میں رہنے والے مسلم و غیر مسلم باشندوں کے بنیادی حقوق یہ ہیں جنہیں تعدی سے محفوظ رکھنا ریاست کا فرض ہے:

- 1: جان کا تحفظ۔
- 2: حقوق ملکیت کا تحفظ۔
- 3: عزت کا تحفظ۔
- 4: نجی زندگی کا تحفظ۔
- 5: قلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔
- 6: امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔
- 7: آزادی اجتماع۔
- 8: ضمیر و اعتماد کی آزادی کا حق۔
- 9: مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق۔
- 10: بس اپنا جواب دہ ہونا۔
- 11: بغیر ثبوت کے کارروائی نہ کی جائے۔
- 12: حاجت مند اور معذور افراد کو ضروریات کی فراہمی۔
- 13: مساوات کا پرچار۔

جان کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔“

(سورۃ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۳۳)

حقوق ملکیت کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔“ (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۱۸۸)

عزت کا تحفظ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے اور نہ تم ایک دوسرے کو عیب لگاؤ، نہ ایک دوسرے کو برے لقب دو، نہ تم میں سے کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بدی کرے۔“

(سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر: ۱۱ اور ۱۲)

نجی زندگی کا تحفظ:

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔“

(سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر: ۲۷)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور لوگوں کے بھید نہ ٹٹلو۔“ (سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر: ۱۲)

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ کسی پر زبان کھولنا پسند نہیں کرتا الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔“

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۱۳۸)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”تم وہ بہترین امت ہو جسے نکالا گیا ہے لوگوں کے لئے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ (سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر: ۱۱۰)

آزادی اجتماع:

اسلام میں آزادی اجتماع کی اجازت ہمیشہ طیکہ وہ نیکی اور بھلائی کے لئے استعمال ہو اور معاشرے میں تفرقے اور بنیادی اختلاف برپا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور ہونا چاہئے تم میں سے ایک گروہ جو دعوت دے بھلائی کی طرف، حکم دے نیکی کا اور روکے بدی سے، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو متفرق ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا، جبکہ ان کے پاس واضح ہدایت آچکی تھی۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔“ (سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۰۴ اور ۱۰۵)

ضمیر و اعتماد کی آزادی کا حق:

- 1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:
- ”دین میں جبر نہیں ہے۔“ (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۵۶)
- 2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:
- ”کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔؟“ (سورۃ نمبر ۱، آیت نمبر: ۹۹)
- 3: ارشاد باری تعالیٰ ہے:
- ”فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔“ (سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۱۹)

مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو۔“

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر: ۱۸)

اس معاملہ میں قرآن مجید یہ صراحت کرتا ہے کہ مذہبی اختلافات میں بحث تو کی جاسکتی ہے مگر وہ احسن طریقہ سے ہونا چاہئے۔

خود اپنا جواب دہ ہونا:

اسلام کہتا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ دوسروں کے اعمال کی ذمہ داری میں اسے نہ پکڑا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ہر تنفس جو کماتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔“

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۸۳)

بغیر ثبوت کے کارروائی نہ کی جائے:

اسلام کہتا ہے کہ کسی شخص کے خلاف کوئی کارروائی ثبوت کے بغیر اور انصاف کے معروف تقاضے پورے کئے بغیر نہ کی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو بے جانے بوجھے نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔“

(سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر ۶)

حاجت مند اور معذور افراد کو ضروریات کی فراہمی:

اسلام کہتا ہے کہ حاجت مند اور محروم افراد کو ان کی ناگزیر ضروریات زندگی فراہم کی جائیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور ان کے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والے اور محروم کا۔“

(سورۃ نمبر ۵۱، آیت نمبر ۱۹)

مساوات کا پرچار

اسلام کہتا ہے کہ ریاست اپنی رعایا میں تفریق اور امتیاز نہ رکھے، بلکہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فرعون نے زمین میں سر اٹھایا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا۔ جن

میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور بنا کر رکھتا تھا۔ یقیناً وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔“

اسلامی ریاست کی خصوصیات

قرآن مجید کے ان نکات میں جس ریاست کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

حاکمیتِ الہیہ کی ماتحتی:

ایک آزاد قوم کی طرف یہ شعوری عہد اس ریاست کو جوڈ میں لاتا ہے کہ وہ پوری خود مختاری کے مالک ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے خود رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی اور اس کے ماتحت حاکمیت کی بجائے خلافت کی حیثیت قبول کر کے ان ہدایات و احکام کے مطابق کام کرے گی جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا کئے ہیں۔

تھیا کر لسی کی مخالفت:

وہ حاکمیت کو اللہ کے لئے خاص کرنے کی حد تک تھیا کر لسی سے الگ ہو جاتا ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے کسی خاص طبقے کو خدا کی خصوصی خلافت ٹھہرانے اور حل و عقد کے سارے اختیارات اس طبقے کے حوالے کر دینے کے بجائے وہ حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل ایمان کو (جنہوں نے رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا شعوری عہد کیا ہے) خدا کی خلافت کا حامل قرار دیتی ہے اور حل و عقد کے آخری اختیارات مجموعی طور پر ان کے حوالے کرتی ہے۔

ریاست کے قوانین سب کے لیے:

وہ جمہوریت کے اس اصول میں "Democracy" سے متفق ہے کہ حکومت کا بننا، بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہئے، لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ ریاست کا قانون، اس کے اصول حیات کو داخلی و خارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع سب اس کی خواہشات کی تابع ہوں اور جدھر وہ مائل ہوں یہ ساری چیزیں بھی اس طرف مڑ جائیں، بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اخلاقی احکام و ہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں، نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجموعی طور پر

پوری قوم کو، الایہ کہ قوم خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرۂ ایمان سے نکل جائے۔

مسلم وغیر مسلم کے مدنی حقوق:

وہ ایک نظریاتی ریاست ہے جس کو چلانا فطرتاً انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس کے بنیادی نظریے اور اصول کو تسلیم کرتے ہوں، لیکن تسلیم نہ کرنے والے جتنے لوگ بھی اس کے حدود میں تابع قانون ہو کر رہنا قبول کر لیں انہیں وہ تمام مدنی حقوق اسی طرح دیتی ہے جس طرح تسلیم کرنے والوں کو دیتی ہے۔

ملکی اور عالمی ریاست بننے کی اہل:

اسلامی ریاست ایک ایسی ریاست ہے جو رنگ، نسل، زبان یا جغرافیہ کی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ زمین کے ہر گوشے میں نسل انسانی کے جو افراد بھی چاہیں ان اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں اور کسی امتیاز و تعصب کے بغیر بالکل مساوی حقوق کے ساتھ اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لئے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی۔ اس طرح کسی قوم سے کشمکش کے بجائے ان کے درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہوگا اور وہ کسی وقت بھی متفق ہو کر اپنا ایک عالمگیر وفاق قائم کر سکیں گی۔

داخلی و خارجی نظام کے اصول:

سیاست کو مفاد اور اغراض کے بجائے اطلاق کے تابع کرنا اور اسے خدا ترسی و پرہیزگاری کے ساتھ چلانا اس ریاست کی اصل روح ہے۔ اس میں فضیلت کی بنیاد اخلاقی فضیلت ہے۔ اس کا رخیر کے فرماؤں اور اہل حل و عقد کے انتخاب میں بھی ذہنی و جسمانی صلاحیت کے ساتھ اخلاق کی پاکیزگی سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اس کے داخلی نظام کا بھی شعبہ دیانت، امانت اور عدل و انصاف پر چلنا چاہئے اور اس کے خارجی نظام کا بھی ہر شعبہ دیانت و امانت اور عدل و انصاف پر چلنا چاہئے۔ اس کی خارجی سیاست بھی پوری راست بازی، قول و قرار کی پابندی، امن پسندی، بین الاقوامی عدل اور حسن سلوک پر قائم ہونی چاہئے۔

مقصدی ریاست:

یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لئے نہیں ہے کہ اس کا کام صرف نظم و ضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو، بلکہ یہ ایک مقصدی ریاست ہے جسے ایجابی طور پر اجتماعی عدل اور بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے استیصال کے لئے کام کرنا چاہئے۔

ریاست کی بنیادی قدریں:

حقوق، مرتبے اور مواقع میں مساوات، قانون کی فرما روائی، نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون، خدا کے سامنے ذمہ داری کا احساس، حق سے بڑھ کر فرض کا شعور، افراد، معاشرے اور ریاست سب کا ایک مقصد پر متفق ہونا اور معاشرے میں کسی شخص کو ناگزیر لوازم حیات سے محروم نہ رہنے دینا یہ ریاست کی بنیادی قدریں ہیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

فرد اور ریاست کا تعلق:

اسلام نے فرد اور ریاست کے درمیان اس نظام میں ایسا توازن قائم کیا ہے کہ نہ ریاست مختار مطلق اور ہمہ گیر اقتدار کی مالک بن کر فرد کو اپنا بے بس مملوک بنا سکتی ہے اور نہ فرد بے قید آزادی پا کر خود سر اور اجتماعی مفاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ اس میں ایک طرف افراد کو بنیادی حقوق دے کر اور حکومت کو بالاتر قانون اور شوریٰ کا پابند بنا کر انفرادی شخصیت کے لئے نشوونما کے پورے مواقع فراہم کئے گئے ہیں اور اقتدار کی بے جا مداخلت سے اس کو محفوظ کر دیا گیا، مگر دوسری طرف فرد کو بھی ضابطہ اخلاق میں کسا گیا ہے اور اس پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ قانون خدا مددی کے مطابق کام کرنے والی حکومت کی دل سے اطاعت کرے۔ بھلائی میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کرے، اس کے نظام میں خلل ڈالنے سے باز رہے اور اس کی حفاظت کے لئے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

اسلام کی اہم ترین معاشی تعلیمات

دین اور معاشی زندگی کا تعلق:

سب سے پہلے قرآن مجید فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریہ کو ختم کرتا ہے

کہ اخلاق اور مذہب کو معاشی زندگی سے بھلا کیا سروکار؟ قرآن مجید پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝“

(سورۃ الجمعہ، آیت نمبر: 10-9)

”مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد (نماز جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

معاش کے لیے قرآنی اصطلاح..... فضل اللہ:

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو ”فضل اللہ“ کہا گیا ہے اور اس سے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ سب اللہ کی عنایت سے ہے اور معاشی زندگی میں بھی انسان کو اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بننا چاہئے جس طرح باقی تمام زندگی میں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ“

”(حقیقی متقی) وہ لوگ (ہیں) جنہیں خرید و فروخت اور تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔“

(سورۃ النور، آیت نمبر: ۳۷)

اسلام کا معاشی عدل:

قرآن مجید کی معاشی تعلیمات کا ایک اہم مقصد انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام ہے۔ مثبت طور پر جو چیزیں ظلم و تعدی کا ذریعہ بنتی ہیں ان کا سد باب کیا گیا ہے۔ اس کام میں جو مرکزی قدر سامنے آتی ہے وہ معاشی عدل کا قیام ہے۔

اسلام کے مثبت معاشی نظام کے مقاصد:

اسلام کے مثبت معاشی مقاصد میں قیام عدل، معاشی فارغ البالی کا حصول، غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔

معاشی تنگی کا حل اور اس سے پیدا ہونے والی بد حالی کا سد باب:

اسلام معاشی تنگی کو دور کرنے کا طریقہ یہ بتاتا ہے کہ حصول رزق کی کوشش کی جائے اور پیداوار بڑھانے کے لئے ذرائع کو استعمال میں لایا جائے۔ اسلام محض غربت، افلاس یا معیار زندگی کے گرنے کے خطرے سے انسان کشی اور زندگی کو تلف کرنے کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کہتا ہے کہ معاشی مسئلہ کا حل انسانوں کو کم کرنا نہیں بلکہ معیشت کو فروغ دینا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

”وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تَقْتُلُوهُمْ كَانَ خَطَا كَبِيرًا“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۳۱)

”اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں اور ان کو، سب کو رزق دیں گے۔ بیشک ان کو مار ڈالنا بہت بڑی خطا ہے۔“

اسلام میں غربت و افلاس کا حل:

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ غربت اور افلاس اور معیار زندگی کے گرنے کے خطرے کے سبب قتل اولاد سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید آبادی کے حقیقی مسئلے کا حل اضافی پیداوار کی شکل میں کرتا ہے، انسان کو کم کرنے کی شکل میں نہیں۔

آمدنی کے جائز ذرائع اختیار کرنے کا حکم:

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔ وہ اس نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلامی آئیڈیالوجی صرف جائز

اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش کرے گی اور تمام ذرائع کا بھی انسداد کرے گی جو حرام ہیں اور جن کو شریعت ناجائز و ناپسند قرار دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۶۸)

”اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔“

سود کی بیخ کنی:

پھر ان چیزوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے جو حرام ہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر سود ہے۔ خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو۔ قرآن مجید نے سود کو خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔ اس طرح اسلام آمدنی کے ان تمام ذرائع کو بند کر دیتا ہے جو غیر منصفانہ ہیں اور جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد اور عدم استحکام رونما ہوتا ہے۔

حلال و طیب اور جائز ذرائع:

اسلام نے حلال کے ساتھ ”طیب“ کی بھی قید لگائی ہے۔ مطلب یہ کہ کسب معاش میں محض یہ احتیاط کافی نہیں ہے کہ چیز اللہ کی حرام کی ہوئی اشیاء کی فہرست میں سے نہ ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ چیز جائز ذریعہ سے حاصل کی جائے، ورنہ اگر جائز ذریعہ سے حاصل نہ کی جائے گی تو وہ بھی حرام ہی قرار پائے گی۔

جائز مصارف پر خرچ:

طلب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسراف و تبذیر سے روکتا ہے، جس کی وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری مقاصد کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”وَلَا تَبْذُرُوا ثَمَارَكُمْ فِي سُبُلٍ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي الْوُجُوهِ“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۲۶ اور ۲۷)

”اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ، کیونکہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے

بھائی ہیں۔“

سرمایہ درانہ نظام کی بنیاد:

اسلام نے دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہو جانے کو بھی پسند نہیں کیا اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ منصفانہ ہو اور وہ پورے معاشرہ میں گردش کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”لَا يَكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ“

(سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۷)

”ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تم میں سے امیروں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔“

گردش دولت کے مختلف طرائق:

اسلام میں دولت کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:

- | | |
|--------------------|-----------------|
| 1: زکوٰۃ۔ | 2: صدقات واجبہ۔ |
| 3: انفاق۔ | 4: وراثت۔ |
| 5: حق سوی الزکوٰۃ۔ | 6: العضو۔ |

۱۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس کے ذریعہ دولت مستقل امراء سے غربا کی طرف منتقل ہوتی ہے اور اس طرح اس کی گردش پورے معاشرہ میں عمل میں آتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقراء و مساکین کا ”حق“ ہے۔

۲۔ صدقات واجبہ:

بہت سے صدقات مقرر کئے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ جیسے صدقہ فطر وغیرہ۔ یہ صدقات بھی مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق:

اسلام مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اسلام مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تقسیم دولت کو منصفانہ کرنے کا یہ ایک موثر ذریعہ ہے۔

۴۔ وراثت:

اسلام میں میت کے وارثوں کے لیے میت کے چھوڑے ہوئے مال سے حصے مقرر کیے ہیں۔ اسلام نے وراثت میں عورت اور مرد دونوں کو شریک کیا ہے حتیٰ کہ اسلام میں خنثی بھی وراثت کا حصہ پاتا ہے۔ وراثت کا معنی ہے کہ ایک شخص کی وفات پر اس کی دولت کی منصفانہ تقسیم اس کے پورے خاندان میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ۔

۵۔ حق سوی الزکوۃ:

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے استحکام حکومت اور قیام انصاف کیلئے صرف کرے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”ان فی المال حقاسوی الزکوۃ“ (جامع الترمذی)

”بیشک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔“

۶۔ العفو:

اسلام نے انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا ہے کہ اگر اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ ہو تو وہ اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کر دے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹)

”وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے العفو (جو ضرورت سے زیادہ ہو)۔“

اسلام کے دو بنیادی اصول:

اسی طرح قرآنی تعلیم پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی پالیسی کے دو بنیادی اصول ”فروغ پیداوار“ اور ”دولت کی منصفانہ تقسیم“ ہیں۔

انسان کی حیثیت..... امین متصرف:

کتاب الہی تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتی

ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان عظیم کو تر ملکیت کے تصور کے تحت "امین متصرف" کی حیثیت سے انفرادی ملکیت کا حق دیتی ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں، لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔

تصور ملکیت:

بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں ملکیت کی حیثیت ایک امانت کی سی ہے جسے خالق کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا ہے جو ایک انقلابی تصور ہے۔ یہ انقلابی تصور سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے تصور ملکیت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

اسلامی ریاست کے معاشی وظائف کا مثبت تصور:

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی، فلاحی اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ ایک سماجی فلاح کی اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست معاشی انصاف قائم کرتی ہے۔

اسلامی ریاست کے معاشی فرائض:

اسلام کے مطالبات کا کوئی وارث نہیں، اس کی ریاست وارث ہے۔ ناداروں اور یتیموں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کی ذمہ داری لے۔

اسلام کی اہم ترین معاشرتی تعلیمات

عقیدہ اور عمل:

اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کئے ہیں وہ ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کئے گئے ہیں۔

اسلام نے معاشرتی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت عقیدہ اور مقاصد کی ہم آہنگی کو دی ہے۔ دو مختلف انسانوں کے درمیان تعلقات اسی وقت استوار ہو سکتے ہیں جب ان کے درمیان عقیدہ اور عمل کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے انسانی سوسائٹی کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

1: مومن۔ 2: کافر۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”هو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن“

(سورۃ التغابن، آیت نمبر ۲)

”وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا۔ تو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن۔“

اسلام نے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”انما المومنون اخوة“

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۰)

”بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔“

دوسری جگہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر کافر سے دوستی پیدا نہ کرے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان عقیدہ اور مقاصد میں سے کسی کی بھی یگانگت نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے

”لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۲۸)

”مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد و ہمساز ہرگز نہ بنائیں۔“

خاندانی زندگی کے متعلق تعلیمات:

اسلام نے انسانی زندگی کی تنظیم کرتے وقت خاندان کو خشتِ اول قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ معاشرت کی بنیاد مرد اور عورت کے تعلقات کے توازن پر رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے مرد کے لئے جو دائرہ کار موزوں تھا وہ اس کے لئے اور عورت کے لئے جو دائرہ کار فطری طور پر مناسب تھا وہ اس کے لئے مقرر کر دیا۔ اس سلسلے میں گھر کی دیکھ بال، بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری

کو سرانجام دینا عورت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی خاطر خواہ تکمیل اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ عورت گھر کے دائرہ کو اپنی مملکت سمجھے۔ یہ دائرہ محدود نہیں بلکہ نہایت وسیع ہے اور انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے کیونکہ خاندان انسانی معاشرہ کی اکائی ہے۔

درس مساوات:

قرآن کریم کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور سارے حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر فرق و امتیاز جائز نہیں۔ ایمان اور عمل صالح یعنی تقویٰ ہی وہ بنیاد ہے جس کی رو سے ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلے میں فضیلت اور برتری حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے:

”یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم

شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے

بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ

عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۳)

اور اس نکتہ کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:

”لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا

بالتقویٰ“

”کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، مگر

صرف تقویٰ کے لحاظ سے۔“

عظمت انسان..... مرد اور عورت دونوں یکساں قابل عزت:

قرآن کریم نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد تمام انسانوں کی مساوات اور انسانی شرافت

پر رکھی ہے اور پوری انسانیت کے فطری شرف کا یوں اعلان عام کیا ہے:

”ولقد کرمنا بنی ادم“

”بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔“

اور فرمایا:

”فضلنہم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفصیلاً“

”اور ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۷۰)

اس شرف و فضیلت میں قرآن مجید کی رو سے مراد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ قرآن مجید اس بات کا انکار کرتا ہے کہ عورت اولین گناہ کا سبب بنی، صنف نازک انسانی نقطہ نظر سے مرد کے مقابلے میں فروتر ہے یا وہ کوئی ناگزیر برائی ہے جیسا کہ بعض فلاسفر اے اسی طرح پیش کرتے ہیں۔ اسلام تمام مخلوق کو ”عیال اللہ“ سمجھتا ہے جس سے اللہ کو یکساں محبت ہے۔

عائلی زندگی کے متعلق تعلیمات:

مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان بنتا ہے، جو کہ اسلامی معاشرت میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتہ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے رشتہ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں نکاح کو اہل بنایا جائے۔ اسلام میں چند مخصوص قریبی رشتہ دار عورتوں اور مشرکات کو چھوڑ کر باقی تمام عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اگر ازدواجی زندگی میں کشیدگی ہو تو مرد کے لئے طلاق اور عورت کے لئے خلع کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ اس طرح مرد و عورت کے آزادانہ اور بے لگام میل جول کی جزا کاٹ دی گئی۔

خاندانی زندگی کے بارے میں قرآن کریم نے جو خصوصی ہدایات دی ہیں یا مرد اور عورت کے لئے جو حدود کار اور فرائض اور حقوق مقرر کئے ہیں وہ مختصر احسب ذیل ہیں:

1: مرد کو خاندان کے معاش، تمدنی اور سیاسی زندگی کا نگران مقرر کیا گیا ہے اور عورت کو خاندان کی گھریلو زندگی، بچوں کی تربیت، نشوونما، ان کی تعلیم اور دوسری ضروریات کا نگہبان مقرر کیا گیا ہے۔

2: عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ کریں، اندرون خانہ کے فرائض سرانجام دیں، حتیٰ الامکان عام حالات میں مرد کے ساتھ گھر سے باہر کی تگ و دو میں شریک نہ ہوں اور آرائش و

زیبائش کا برملا اظہار نہ کریں۔ اگر انہیں کسی کام کے لئے باہر جانا بھی پڑے تو پردہ کریں۔ چنانچہ
www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ“
 ”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں اظہارِ تجمل
 کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔“

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۳۳)

3: مرد اور عورت کا باہمی تعلق نہایت مقدس ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو حکم ہے کہ وہ
 ایک دوسرے کے مخلص اور وفادار رہیں، بلکہ یک جان دو قالب ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”هَن لِبَاسٍ لَكُمْ وَانْتُمْ لِبَاسٍ لِهِنَّ“
 ”وہ (عورتیں) تمہارا (مردوں کا) لباس ہیں اور تم (مرد) ان (عورتوں) کا لباس ہو۔“
 (سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۸۷)

سورۃ الروم میں ارشاد ہے:

”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا
 وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً“

”اور اس کے نشانات میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازدواج
 پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف مائل ہو کر آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا
 کر دی۔“ (سورۃ الروم، آیت نمبر: ۲۱)

4: عورتیں اپنے شوہروں کے لئے وجہ تسکین ہوتی ہیں۔ مرد اور عورت کے ازدواجی
 تعلق کا مقصد محض شہوت اور تسکین نفس قرار نہیں دیا گیا بلکہ اسے تمدنی فریضہ قرار دیا گیا ہے، جس
 سے نسل انسانی کا ارتقاء ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عورت کا فرض بچے پیدا کرنا ہی نہ ہو بلکہ
 ان کی تعلیم و تربیت کی مناسب پرورش بھی ہو۔

5: اسلام نے وسیع تر انسانی مفاد اور ضرورت کے تحت ایک سے زیادہ شادیوں کی
 اجازت دی ہے۔ اسلام نے اس صورت میں حکم دیا ہے کہ اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو مرد کو
 چاہئے کہ ان کے درمیان ممکنہ حد تک انصاف و عدل کا رویہ اختیار کرے۔ ایک ہی طرف نہ جھک
 جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”فلا تمیلوا کل الميل فتذروها کالمعلقة“

”اور ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔“

6: اسلام کا حکم ہے کہ اگر مرد اور عورت کے درمیان جدائی ناگزیر بھی ہو تو بھی شرافت

اور ہمدردی کے ماحول میں ہو۔ اگر اس سے قبل عورت کو ہدایہ اور تحائف دیئے گئے ہوں تو وہ واپس نہ لئے جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”ولا یحل لکم ان تاخذوا ممالئتموهن شیاء“

”اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو تم نے ان کو دیا اس میں سے کچھ لو۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”فمتعوهن و سرحوهن سراحا جمیلاً“

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۴۹)

”ان کو کچھ متاع اور کوئی فائدہ دے کر اچھی طرح سے رخصت کرو۔“

اسلام میں عورتوں کے حقوق

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

”ان المسلمین والمسلمت والمومنین والمومنات والقننین

والقننت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرت

والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت

والصائمین والصائمات والحفظین وفروجہم والحفظت

والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعد اللہ لہم

مغفرة واجر اعظیما“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 35)

”پیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمان بردار

مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے

والی عورتیں، ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور

صدقہ کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں،

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار فرما رکھا ہے۔“

سب سے پہلے ہم حقوق اور جدیدیت وغیرہ کے معانی پر غور کرتے ہیں۔ چنانچہ ”آکسفورڈ“ ڈکشنری کے مطابق ”حقوق نسواں“ (Women's Rights) سے مراد وہ حقوق ہیں جو عورتوں کو وہی قانونی اور سماجی مقام دلائیں جو مردوں کو حاصل ہے۔ عورتیں مردوں کی برابری میں جن حقوق کی آواز اٹھاتی ہیں ان میں ووٹ ڈالنے کا حق اور وراثت میں حصہ وغیرہ شامل ہیں۔

”ماڈرن“ (Moderneze) کے معنی جدید بنانے، ڈھالنے اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے ہیں یعنی جدید آسائشوں اور ضروریات کو اپنانا ”ماڈرن“ کہلانے کے مترادف ہے۔

”Webster's“ ڈکشنری کے مطابق ماڈرن (Modernising) کا مطلب ایک جدید انداز اور ظاہری طور پر لیتے اپنانے کا نام ہے۔ مثال کے طور پر اپنے نظریات کو جدید بنانا وغیرہ۔ مختصر طور پر ماڈرن (Modernising) وہ عمل ہے جس کے ذریعے موجودہ قائم شدہ حالات کو نیا کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی موجودہ حالت کو برقرار رکھنے کا نام نہیں ہے۔!

کیا ہم خود کو جدید بنا سکتے ہیں؟ کیا ہم خود کو مشکلات سے نکال سکتے ہیں کہ تمام نسل انسانی کو زندگی کا ایک نیا روپ بخش سکیں۔؟؟ میرا موضوع ان جدید خیالات پر مشتمل نہیں ہے جس میں ضعیف سائنسدانوں اور ناتجربہ کار نااہلوں کے تجربات و نتائج کا نچوڑ شامل ہو۔ جس میں بتایا گیا ہو کہ ایک عورت کو زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔

میں اُن نتائج کو اپنے موضوع کی بنیاد بناؤں گا جو کہ سچائی پر مشتمل ہیں اور جن کو تجربے کی آنکھ سے پڑکھا جاسکتا ہے۔ تجربہ اور غیر جانبدارانہ تخلص تجزیہ ہی سچائی کی چمک دمک کیلئے آزمودہ نسخہ و تھیوری ہے۔

ہمیں اپنی سوچ کو حقیقت کے آئینے میں پرکھنا ہوگا۔ نہیں تو اکثر ہماری سوچ و بچار حقیقت کی راہ سے بھٹک جائیگی۔ مغربی میڈیا جس طرح اسلام میں عورتوں کے حقوق کو پیش کرتا ہے اگر آپ اس سے اتفاق کیا جائے تو کوئی شک نہیں کہ آپ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اسلام میں عورتوں کے

حقوق فرسودہ ہیں۔ مغرب عورت کی جس آزادی کی بات کرتا ہے وہ اصل میں ایک گمراہی کی راہ ہے جس میں عورت کے جسم کی نمائش کر کے اس کو عزت سے محروم کرنا اور اس کی روح کو پامال کرنا مقصود ہے۔

مغربی معاشرہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کو جدید دور کے متقاضی بنانے کی جو بات کرتا ہے اس نے عورت کو محض داشتہ اور طوائف بنا کر رکھ دیا ہے، جو کہ جنس کے کاروبار کرنے والوں اور جنسی لذت والوں کیلئے محض کھلونا ہیں۔ یہ عورتیں آرٹ اور کلچر کے رنگیں پردے کی آڑ میں بھٹک چکی ہیں۔

اسلام کے انقلابی نظام نے عورت کو اس کے حقوق بخشے اور عورت کو آج سے 1428 سال قبل کے جاہلیت کے معاشرے میں عزت و احترام بخشا۔ اسلام کا مقصد ہماری سوچ، ہمارے رہن سہن، ہماری سماعت و بصارت، ہمارے جذبات و احساسات کو ان رویوں سے نجات دلانا تھا جو کہ عورت سے متعلق معاشرے میں موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے موضوع کو تفصیلاً بڑھاؤں میں آپ کی توجہ چند اہم نکات کی طرف دلانا چاہوں گا:

1: دنیا کا 1/5 حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ان میں مختلف معاشرے ہیں۔ جن میں کچھ اسلام سے زیادہ نزدیک ہیں اور کچھ اسلام سے دور ہیں۔

2: اسلام میں بیان کئے گئے عورتوں کے حقوق کا مصدقہ ذرائع سے جائزہ لینا چاہیے بجائے اس کے کہ یہ دیکھتے ہوئے کہ ایک مسلم معاشرے میں مسلمان کیا کرتے ہیں۔

3: اسلام کو سمجھنے کا مصدقہ ذریعہ قرآن مجید ہے جو کہ کلام الہی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ مسلمانوں کا حقیقی ورثہ ہے۔

4: قرآن مجید میں کوئی بھی بیان کی گئی بات دوسرے سے متصادم نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ دونوں مآخذات دین (قرآن و حدیث) آپس میں متصادم ہوں گے۔

5: بعض اوقات مختلف علماء کے مابین کچھ تفرقہ ہو اور اکثر اوقات یہ فرق قرآن مجید کو مجموعی طور پر سمجھتے ہوئے ختم کیا جاسکتا ہے بجائے اس کے کہ آپ صرف ایک مخصوص آیت کا حوالہ دیتے رہیں کیونکہ اگر کسی جگہ قرآنی آیت میں کچھ وضاحت طلب بات ہو تو اکثر اوقات اس کا جواب قرآن مجید میں کسی اور جگہ پردے دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ ایک آیت کا حوالہ دے کر باقی تمام حوالوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

6: ہر مسلمان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا طالب ہو اور اس کا نائب بن کر اس دنیا میں رہے۔ بجائے اس کے کہ شہرت حاصل کرنے یا نفس اور آنا بلند کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔

اسلام عورت اور مرد کی برابری کا یقین دلاتا ہے۔ اس برابری کا مطلب یکساں ہونا نہیں۔ اسلام میں عورت اور مرد کا کردار تو صنفی ہے۔ یہ کسی فساد کو لئے ہوئے نہیں بلکہ باہمی تعاون پر مشتمل ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں کہ اس میں کوئی ایسی نزعی کیفیت ہو کہ ہم میں سے بہتر کون ہے۔؟ جہاں تک اسلام میں عورتوں کے حقوق کی بات ہے تو اسلام انہیں درج ذیل چھ بنیادی حصوں میں تقسیم کرتا ہے:

- 1: مذہبی و روحانی حقوق۔
- 2: معاشی حقوق۔
- 3: معاشرتی حقوق۔
- 4: تعلیمی حقوق۔
- 5: قانونی حقوق۔
- 6: سیاسی حقوق۔

اسلام اور عورتوں کے مذہبی و روحانی حقوق:

مغرب کی سب سے بڑی غلط فہمی اسلام سے متعلق یہ ہے کہ جنت صرف مردوں کیلئے ہے اور عورتوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کو سورۃ نساء آیت نمبر 124 کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”من يعمل من الصلح من ذکر او انثی و هو مو من فاولئک یدخلون الجنة و لا یظلمون نقیراً“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 124)

”اور جو کوئی نیک عمل کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہو صاحب ایمان تو ایسے لوگ

جنتی ہیں اور ان کی تل (ذرہ) برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔“

یہی بات سورت نحل کی آیت نمبر 97 میں دہرائی گئی ہے۔ فرمایا:

”من عمل صالحا من ذکر او انثی و هو مو من فلنحییہ حیوة طیبہ و لنجزینہم اجرہم باحسن ما کانوا یعملون“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 97)

”جو کوئی نیک اعمال کرے چاہے مرد ہو یا عورت، ہو ایمان والا تو ہم اس کو پاک

زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔“

اسلام جنت میں جانے کیلئے مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں کرتا۔

اسلام کے متعلق اہل مغرب کو جو دوسری غلط فہمی ہے وہ یہ ہے کہ عورت میں کوئی روح

نہیں ہے۔ اصل میں یہ بات سترھویں صدی عیسوی میں روم میں منعقد کی گئی داناؤں کی مجلس میں

متفقہ طور پر منظور کی گئی کہ عورت کوئی روح نہیں رکھتی۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں

روح کی فطرت یکساں ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید کچھ یوں کہتا ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے

اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے زمین میں بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور

اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں ناطے جوڑتے ہو اور (خیال رکھو) رشتوں

کا بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“

سورۃ النحل میں فرمایا گیا:

”وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ

أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرِزْقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 72)

”اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے

تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاک چیزیں عطا کیں۔“

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

”فَاطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا

وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُكُمْ فِيهِ لِيَصْطَفِيَ لَكُمْ مِنْهُمْ مَا تَوَدُّونَ“

السمیع البصیر ۵

(القرآن المجید، پارہ نمبر 25، سورۃ نمبر 42 (الشوریٰ)، آیت نمبر 11)

”وہ (اللہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا والا ہے، اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے اور چوپایوں کے جوڑے بنائے، وہ تمہیں اس دنیا میں پھیلاتا ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ۵“

کیا آپ اسلام کو محض اس بات پر فرسودہ کہیں گے کہ اس نے مرد اور عورت کی روح کو فطرت میں یکساں کہا ہے۔؟ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح انسانوں میں پھونکی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مرد تھے یا عورتیں۔ ارشاد ربانی ہے:

”پھر اس نے اس کے اعضاء کو ٹھیک کیا اور اس میں پھونکی اپنی (طرف سے) روح اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، پھر بھی تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ ۵“

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 32 (السجدة)، آیت نمبر 9)

ہم قرآن مجید میں یہ پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ سورۃ الاسراء میں ہے:

”ولقد کرمنا بنی ادم و حملنہم فی البر و البحر و رزقنہم من الطیبت و فضلنہم علی کثیر ممن خلقنا تفصیلاً ۵“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (الاسراء)، آیت نمبر 70)

”اور تحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ ۵“

غور کیجئے گا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کہتا ہے:

”آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو شرف بخشا گیا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو۔!“

کچھ مقدس صحیفے مثلاً: انجیل میں حضرت حواء رضی اللہ عنہا پر یہ بہتان تراشی کی گئی ہے کہ ان کی وجہ سے نوع انسانی پر زوال آیا۔ حقیقت میں اگر آپ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 19 سے لے کر 27 تک کا مطالعہ کریں تو حضرت آدم علیہ السلام اور حواء رضی اللہ عنہما سے تقریباً درجن سے زیادہ بار خطاب کیا گیا ہے۔ دونوں کو شیطان سے پھسلایا، دونوں نے معافی

مانگی، دونوں نادم ہوئے اور دونوں کو معاف کر دیا گیا۔ اگر آپ بائبل میں "Genesis" کے باب نمبر 3 کا مطالعہ کریں تو اس میں صرف حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو انسانی معراج کے زوال کا قصور وار ٹھہرایا گیا ہے۔ بائبل میں "Genesis" کے باب نمبر 3 کی آیت 16 میں ہے۔

”حمل اور بچے کی پیدائش عورت کی تحقیر کا باعث ہیں۔“

بقول بائبل:

”درِ ذہ عورت کیلئے سزا کی مانند ہے۔“

اصل میں اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو اس میں حمل اور بچے کی پیدائش کے ذریعے عورت کی شان بڑھائی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ہے:

”واتوا النساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شيء منه

نفسا فكلوه هنيئا مريئا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 4)

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں

سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھا لو۔“

سورۃ لقمان میں ہے:

”ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا على وهن من

فصله في عامين ان اشكر لي والو الديك الى المصير“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 31 (لقمان)، آیت نمبر 14)

”اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی، اسے ا

سکی ماں تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر

کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا

بھی، میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے۔“

سورۃ احقاف میں ارشاد فرمایا:

”ووصينا الانسان بوالديه احسانا ط حملته امه

كرها ووضعتہ كرهاً وحملة و فصله ثلثون شهرا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 46 (الاحقاف)، آیت نمبر 15)

”اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جتا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس کو پہنچ جاتا ہے۔“

اسلام کہتا ہے کہ عورت کا حاملہ ہونا اس کیلئے عزت افزائی اور فخر کا باعث ہے نہ کہ تحقیر کا۔ حمل عورت کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ اس نظریہ کو آپ فرسودہ کہیں گے یا جدید؟
www.onlyfor3.com
سورۃ الحجرات میں ہے: www.onlyoneorthree.com

”یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 49 (الحجرات)، آیت نمبر 13)

”اے لوگو! بیشک ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، بیشک اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔“

جنس، رنگ، نسل، قوم، قبیلے، رات، علاقے، ملکا، اور دولت کسی کا بھی اسلام میں کوئی معیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تقویٰ ہی معیار ہے۔ کوئی جنس کی تفریق نہیں کہ جنس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے لیے سزا یا جزا ہو۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”انی لا اضعی عمل عامل منکم من ذکر و انثی“
”بیشک میں کسی عمل کرنیوالے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، وہ (عمل کرنے والا) مرد ہو یا عورت۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 195)

قرآن مجید میں ہے:

”ان المسلمین و المسلمت و المؤمنین و المؤمنت و القنتین و القنت و الصدقین و الصدقت و الصبرین و الصبرت و الخشعین و الخشعت و المتصدقین و المتصدقت“

والصّائمين والصّائمات والحفظین فروجہم والحفظت
والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعد اللہ لہم
مغفرۃ واجرا عظیما“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 35)

”بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمان بردار
مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے
والی عورتیں، ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور
صدقہ کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں،
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی
عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی
عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار فرما رکھا ہے۔“

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام میں مرد اور عورت کے روحانی و اخلاقی اقدار یکساں ہیں۔
دونوں کیلئے ایمان لازمی ہے۔ دونوں کیلئے نماز و روزہ وغیرہ لازم ہیں۔

البتہ! عورت کیلئے اسلام میں ایک خصوصی گنجائش ہے، وہ یہ کہ اگر عورت ماہانہ ایام یا حمل
کے دور سے گزر رہی ہے تو اس کیلئے روزہ نہیں ہے وہ روزہ بعد میں رکھے گی جب وہ صحت مند
ہوگی۔ رہا نماز کا مسئلہ تو ماہانہ ایام اور حیض و نفاس کے ایام میں عورت کو نماز بالکل معاف ہے
۔ روزے کی قضا لازم ہے لیکن نماز کی قضا کسی بھی صورت لازم نہیں۔

اسلام میں عورتوں کے معاشی حقوق:

اسلام نے عورت کو مغرب سے تیرہ سو سال قبل ہی معاشی حقوق دے دیئے تھے۔ ایک بالغ
مسلم عورت اپنی مرضی سے کسی کے مشورے کے بغیر جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے۔ اس سے
متشبیٰ کہ وہ شادی شدہ ہے یا کنواری۔ 1970 میں انگلینڈ میں پہلی بار مغرب نے شادی شدہ
عورت کے حقوق سمجھے اور اس بات کو منظور کیا کہ وہ خود جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے۔

اسلام میں عورت اگر چاہے تو کام کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ایسا کوئی متن
نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ عورت کو کام کرنے سے روکا گیا ہے۔ بلکہ بعض امہات المومنین

رضی اللہ عنہا چہرہ نگار تگنے کا کام کیا کرتی تھیں۔ کام جب تک اسلامی شریعت کی حدود میں ہو اور عورت اپنا اسلامی لباس پورے اہتمام کے ساتھ قائم رکھے تو وہ کام کر سکتی ہے۔ شرعی طور پر عورتیں ایسی نوکری نہیں کر سکتی جس کیلئے انہیں اپنی خوبصورتی اور جسم کی نمائش کرنی پڑے۔ مثلاً ماڈلنگ اور فلمی اداکاری یا ایسی دوسری "Jobs" مثلاً ساقیا وغیرہ کی۔ بہت سے شعبے اور نوکریاں ایسی ہیں کہ جو شریعتاً مرد اور عورت دونوں کیلئے ممنوع ہیں۔ مثال کے طور پر جوا خانوں میں کام کرنا یا غیر اخلاقی، غیر مہذبانہ کاروبار۔ ایسی تمام نوکریاں مرد و عورت کیلئے منع قرار دی گئی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی معاشرے کی رو سے عورت کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹری کے شعبے کو اپنائے۔ ہمیں خواتین گانا کالوجسٹ، نرسوں اور خواتین اساتذہ کی ضرورت ہے لیکن سلام میں عورت پر کسی قسم کا معاشی بوجھ (ذمہ داری) نہیں ہے۔ معاشی ذمہ داری کا بوجھ مرد کے ذمے ہے۔ لہذا عورت کو زندہ رہنے کیلئے کسی جتن کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام میں کوئی عورت کو نوکری کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر وہ چاہے تو اپنی مرضی و رضامندی سے یا اپنی کسی مجبوری کے باعث نوکری کر سکتی ہے۔ وہ ان شعبوں میں نوکری نہیں کر سکتی جو حرام ہوں، جس میں اس کی عزت و آبرو کو خطرہ ہو یا جس میں اسے اپنی جسمانی نمائش کرنی پڑے۔ وہ گھر بیٹھ کر سینے کا کام کر سکتی ہے، کندہ کاری کر سکتی ہے، برتن سازی کر سکتی ہے اور وہ نوکریاں بنا سکتی ہے۔ اسے فیکٹریوں اور ان انڈسٹریز میں کام کرنے کی اجازت ہے جو کہ خصوصی طور پر عورتوں کیلئے مخصوص ہوں۔ وہ ان جگہوں پر کام کر سکتی ہے جہاں پر "Gents" اور "Ladies" کے علیحدہ "Section" (حصے) ہوں، کیونکہ اسلام مرد و زن کے آپس میں گھلنے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔ وہ کاروبار بھی کر سکتی ہے اور جہاں اسے کسی غیر مرد سے لین دین کی ضرورت پیش آئے جو کہ نامحرم ہو تو وہ اس کام کو اپنے باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کے ذریعے کر سکتی ہے۔ اگر چنداں ایسا نہ ہو سکتا ہو تو اسلامی تقاضوں کے مطابق چل کر وہ خود بھی اس سے لین دین کر سکتی ہے۔ میں آپ کو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہترین مثال دوں گا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ وہ اپنے زمانے کی نہایت کامیاب تاجرہ تھیں اور وہ اپنے شوہر کے ذریعے تجارت کیا کرتی تھیں۔

اسلام میں عورت کو بہ نسبت مرد کے زیادہ معاشی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ معاشی ذمہ داری اس کے کندھوں پر نہیں ہے بلکہ خاندان کے مرد کے ذمہ ہے۔ شادی سے پہلے یہ ذمہ داری عورت کے باپ، بھائی، دادا، چچا، ماموں اور تایا پر عائد ہوتی ہے اور

شادی کے بعد اس کے شوہر یا بیٹے پر۔ شادی کے بعد اسے اپنے گھر کا خیال رکھنا ہوتا ہے، بچوں کی نگہداشت، کپڑوں وغیرہ کی دیکھ بھال اور معاشی ضروریات کا دھیان رکھنا اس کی ذمہ داری بنتی ہے۔ جب وہ شادی شدہ ہو جاتی ہے تو وہ لینے والوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ وہ تحفہ لیتی ہے یعنی ”مہر“ جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے:

”وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نَحْلَةً فَإِن طَبَن لَّكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا“

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھا لو۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 4)

شادی کا فریضہ انجام دینے کیلئے مہر لازم ہے لیکن بد قسمتی کی بات ہے کہ مسلم معاشرے میں محض نام کا ”مہر“ ادا کیا جاتا ہے۔ 151 روپے، بعض لوگ 186 روپے اور بعض تو لوگ سوا 32 روپے دیتے ہیں اور وہ لاکھوں روپے زیب و آرائش، استقبال، پھولوں اور دعوت و طعام پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اسلام میں مہر کی نہ کوئی کم سے کم حد ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ لیکن ظاہر ہے کہ جو شخص استقبال پر لاکھوں خرچ کر سکتا ہے وہ یقیناً کافی زیادہ مہر ادا کر سکتا ہے۔

مسلم معاشرے خاص طور پر برصغیر پاک و ہند میں بعض بے معنی و فضول رسومات عود کر آئی ہیں۔ وہ شادی کے موقع پر بالکل معمولی ”حق مہر“ ادا کرتے ہیں اور اپنی بیوی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ جہیز میں فریج، ٹی وی لے کر آئے گی اور ان کو فلیٹ دلوائے گی۔ بعض تو سوچتے ہیں کہ وہ کار لے کر دے گی وغیرہ وغیرہ اور بہت زیادہ جہیز لا کر شوہر کے معیار زندگی کو تبدیل کر دے گی۔ اگر بیوی گریجویٹ ہے تو وہ ایک لاکھ کی توقع رکھتے ہیں، اگر وہ انجینئر ہے تو 3 لاکھ کی اور اگر وہ ڈاکٹر ہے تو پانچ چھ لاکھ کی توقع رکھتے ہیں۔ شوہر کا بیوی سے جہیز کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مطالبہ اسلام میں ممنوع ہے۔ اگر لڑکی کے والدین اپنی مرضی سے کچھ دینا چاہتے ہیں تو اس کی اجازت ہے لیکن اصرار سے بالواسطہ یا بلاواسطہ مانگنا اسلام میں قطعاً منع ہے۔ اگر عورت کام کرتی ہے تو وہ جو بھی کماتی ہے اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اگر چاہے تو خاوند کو دے اور اگر چاہے تو نہ دے۔ اسے گھر کی ضرورت پر ایک پائی خرچ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتی ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ بیوی کتنی ہی دولت مند ہو اس کے باوجود اسلام میں خرچ شوہر کی ذمہ داری

ہے۔ اسلام میں لازم ہے کہ مرد و عورت کی نگہداشت، کپڑے اور معاشی ضروریات کا خیال رکھے۔ طلاق کی صورت میں یا اگر عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو عدت کے دوران اسے معاشی طور پر سنبھالا دیا جاتا ہے اور اگر اس کے بچے ہیں تو بچوں کی کفالت بھی کی جاتی ہے۔ اسلام نے صدیوں پہلے عورت کو وراثت کے حقوق تفویض کر دیئے تھے۔ اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو کئی سورتوں کی آیات (جیسا کہ سورۃ النساء، سورۃ البقرہ، سورۃ المائدہ) میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عورت چاہے وہ بیوی ہے، ماں ہے، بہن ہے یا بیٹی ہے اس کا جائیداد میں حصہ ہے۔

اسلام میں عورتوں کے معاشرتی اور سماجی حقوق

اس عنوان میں ہم معاشی حوالوں سے عورت کو دیئے گئے حقوق کا تجزیہ کریں گے۔ ان حقوق کو ان چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

- 1: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت ماں۔
- 2: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت بہن۔
- 3: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت بیوی۔
- 4: اسلام میں عورتوں کے معاشرتی حقوق بحیثیت بیٹی۔

۱. اسلام میں ماں کے معاشرتی حقوق :

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس

کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر

پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنے رشتوں کا ذریعہ بناتے ہو اور

(قطع) ارحام سے (بچو) بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“

سورۃ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

”ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وهنا علی وهن وفصله

فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر (لقمان)، آیت نمبر 14)

”اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اسے اسکی ماں

تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر

کار دوبرس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو تمہیں

میری ہی طرف پلٹنا ہے۔“

سورۃ احقاف میں ہے:

”ووصینا الانسان بوالدیه احسن حملته امه کرھا ووضعتہ

کرھا وحملة وفصله ثلثون شهرا“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 46 (الاحقاف)، آیت نمبر 15)

”اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے

تکلیف کے ساتھ اٹھائے رکھا اور اس نے اسے تکلیف کے ساتھ جنا اور اس کا حمل

اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہوا۔“

ابن ماجہ اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

”ان الجنة تحت اقدام الامهات“

”بیشک جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔“

اس کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ بنیادی فرائض ادا کرنے کے بعد اگر آپ اپنی والدہ کی عزت

کرتے ہیں اور ماں کے ساتھ شفیق ہیں تو آپ انشاء اللہ جنت میں داخل ہوں گے۔!

اسح البخاری، باب نمبر 2 حدیث نمبر 2 میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم سے پوچھا کہ کون اس دنیا میں میری صحبت و احترام اور محبت کا سب سے زیادہ مستحق ہے تو

آپ نے جواب دیا:

”تمہاری ماں.....!!“

اس نے عرض کیا:

”اس کے بعد۔؟“

فرمایا:

”تمہاری ماں!!“

اس نے پھر عرض کیا:

”اس کے بعد۔؟“

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ارشاد فرمایا:

”تمہاری ماں!!“

اس آدمی نے چوتھی بار پوچھا:

”اس کے بعد۔؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

”تمہارا باپ۔“

اس حدیث کے مطابق 75% عزت و احترام ماں کے لیے ہے اور 25% عزت و احترام باپ کے لئے۔ تین چوتھائی حصہ پیار و محبت کا ماں کیلئے اور ایک چوتھائی حصہ باپ کیلئے۔ مختصر یہ کہ سونے کا تمغہ ماں کیلئے اور چاندی کا تمغہ باپ کیلئے۔ تانبے کا تمغہ ماں کیلئے اور باپ کی فقط تسلی و تشفی۔

۴۔ اسلام میں بہنوں کے معاشرتی حقوق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض م یا مرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولئک سیر حمہم اللہ ان اللہ عزیز حکیم“

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی و مددگار ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ

عنقریب رحم فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 10، سورۃ نمبر 9 (التوبہ)، آیت نمبر 71)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن مرد و عورت ایک دوسرے کی کفالت کرنے والے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے کفیل ہیں۔ مختصراً کہ وہ ایک دوسرے کے لئے بہن بھائی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

”صدقہ دینے سے بہتر ہے کہ اپنی بہن کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔“

ایک مرتبہ فرمایا:

”عورتیں شقات ہیں۔ شقات مطلب بہن۔“

۳. اسلام میں بیوی کے معاشرتی حقوق:

پہلی تمام تہذیبوں نے عورت کو شیطان کا آلہ کار قرار دیا لیکن اسلام عورت کو ”محسنہ“ قرار دیتا ہے۔ محسنہ کا معنی ہے ”شیطان کے خلاف قلعہ۔“

اسلام میں عورت کو بیوی کی صورت میں ایک اعلیٰ درجہ دیا گیا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جن کے پاس شادی کی استطاعت ہے وہ شادی کریں کیونکہ شادی (میاں اور بیوی دونوں کی) شہوت کو کم کرتی ہے اور (ان دونوں کے) حیا کا تحفظ کرتی ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس کسی (مرد و عورت) نے شادی کی تو گویا اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا۔“

اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ شادی تمہیں زنا سے روکتی ہے، زنا سے تحفظ فراہم کرتی ہے اور ہمیں جنس پرستی سے محفوظ رکھتی ہے جو کہ دنیا میں تقریباً آدھے جرائم کا باعث بنتی ہے۔ صرف اسی صورت میں آپ میاں بیوی بنتے ہیں جب آپ شادی کرتے ہیں اور اسی صورت میں آپ کو والد یا والدہ بننے کا موقع ملتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے دلوں میں محبت ڈال دی ہے۔ چنانچہ سورۃ الروم میں ہے:

”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

وجعل بینکم مودة ورحمة ان فی ذالک لایت لقوم
یتفکرون ۝“

(القرآن المجید پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (الروم)، آیت نمبر 21)

”اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے پیدا کیے تمہاری
جنس سے جوڑے (بیویاں) تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے
تمہارے (میاں بیوی کے) درمیان محبت اور مہربانی (پیدا) کی، بیشک اس میں
تفکر کرنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔ ۝“

قرآن مجید کے مطابق نکاح ایک مقدس معاہدہ ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے:
”وکیف تاخذونه وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن
منکم میثاقا غلیظا ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 21)

”اور تم (بیویوں سے بطور مہر) دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک
دوسرے کے ساتھ محبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں۔“
اسی سورۃ میں ہے:

”یا ایہا الذین امنوا لا یحل لکم ما ترثوا النساء کرہا ولا
تعصلوہن لتذہبوا ببعض ما اتیتموہن الا ان یاتین بفا حشۃ
مبینۃ وعاشر وھن بالمعروف فان کرہتموہن فعیسٰ ان تکر
ھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیرا ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 19)

”اے ایمان والو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور
دیکھنا اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں
(گھروں میں) مت روک رکھنا، ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو
روکنا) نامناسب نہیں اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند
ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں (تمہارے لیے) بہت سی

بھلائی پیدا کر دے۔“

اسلام میں عورت کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہیں کی جاسکتی۔ شادی کیلئے فریقین کی رضا مندی لازمی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں شادی کیلئے رضا مند ہوں یہاں تک کہ باپ بھی اپنی بیٹی کو اس کی مرضی کے بغیر شادی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف کتاب مسند احمد میں ہے کہ ایک لڑکی کو باپ کی طرف سے شادی پر مجبور کیا گیا۔ جب وہ لڑکی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

”یہ بات تم پر منحصر ہے کہ تم یہ تعلق قائم رکھو یا توڑ دو۔“

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر 2469)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں شادی کے موقع پر عورت کی رضا مندی نہایت ضروری ہے ورنہ شادی وقوع پذیر نہیں ہوگی۔ اسلام کہتا ہے کہ عورت گھر سنوارنے والی ہے۔ اسے گھرداری کیلئے نہیں بنایا گیا کیونکہ اسکی شادی مکان سے نہیں بلکہ انسان سے کی گئی ہے۔ اس لیے عورت کو فقط گھرداری کے لیے سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کے بھی احساسات اور تفکرات ہیں۔ اسلام ان کی قدر کرتا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ عورت کی شادی مالی طور پر اس کے برابر والے خاندان میں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک غریب عورت کو ایک حاکم کے نکاح میں دے دیا جائے کہ وہ اس کے ساتھ باندیوں کا سا رویہ رکھے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہترین ایمان والے وہ ہیں جو کہ کردار میں بہترین ہیں اور اخلاق میں اور وہ جو کہ اپنے خاندان اور بیویوں کے ساتھ بہترین ہیں۔“

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 7395-7396)

اسلام میں عورتوں اور مردوں کو برابر حقوق دیئے گئے ہیں۔ قرآن مجید واضح طور پر بتاتا ہے کہ مرد و عورت، شوہر اور بیوی کے تمام جہات میں برابر حقوق ہیں، سوائے خاندان کی سربراہی کے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:

”الرجال قومون علی النساء“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 34)

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔“

لوگ کہتے ہیں لفظ ”قوام“ کا معنی حاکم ہونے کے ہیں۔ حالانکہ اصل میں لفظ قوام اقامت سے نکلا ہے۔ آپ جب نماز سے پہلے اقامت کہتے ہیں تو آپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہذا اقامت کا مطلب کھڑا ہونے کے ہیں۔ لہذا لفظ ”اقامت“ کا مطلب ہوا کہ مرد ایک درجہ ذمہ داری میں اونچا ہے نہ کہ فضیلت میں۔

بہت سے لوگوں نے اس آیت میں قوام کے معنی کو غلط انداز سے سمجھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل قرآن مجید سورۃ البقرۃ میں کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے:

”والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء ولا یحل لھن ان یمکن ما خلق اللہ فی ارحامھن ان کن یمن باللہ و الیوم الآخر و بعولتھن احق بر دھن فی ذلک ان اردوا اصلاحا و لھن مثل الذی علیھن بالمعروف و للرجال علیھن درجۃ و اللہ عزیز حکیم“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 2، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 228)

”اور طلاق یافتہ عورتیں (جن کو ایک یا دو طلاقیں دی گئی ہوں) اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا فرما دیا ہے اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں، اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں اور عورتوں کے لیے ویسا ہی مہر ہے جو اس طرح کی خواتین کا ہوتا ہے دستور کے مطابق اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوام کا معنی ہے مرد کو ذمہ دار میں ایک درجہ زیادہ محتاط

رہنا چاہیے۔

قرآن مجید کہتا ہے:

”ھن لباس لکم و لکم لباس لھن“

”تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔“

لباس کا مقصد کیا ہے۔؟ یقیناً لباس ڈھانپنے اور خوبصورتی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کی غلطیوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے اور ایک دوسرے کے حسن کو افزودگی بخشی چاہیے۔ یہ ہاتھوں اور دستانوں کا سارشتہ ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

”اگر تمہیں اپنی بیویاں پسند نہ ہوں تو پھر بھی تمہیں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا

چاہیے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں تمہارے لیے بھلائی پیدا فرمادے۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 19)

سورۃ النساء میں عورتوں کے حق کو مردوں کے حق کے برابر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا

تَعْضِلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ

مُبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكُونَ

هُوَ أَشْيَا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا“

”اے ایمان والو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور دیکھنا

اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں

میں) مت روک رکھنا، ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا)

نا مناسب نہیں اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو

عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں (تمہارے لیے) بہت سی بھلائی

پیدا کر دے۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 19)

کیا اس بناء پر آپ اسلام کو فرسودہ کہیں گے کہ یہ بیوی کے حقوق کو مرد کے حقوق کے برابر

قرار دیتا ہے۔؟

۴. اسلام میں بیٹی کے معاشرتی حقوق:

اب ہم ان معاشرتی حقوق کی طرف بڑھتے ہیں جو اسلام نے بیٹی کے لئے مقرر کیے ہیں۔

اسلام نوزائیدہ بیٹی کو دفنانے سے روکتا ہے۔ لڑکی کو بچپن میں ہی قتل کر دینا اسلام میں قطعاً منع

ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

”بای ذنب قتلت“

”جس لڑکی کو ذنب کیا گیا اسے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ ذنب کی گئی۔“

(القرآن المجید، سورۃ النور، آیت نمبر 8-9)

نہ صرف نوزائیدہ بچی کا قتل منع ہے بلکہ ہر طرح کے بچوں کا قتل اسلام میں ممنوع ہے۔

چاہے وہ بچہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

”ولا تقتلوا اولادکم خشية املاق نحن نرزقہم وایاکم ان

قتلہم کان خطا کبیرا“

”اور اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرنا، تم کو اور ان کو ہم ہی تو رزق دیتے

ہیں۔ بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (الاسراء)، آیت نمبر 31)

اسلام سے پہلے عرب میں جب بھی کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو عموماً اسے زندہ ذنب کر دیا جاتا تھا۔

الحمد للہ! اسلام کی اشاعت کے بعد اس مکروہ عمل کا خاتمہ ہوا لیکن بد قسمتی سے یہ ملک ہندوستان

میں ابھی بھی جاری و ساری ہے۔ بی بی سی لندن کی رپورٹ کے مطابق ایک پروگرام ”اسے مرنے

دو!“ (Let Her Die) میں ایک انگریز رپورٹر ”Emily Bechenen“ نے

انگلستان سے ہندوستان آ کر بچیوں کو قتل کرنے کے اعداد و شمار مہیا کیے۔ یہ پروگرام آج سے ایک

سال پہلے سارٹی وی (Star TV) پر دکھایا گیا تھا اور! ہر مہینے دکھایا جاتا ہے۔ چند دن پہلے ہی

اس کو دوبارہ نشر کیا گیا تھا۔ اس پروگرام میں دیئے گئے اعداد و شمار کے مطابق ہر روز تقریباً تین

ہزار حمل اس وجہ سے گرائے جاتے ہیں کہ ان سے بچی پیدا ہوگی۔ اگر آپ ان اعداد و شمار کو سال

کے 365 دنوں سے ضرب دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر سال ہندوستان میں ایک ملین سے زیادہ

حمل گرائے جا رہے ہیں۔ تامل ناڈو اور راجستھان کی ریاستوں میں بڑے بڑے اشتہاروں پر یہ

تحریر ہے کہ پانچ سو خرچ کیجئے اور پانچ لاکھ بچائیے۔!!

اس کا کیا مطلب ہے کہ میڈیکل ٹیسٹ (Aminocententus) یا ”سونوگرافی“

پر پانچ سو خرچ کر کے یہ پتہ چلائیے کہ ماں کو نسا حمل اٹھائے ہوئے ہے۔ اگر تو یہ لڑکی ہے تو

آپ اسے گرا کر پانچ لاکھ بچا سکتے ہیں کیونکہ دو لاکھ آپ اس کی پرورش پر خرچ کرتے ہیں اور باقی

اس کے جہیز پر۔

تامل ناڈو کے گورنمنٹ ہسپتال کی رپورٹ کے مطابق ہر دس نوزائیدہ لڑکیوں میں سے چار کو مار دیا جاتا ہے۔ اس بات پر کوئی حیرت نہیں کہ اسی وجہ سے ہندوستان کی آبادی میں عورتیں مردوں سے کم ہیں۔

نوزائیدہ بچیوں کا قتل عام اس ملک میں صدیوں سے جاری و ساری ہے۔ اگر آپ 1901 کے اعداد و شمار دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر ہزار مردوں کی نسبت نو سو بہتر عورتیں تھیں۔ 1981 کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں ہر ہزار مردوں کے مقابلے میں نو سو چونتیس عورتیں تھیں۔ 1991 کی جدید رپورٹ کے مطابق ہر ہزار مردوں کے مقابلے میں نو سو ستائیس عورتیں تھیں۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عورتوں کی تعداد ہر سال کم ہوتی جا رہی ہے اور جب سے میڈیکل سائنس نے ترقی کی ہے اس قبیح فعل کی تعداد میں اضافہ در اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کیا آپ اسلام کو اس بنا پر فرسودہ قرار دیں گے کہ یہ آپ کو بتاتا ہے کہ لڑکا ہو یا لڑکی اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے؟

اسلام صرف نوزائیدہ بچوں کے قتل ہی سے نہیں روکتا بلکہ آپ کو اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ آپ لڑکی کی پیدائش پر غم کریں۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

”وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ

یتواری من القوم من سوء ما بشر به“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ النحل، آیت نمبر 58-59)

”اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ روکھا ہو کر کالا ہو جاتا ہے اور اسے غم لاحق ہو جاتا ہے، وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس خبر کو برا جان کر جو اسے دی گئی۔“

اسلام میں بچیوں کی بہترین پرورش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو کوئی اپنی بچیوں کی مناسب پرورش کرے گا تو اسے قیامت کے دن میرا ایسا قرب نصیب ہوگا جیسا کہ ہاتھ کی ایک انگلی کو دوسری انگلی کا ہوتا ہے۔“

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

”جس نے دو بچوں کی بہترین پرورش کی، انہیں اچھے اداب سکھائے اور ان کی شادی کی تو وہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا۔“

اسلام لڑکے اور لڑکی پرورش میں کوئی فرق بیان نہیں کرتا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی پرورش بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے پیارے نبی علیہ السلام کی موجودگی میں ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو چوما اور اس کو گود میں بٹھالیا لیکن اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا نہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم نا انصافی کر رہے ہو۔ تمہیں چاہئے کہ اپنی بیٹی سے بھی پیار کرو اور اسے بھی اپنی

گود میں جگہ دو۔“
صحیح البخاری اور اصح المسلم کی حدیث میں ہے کہ خود نبی علیہ السلام کا اپنا عمل تھا کہ جب آپ علیہ السلام کی بیٹی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔

اسلام میں عورتوں کے تعلیمی حقوق:

قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی پانچ آیات میں فرمایا گیا ہے:

”اقر باسم ربك الذي خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝ اقر اوربك الاكرم الذي علم بالقلم ۝ علم الانسان ما لم يعلم ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 95 (العلق)، آیت نمبر 1 تا 5)

”پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ۝ انسان کو چسکنے والی چیز سے ۝ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو کرم فرمانے والا ہے، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا ۝ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

قرآن مجید کی طرف سے پہلی ہدایت جو کہ بنی نوع انسان کو دی گئی وہ نماز کی نہ تھی، روزہ کی نہ تھی، زکوٰۃ کی نہ تھی، بلکہ تعلیم کے متعلق تھی۔ اسلام تعلیم کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ اسلام نے

والدین کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دین کی تعلیم دیں اور جب لڑکی کی شادی ہو جائے تو اسلام کے مطابق اس کے شوہر کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعلیم سے آراستہ کرے۔

اسح البخاری کے مطابق عورتیں علم حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ پر جوش تھیں اور انہوں نے ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

”آپ اکثر و بیشتر مردوں میں گھیرے رہتے ہیں۔ آپ ہمارے لئے ایک دن

مخصوص کیوں نہیں کر دیتے تاکہ ہم بھی آپ سے سوال پوچھ سکیں۔؟“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی اس درخواست کو قبول فرما کر ان کے لیے ایک دن مخصوص فرما دیا جس دن وہ تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

اندازہ کریں چودہ سو سال پہلے جب عورتیں جاہل تھیں اور وہ محض بطور ماں استعمال کی جاتی تھیں، اسلام نے ان کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے پاس بعض مسلم خواتین کی مثالیں موجود ہیں جو کہ سکالرز ہیں اور سب سے بہترین مثال جو میں آپ کو پیش کر سکتا ہوں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تک کو تعلیم دی۔ ان کے ایک مشہور شاگرد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

”میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا کوئی سکالر نہیں دیکھا جو کہ قرآن

مجید میں بیان کئے گئے فرائض پر زیادہ عبور رکھتا ہو۔ وہ قانون اور دوسرے معاملات

میں، ادب اور شاعری میں اور عرب کی تاریخ میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔ وہ محض

دینی معاملات میں ہی ماہر نہ تھیں بلکہ ان کو ادویات کا بھی گہرا علم تھا۔ وہ حساب کے

معاملات میں بھی کافی دسترس رکھتی تھیں اور اکثر و بیشتر ان کے رفقاء ان سے میراث

کے مسائل پوچھنے کیلئے آتے کہ کتنا حصہ تقسیم کیا جائے؟ اور ایک فرد کے حصے میں کتنا

آتا ہے۔؟“

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی تعلیم دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو ہزار دو سو دس احادیث روایت کیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

”جب بھی ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو کسی مسئلے پر علم کی کمی محسوس ہوتی تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے جاتے اور ان کے پاس سے ضرور اس مسئلے کا حل نکل آتا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے 88 سے زائد سکالرز کو تعلیم دی۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عالموں کی استاذ تھیں۔

اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ آپ اسلامی عدالتی فقہ کی ماہر تھیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! ”حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کی ایک نابغہ رزگار شخصیت تھیں۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیسیں علماء کو تعلیم دی۔“

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سارا سارا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ فقہ پر بحث کیا کرتی تھیں اور وہ دونوں ان کی بات کو غلط ثابت نہ کر پاتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے اول دنوں میں ہجرت کی اور اس وجہ سے ان کے پاس عمیق علم تھا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ان کو دعوت و تبلیغ میں بہت مہارت حاصل تھی۔

سیدہ نفیسہ رحمۃ اللہ علیہا کی مثال بھی موجود ہے جو کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم دی۔

اس کے علاوہ ام درودہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ ابو درودہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سائنس میں ماہر تھیں اور یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں اس کا ماہر سمجھتے تھے۔

حدیث مبارکہ ہے:

”طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة“

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر یکساں فرض ہے۔“

وہ دور جب خواتین جاہل گردانی جاتی تھیں اور جب عورتوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اس وقت اسلام کے پاس علماء خواتین تھیں۔ طب کے میدان میں، سائنس کے میدان میں اور دین کے میدان میں کیونکہ اسلام کہتا ہے کہ ہر خاتون کو پڑھا لکھا ہونا چاہیے۔ کیا آپ اس بنا پر اسلام کو فرسودہ کہیں گے۔؟

اسلام میں عورتوں کے قانونی حقوق:

اسلامی قوانین کے مطابق عورت اور مرد برابر ہیں۔ شریعت اسلامیہ عورت اور مرد دونوں کی زندگی اور وراثت کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر ایک مرد عورت کا قتل کرتا ہے اس کو بھی ”حرث“ کی سزا ملے گی جو کہ قصاص کی سب سے سخت سزا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَلَا نَشِيْ بِالْأَنْثَىٰ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدِّاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝“

”اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ تم مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) لو، آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام مارا جائے اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے مقتول بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (اسے چاہیے کہ وہ مقتول کے وارث کو) دستور کے مطابق خوشی سے کچھ دے، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے، جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ۝ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے عقل والو! تاکہ تم (قتل و خونریزی) سے پرہیز کرو۔ ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 2، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 178-179)

اگر مرد عورت کو قتل کرے تو اسے بھی مار دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر عورت قتل کرتی ہے تو اس

کو بھی موت کی سزا ہے۔ اسلامی قوانین کے حکم ”قصاص“ کے مطابق عورت و مرد کی تخصیص کئے بغیر، ناک، کان، آنکھ، جسم سب کی سزا ایک سی ہے۔ اگر مقتول کی ولی ایک عورت ہے، نہ وہ قاتل کو معاف کرتی ہے اور نہ ہی دیت قبول کرتی ہے تو اس کا فیصلہ خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مقتول کے ورثاء میں اختلاف ہے کہ دیت لی جائے یا قصاص تو لوگوں کو قصاص سے روکنا چاہیے اور بغیر تخصیص کئے کہ گواہ مرد ہے یا عورت ان دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔

سورۃ المائدہ میں ہے:

”وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا
مِّنَ اللَّهِ“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 6، سورۃ نمبر 5 (المائدہ)، آیت نمبر 38)

”اور چور چاہے وہ مرد ہے یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے کسب کی سزا اور عبرت ہے اللہ کی طرف سے۔“

معنی یہ ہے کہ اگر کوئی چوری کرتا ہے چاہے وہ مرد ہے یا عورت تو اس کے ہاتھ کاٹ دینے چاہیے۔ سزا دونوں کیلئے یکساں ہے۔
سورۃ النور میں ہے:

”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا
تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ“

”(کنواری) زانی عورت اور (کنوارہ) زانی مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو، اور ان پر نرمی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے دین میں، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہیے کہ ان کی سزا پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بنالو۔“

(القرآن المجید پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 2)

کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لیے زنا کی سزا اسلام میں ایک سی ہے جو کہ سو کوڑوں پر

مشتمل ہے۔

اسی طرح اگر عورت اور مرد شادی شدہ ہیں اور وہ زنا کرتے ہیں تو ہر ایک کے لیے رجم ہے۔ یہاں بھی سزا یکساں ہے اور مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

سورۃ بقرۃ کی آیات کے مطابق عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گواہی دے سکے۔ اسلام نے عورت کو یہ گواہی کا حق سوا چودہ سو سال پہلے تفویض کر دیا تھا۔ حالانکہ 1980 کی آخری دہائیوں میں یہودی ربی اس بات پر سوچ و بچار کر رہے تھے کہ کیا عورت کو گواہی کے حقوق دیئے جائیں یا نہیں۔ اسلام اس کے مقابلے میں یہ حقوق چودہ سو سال قبل عورت کو دے چکا ہے۔ سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً“

”اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 4)

اسلامی قوانین کے مطابق چھوٹے جرم کیلئے دو اور بڑے جرم کیلئے چار گواہ درکار ہیں۔ عورت پر غلط الزام دھرنا اسلام کی رو سے بڑے جرائم میں سے ایک ہے لہذا یہ چار گواہ طلب کرتا ہے۔ آج کل کی ماڈرن سوسائٹی میں آپ دیکھتے ہیں کہ مرد و عورتوں کو برے برے ناموں مثلاً طوائف وغیرہ پکارتے ہیں اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اسلامی ریاست میں اگر کوئی شخص کسی عورت کو طوائف کہتا ہے، عوام (Public) میں یا کسی اور جگہ۔ اگر وہ عورت اس شخص کو عدالت میں لے جاتی ہے اور وہ شخص چار گواہوں کو لانے میں ناکام ہو جاتا ہے اور اگر وہ چار گواہ لاتا بھی ہے اور ان میں سے کوئی ایک جھوٹا نکلتا ہے تو وہ سارے اسی اسی کوڑوں کی سزا پائیں گے اور مستقبل میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

اسلام عورت کی عزت کو خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ عموماً جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہ شوہر کا نام ساتھ لگاتی ہے۔ اسلام میں اس کے پاس یہ (Choice) موجود ہے کہ چاہے وہ اپنے پہلے نام کو قائم رکھے یا شوہر کا نام ساتھ لگائے یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ اسلام پہلے نام کو قائم رکھنے کو "Recommend" کرتا ہے اور اگر آپ بعض مسلم معاشروں میں دیکھتے ہیں کہ شادی کے بعد عورت اپنا پہلا نام برقرار رکھتی ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں۔

اسلام میں عورتوں کے سیاسی حقوق:

سورۃ التوبہ میں ہے:

”والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولئک سیرحمہم اللہ ان اللہ عزیز حکیم“

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہ اچھائی کا حکم دینے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 10، سورۃ نمبر 9 (التوبہ)، آیت نمبر 71)

اس آیت میں بیان ہوا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کیلئے سہارا ہیں۔ محض معاشرتی سہارا نہیں بلکہ سیاسی بھی۔ سیاسی طور پر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی مدد (Support) کرنی چاہیے۔

اسلام عورت کو ووٹ کا حق دیتا ہے۔ سورۃ الممتحنہ میں ہے:

”یاایہا النبی اذا جاءک المؤمنت یتابعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یتابین ببہتان یفتربنہ بین ایدیہن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم“

”اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ نہ تو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان باندھیں گی تو ان سے بیعت لے لیجئے اور ان کیلئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے! بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 28، سورۃ نمبر 60 (الممتحنہ)، آیت نمبر 12)

یہاں عربی کا لفظ ”یاسعن“ استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ہمارے موجودہ دور کے انتخابات سے زیادہ جدیدیت کا حاصل ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض اللہ تعالیٰ کے رسول ہی نہ تھے، بلکہ وہ ریاست کے سربراہ بھی تھے اور عورتیں آپ کے پاس آئیں اور وہ آپ کے سربراہ ہونے پر راضی ہوئیں۔ لہذا اسلام عورت کو ووٹ دینے کا برابر حق دیتا ہے۔

عورت قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہے۔ مشہور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مہر کے متعلق بات کر رہے تھے کہ آج کل عورتوں نے زیادہ مہر مقرر کرنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے اکثر غریب نوجوان مرد شادی کرنے کے معیار پر پورے نہیں اترتے تو پچھلی نشتوں سے ایک عورت اٹھی اور کہنے لگی:

”اے عمر! جب قرآن نے ہمیں زیادہ حق مہر مانگنے سے نہیں روکا تو آپ کون ہوتے ہیں جو ہمارا حق مہر کم مقرر کریں۔؟ دیکھئے قرآن مجید میں ہے:

”وان اردتم استبدال زوج مکان زوج و اتیم احدھن قنطارا

فلاتناخذوا منہ شیئا اتاخذ و نہ بہتانا و اثما مبینا“

”اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہو اور پہلی عورت کو

بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا، بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح

ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے۔؟“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 20)

”اے عمر! جب اللہ تعالیٰ کو مہر کی حد پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ کون ہیں جو مہر کی

حد مقرر کریں۔؟“

اسی وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

”عمر غلط ہے اور وہ عورت صحیح۔“

حدیث میں عورت کا نام موجود نہیں ہے، لہذا آپ اسے ایک عام عورت سمجھ سکتے

ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک ادنیٰ عورت بھی سربراہ ریاست پر اعتراض کر سکتی ہے۔ اگر تکنیکی طور

پر دیکھا جائے تو اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ وہ عام خاتون قوانین کے غلط پہلو پر اعتراض کر رہی تھیں۔

عورتوں نے میدان جنگ میں بھی حصہ لیا۔ الصحیح البخاری میں عورتوں کے میدان جنگ کے

حالات کے متعلق ایک پورا باب ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ عورتوں نے زخموں کو پانی پلایا، انہوں نے مجاہدوں کو ابتدائی طبی امداد دی اور حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا کا نام خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”الرجال قوامون على النساء“

”مرد عورتوں کے محافظ ہیں۔“

لہذا عام حالات میں عورتوں کو میدان جنگ میں نہیں جانا چاہیے کیونکہ ان کی حفاظت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے۔ لہذا عورتیں کو صرف اشد ضرورت کے موقع پر ہی میدان جنگ میں حصہ لینا چاہیے۔ ورنہ! دوسری صورت میں آپ کی پوزیشن ویسی ہی ہو جائے گی جیسا کہ "USA" کی ہے۔ وہاں عورتوں کو میدان کارزار میں حصہ لینے کی 1901 تک آزادی تھی لیکن وہ صرف نرسنگ تک محدود تھیں۔ جب 1973 میں "Feminst Movement" شروع ہوئی اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ عورتوں کو بھی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ بھی میدان جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ لہذا امریکہ حکومت نے 1976 کے بعد سے عورت کو جنگ کرنے کا اختیار دے دیا۔

پچھلے سال امریکہ کی وزارت دفاع کے جاری کئے گئے بیان کے مطابق 24 اپریل 1993 کے سال میں ایک کنونشن میں نوے افراد زنا (Sex Crime) کرتے پکڑے گئے۔ جن میں تراسی عورتیں اور ایک سوتیرہ آفیسر کوڈ سپلری ایکشن چارج کیا گیا۔ اندازہ کریں کہ صرف ایک کنونشن میں تراسی عورتوں کو "Sexually Assault" کیا گیا۔ 117 آفیسرز کا جرم کیا تھا؟ انہوں نے عورتوں کو دوڑایا، ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے، انہوں نے انہیں مادرزاد برہنہ مارچ کروائی اور ان کو پبلک کے سامنے سیکس کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کیا آپ اسے "Women's Right" کہہ سکتے ہیں؟

اس واقعہ کی وجہ سے پارلیمنٹ میں ہنگامہ کھڑا ہوا اور صدر بل کلنٹن کو بذات خود عوام (Public) کے سامنے معذرت کرنا پڑی اور یہ کہنا پڑا:

”ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔“

لہذا اسلام عورتوں کو اسی وقت میدان جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے جب ان کی

ضرورت ہو لیکن اس صورت میں بھی چاہیے کہ وہ اپنا حجاب، اسلامی حدود و قیود اور اپنی شرم و حیاء کا خیال رکھیں۔

میں نے اپنے گفتگو کے شروع میں کہا کہ اسلام مرد اور عورت کی برابری میں یقین رکھتا ہے۔ یہاں برابری کا مطلب یکسانیت (Identical) نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک کلاس روم میں دو طالب علم A اور B امتحان میں فرسٹ آتے ہیں۔ دونوں 100 میں سے 80 فیصد نمبر لیتے ہیں۔ سینکڑوں طالب علموں میں دو طالب علم A اور B فرسٹ آئے۔ جب آپ "Question Paper" دیکھتے ہیں تو "Question Paper" میں سوالات ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے دس نمبر۔ سوال نمبر 1 میں طالب علم A دس میں سے 9 نمبر حاصل کرتا ہے اور طالب علم B دس میں سے 7۔ سوال نمبر 1 میں طالب علم A کے نمبر B سے زیادہ ہوئے اور سوال نمبر 2 میں A دس میں سے 7 نمبر لیتا ہے اور B دس میں سے 9۔ لہذا دوسرے سوال میں B کے نمبر زیادہ ہوئے۔ البتہ سوال نمبر 3 میں، دونوں آٹھ آٹھ نمبر حاصل کرتے ہیں۔ دونوں برابر اور آخر میں جب ہم تمام نمبروں کو جمع کرتے ہیں تو دونوں طالب علم A اور B سو میں سے 80 نمبر لیتے ہیں۔

لہذا مختصراً "Student" "اے" اور "بی" آپس میں برابر ہیں اور بعض سوالات میں A کے نمبر B سے زیادہ ہیں اور بعض سوالات میں B کے نمبر A سے زیادہ ہیں۔ باقیوں میں دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زیادہ طاقت دی ہے، مثلاً ایک چور گھر میں داخل ہوتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میں "Women's Right" میں یقین رکھتا ہوں تو کیا آپ اپنی والدہ، بہن یا بیٹی سے کہیں گے کہ آگے بڑھو اور چور سے لڑو؟ لہذا جسمانی طور پر مرد عورت سے ایک درجہ فضیلت رکھتا ہے۔

آئیے! ایک اور مثال سمجھتے ہیں جو کہ والدین کی عزت سے متعلق ہے۔ بچوں کو اس بات پر ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ماں کا احترام باپ کی نسبت تین گنا زیادہ کریں۔ یہاں عورتیں مردوں سے ایک درجہ اور اوپر ہیں۔

مجموعی طور پر دونوں برابر ہیں۔ لہذا اسلام برابری میں یقین رکھتا ہے۔ یکسانیت (Identically) میں نہیں۔ مجموعی طور پر مرد اور عورت اسلام میں برابر ہیں۔ یہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کی محض چیدہ چیدہ خصوصیات تھیں۔

اس کے بعد مسلم معاشروں نے کیا امتیاز روارکھا۔؟ بعض مسلم معاشروں نے عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا اور انہوں نے قرآن اور سنت سے روگردانی کی۔ اس کی بڑی وجہ مغربی معاشرہ ہے کیونکہ مغربی معاشرے کی وجہ سے مسلم معاشرے زیادہ تحفظات و احتیاطوں کا شکار ہو گئے، وہ ایک انتہا پر چلے گئے اور اس طرح وہ قرآن و سنت سے دور چلے گئے۔ اس کے مقابلے میں بعض مسلم معاشروں نے مغربی کلچر کو اپنا لیا اور اسی رنگ میں رنگ گئے۔ میں مغربی معاشرے کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ قرآن و سنت کے مطابق عورتوں کے حقوق کا تجزیہ کریں تو آپ اسے جدید (Modern) پائیں گے نہ کہ فرسودہ۔

حقوق اولاد

والدین اور اولاد کے لیے احکام:

میاں بیوی کے دائرہ کار کی علیحدگی اور باہمی تعلقات کے انضباط کے بعد ان کا اور ان کی اولاد کا تعلق سامنے آتا ہے۔ والدین کے بارے میں قرآن مجید نے واضح تعلیمات دی ہیں اور کہا ہے کہ انہیں ”اف“ تک نہ کہو! یعنی انہیں اپنے کسی قول یا عمل سے ذرا بھی دکھ نہ پہنچاؤ اور جب تک وہ صریح اسلامی تعلیمات کے خلاف حکم نہ دیں ان کی حکم عدولی نہ کی جائے۔ دوسری طرف والدین کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھیں، بھوک، افلاس اور جاہلیت کے عار کی بنا پر بچوں کو قتل نہ کریں اور نہ ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ معاشرہ کے معزز فرد نہ بن سکیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

والدین کی دعا:

اسلام کے مطابق والدین کو اولاد کے لیے یہ دعا مانگی چاہیے:

”واجعلہ رب رضیا“

”اے رب! اس (ہونے والے بچے) کو خوش اطوار بنادے۔“

نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا:

والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ چنانچہ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

”وكان يامر اهله بالصلوة والزكوة“

”اور وہ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔“

(سورۃ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۵۵)

اولاد و بیوی کے لیے دعا:

سورۃ الفرقان کے آخر میں مومنین کی یہ دعا درج ہے:

”وہ عرض کرتے ہیں:“ اے پروردگار! ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے ہماری

آنکھیں ٹھنڈی رکھ اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔“

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر: ۷۴)

مفسرین کے نزدیک ان آیات میں متقین سے مراد ”افرادِ خاندان“ ہیں۔

اسلامی صلہ رحمی

رشتے دار اور خاندان:

خاندان کی تنظیم کے بعد اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ صلہ رحمی میں تمام رشتہ دار شریک ہیں۔ اس دائرے میں ایک خاندان سے آگے بڑھ کر کئی خاندان شریک ہو جاتے ہیں جن میں باہمی خونی تعلق ہوتا ہے یا رشتے ناٹے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک خاندان کے افراد کے باہمی تعلق کے لئے ”احسان“ کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنی خوشیوں میں ذوالقربیٰ کو یاد رکھا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”وبالوالدین احسانا وبذی القربی“

”اور والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۳۶)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”واتی المال علی حبہ ذوی القربی“

”اور باوجود عزیز رکھنے کے مال اپنے رشتہ داروں کو دے۔“

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر: ۱۷۷)

ہمسایہ اور اہل محلہ:

ایک خاندان اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے بعد اس خاندان اور اس کے ہمسایہ خاندان کے تعلقات کا مرحلہ آتا ہے۔ اس میں ہمسایہ، اہل محلہ اور جان پہچان والے دوسرے لوگوں کا باہمی تعلق سامنے آتا ہے۔ قرآن کریم نے ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جن سے معمولی میل جول ہو، اس دائرے میں اہل محلہ بھی آتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجَنْبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ“

”اور احسان کرو ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں کے ساتھ۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۳۶)

اہل محلہ کے لئے مسجد کو پورے محلے کا محور بنایا گیا جہاں وہ بیچ وقتہ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔

ہر کس و نا کس سے سلام:

اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے ملاقات کی ابتدا ”سلام“ سے کی جائے۔ اس طرح یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ سے بات کرنے والا جس انداز سے بات کرتا ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ بھی اسی انداز سے بات کریں یا اس سے بھی اچھے انداز سے بات کریں۔ سلام کے لئے یوں تعلیم دی گئی:

”وَإِذَا حَيَّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا“

”جب کوئی احترام کے ساتھ سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اس کی طرح۔“

(سورۃ النور، آیت نمبر: ۸۴)

نادار افراد کی نگہبانی:

معاشرے کے اندر نادار، اپاہج، یتیم اور بیوہ افراد کی نگہبانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الماعون میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص خوفِ آخرت نہیں رکھتا:

”يَدْعُ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ ۝“
 ”جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور ناداروں کا کھانا کھلانے کے لئے ترغیب نہیں دیتا۔“
 اور دوسری جگہ ہے:

”وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ“
 ”ان (مسلمانوں) کے اموال میں سائل اور نادار کا بھی حق ہے۔“

(سورۃ نمبر ۵۱، آیت نمبر: ۱۹)

اس مقصد کے لئے شریعت نے زکوٰۃ اور صدقات کو مشروع قرار دیا ہے اور حکم ہوا کہ یہ فقراء و مساکین کا حق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ“
 ”بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۹، آیت نمبر: ۶)

اسلامی معاشرت کی بنیاد..... عقائد و اخلاق:

اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد عالم گیر برادری، رنگ و نسل کے بجائے عقائد و اخلاق، عائلی نظام کی مضبوطی، جنسی تعلقات کے انضباط، مرد و عورت کے دائرہ کار کی علیحدگی اور عام انسانی دوستی کے قوائد اور اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ ایک مسلمان جس طرح اپنے خاندان اور اپنے محلے کا ہمدرد ہوتا ہے اسی طرح وہ انسانیت کا ہمدرد ہوتا ہے۔ قرآنی نقطہ نظر سے وہ معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے جس میں پڑوسی ایک دوسرے کا دشمن ہو اور ایک ہی منزل کے دو مختلف حصوں میں رہنے والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں اور یہ دونوں مسلمان ہوں۔

آج کے مسلم معاشرے میں قرآنی نظام کے آثار

یہ ہے ایک مجمل خاکہ قرآنی نظام معاشرت کا، اس کی جھلکیاں آج کسی حد تک مسلمانوں

کے معاشرے میں موجود ہیں۔ صدیاں گزر گئیں جب کہ مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی نظام مختل ہو چکا ہے، بلکہ کئی مسلم معاشرے صدیوں غیر مسلم حکومتوں کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود آج بھی مسلم معاشرے میں قرآنی نظام کے آثار موجود ہیں اور انہیں نہیں مٹایا جاسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اسلامی نظام معاشرت کے لئے کچھ خاص اور مستحکم حفاظتی تدابیر اختیار کیں جن کی بدولت نامساعد حالات کے باوجود آج اسلامی معاشرہ ہے۔ وہ تدابیر مختصر احسب ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

اسلامی نظریہ اور نیک کام کی بنیاد:

اسلام نے قرآن و سنت کی شکل میں اسلامی نظریہ کے تصور کو زندہ رکھا۔ مسلمانوں کے عقائد درست ہیں اور سنت رسول نے ہمیشہ انہیں حسن سلوک اور حسن شہرت پر ابھارے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

”من سن سنة فله اجرها واجر من عمل بها“

”جس نے بھی کسی اچھی روایت کی بنیاد رکھی، اسے اس کا اجر ملے گا اور اس پر

قیامت تک جو بھی عمل کرے گا اس کا اجر بھی۔“

اچھی روایت قائم کرنا بھی اسلامی معاشرت کے بقا کا ضامن ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ ایسی روایات کو سینے سے لگائے رکھا جن کا تعلق حسن سلوک، فیاضی، مہمان نوازی، بڑوں اور اساتذہ کا ادب اور دوسرے آداب سے تھا۔

اشاعتِ تعلیم:

تعلیم کی وسعت اور اشاعت بھی اسلامی نظام معاشرت کے تحفظ کا اہم ذریعہ رہی۔ قرآن مجید نے علم، تدبیر اور حکمت کو حد درجہ اہمیت دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کو انسانی فریضہ قرار دیا اور مسلمان ہمیشہ علم دوست رہے۔

نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا:

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں، اسے پھیلائیں اور برائی سے روکیں۔ یہ کام ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے معاشرے

میں ہمیشہ منکر پر تکبر کی اور اسے پنپنے نہیں دیا۔ اس کے برخلاف اسلام نے ہمیشہ معروف کی حوصلہ افزائی کی اور یہ شعور اس حد تک آج بھی موجود ہے کہ جو لوگ بذات خود منکر میں مبتلا ہیں ان کی اکثریت بھی معروف کو پسند کرتی ہے اور اس کا احترام کرتی ہے۔

خاندانی نظام:

شریعت نے قرآنی نظام معاشرت کی اولین بنیاد ”خاندان“ کو اس حد تک مضبوط کیا ہے کہ مسلمانوں میں خاندانی نظام اور خاندان کی گرفت آج تک مضبوط ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سیاسی، معاشی، قانونی اور تعلیمی نظام کے اضمحلال کے باوجود اسلامی معاشرہ کسی قدر زندہ ہے۔



اسلام اور عصر حاضر

جدت پسندی اور اسلام

جذبہ جدت:

جدت پسندی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی فطری خواہش ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا اور قدیم ذرائع آمد و رفت سے جدید وسائل مواصلات تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی۔ انسان کی تمام ترمادی ترقی اور سائنسی ایجادات ایک جذبے کے ریلین منت ہیں کہ وہ ہمیشہ سے خوب سے خوب تر کا متلاشی رہا ہے۔

عہد رسالت اور جدت:

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ کسی نئی بات یا جدت پر بحیثیت جدت کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، بلکہ اس کی نوعیت اور افادیت کے مطابق اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صنعت و حرفت اور فنون جنگ کے بارے میں نئے طریقوں اور آلات کار کا استعمال متعارف ہوا۔ دفاع کے سلسلے میں عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ گہری خندق کھودی گئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے طائف کے محاصرے میں دو نئے آلات حرب استعمال کئے گئے، جن میں سے ایک منجنیق کی مانند تھا اور دوسرا دبابہ جسے موجودہ دور کے

ٹینک کی قدیم صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان آلات کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود بنایا تھا۔ اس کے علاوہ حافظ ابن کثیر کی روایات کے مطابق حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غسطلان بن سلمہ رضی اللہ عنہما کو شام کے مشہور صنعتی شہر جبرش بھیجا گیا تاکہ دبا بے اور منجیق کی صنعت سیکھ کر آئیں۔ دبا بے کی طرح کا ہی ایک آلہ تھا جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔

عہد رسالت اور کاشت کاری میں جدت:

زراعت کی ترقی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ کاشت کا حکم دیا اور زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں سے رزق تلاش کرنے کی تاکید فرمائی۔

بحری بیڑے کی پیشن گوئی:

عرب لوگ بحری بیڑے کے تصور نا آشنا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور یہ پیش گوئی فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندر کی موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ اور پھر آپ نے ان کے فضائل بھی بیان فرمائے۔

اسلام اور جدید ایجادات:

عہد رسالت کے حوالے سے یہ چند مثالیں تھیں جن کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسلام نے کسی جدید ایجاد اور شے پر نئے ہونے کی حیثیت سے کوئی قدغن نہیں لگائی، بلکہ صحیح مقاصد میں جائز حدود کے ماتحت اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

جدت کی دورخی تلوار:

عصر حاضر نے جو صنعتی ایجادات اور سائنسی انکشافات پر مبنی ہے، انسان کی مادی ترقی کو بام عروج تک پہنچایا ہے۔ نئی ایجادات نے راحت و آسائش کے بہتر طریقے مہیا کئے ہیں۔ اس کی ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے تباہ کن نقصانات بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ اس مادی ترقی اور جدت پسندی نے مختلف عنوانات سے ہوس، ملک گیری اور عریانی و فحاشی کے طوفان کھڑے کئے ہیں، گویا جدت پسندی ایک دو دھانی تلوار ہے جو بنی نوع انسان کو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق تجزیہ کیا جائے تو عصر حاضر میں نہ تو

کوئی نئی چیز بنی ہونے کی بنا پر قابل قبول ہے اور نہ قابل تردید۔

معیار عقل یا آفاقی تعلیمات:

اہم سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ جدت پسندی کی کوئی راہ قابل قبول ہے اور کوئی نقصان دہ اور ناقابل قبول۔

اس معیار کی تعین کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے سے کیا جائے، چنانچہ لادینی معاشروں میں عقل کو قول فیصل کی حیثیت حاصل ہے، لیکن عقل و دانش کے دعویداروں نے ہی جدت پسندی کے نام پر انسانیت کے لئے اخلاق و شرافت کے سارے اوصاف لوٹے اور مقدس معاشرتی اداروں کی حرمت کو بھی پامال کیا ہے۔ بڑے سے بڑے نظریے کی شاندار اور خوبصورت توجیہات پیش کیں۔

اگر جدت پسندی کی رو میں اچھے اور برے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑ دیا جائے تو زندگی کی اقدار صحیح سالم باقی نہیں رہتی اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہر شخص کی عقل کا پیمانہ دوسرے سے مختلف ہے۔ چنانچہ انسان متضاد آراء اور نظریات کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے کہ جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحی الہی کی راہنمائی سے آزاد ہو وہ حقیقتاً انسان کی بے بسی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہیں اور یہ عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے۔ ایسی عقل کو قرآن حکیم میں ”ھوئی“ یعنی خواہش نفس قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اگر حق ان لوگوں کی خواہشات نفس کا تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمین اور جو

کچھ ان میں مخلوقات ہیں ان میں سخت بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔“

یہ حقیقت ہے کہ اگر اچھے اور برے تمام کا فیصلہ عقل کے حوالے کر دیا جائے تو انسان کے پاس کسی نئے رواج کو روکنے اور جدت پسندی کے ہاتھوں قیمتی سے قیمتی اخلاقی اقدار کو بچانے کا معیار باقی نہیں رہتا۔ خود اہل مغرب کو مہلک نتائج سامنے آنے پر سخت تشویش ہے کہ اس جدت پسندی کی عام روش میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے جس کی بناء پر اعلیٰ انسانی اوصاف اور ادارے محفوظ رہ سکیں۔ ایک امریکی جج کرڈوزو (Carduzo) اپنی کتاب "The Growth of Law" میں لکھتے ہیں:

”قانون کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسا فلسفہ مرتب کیا جائے جو ثبات اور

تغیر کے متضاد اور متضارب تقاضوں کے درمیان موافقت پیدا کر سکے۔“

ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عقلی فلسفے کے بس کا نہیں، عقل کے سر پر وہ بوجھ لاد اگیا جس کی وہ متحمل نہیں ہے، کسی قانون کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ وہ دائمی اور ناقابل تفسیر ہے کسی دلیل کی بناء پر ہوتا ہے۔ انسانی عقل کی بناء پر کچھ لوگ عقل کو ناقابل تغیر قرار دیں گے لیکن کل کو دوسرے لوگ یہ اندازہ نہ لگائیں گے کہ وہ دائمی قانون بننے کے لائق نہ تھا۔ چنانچہ اس تجدید پسندی کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی اسلام کی قوت کو تسلیم کیا جائے اور انسان عقل کا غلام بننے کی بجائے عقل کو اس ذات کا غلام بنائے جس نے اسے اور پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

خالق کائنات تمام وقوع پذیر ہونے والے تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے اور ذات عالی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا کہ کون سے اصول قانونی لحاظ سے ناقابل تغیر اور ثبات کے حامل ہیں۔ صرف مذہب میں ہمیں ایسی بنیاد ملتی ہے اور وہ بھی مذہب کے حقائق کو منطقی استدلال کے نتیجے کے طور پر نہیں بلکہ عقیدے کے ذریعے قبول کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون سے راہنمائی کے بغیر انسانیت کی نجات کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

چنانچہ سورہ محمد کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد ہے:

”جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستے پر ہو کیا وہ اس طرح ہو سکتا ہے جن کی

بد اعمالی ان کو بھلی لگتی ہے اور جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔؟“

گویا تمام جدت پسندیوں، نئے طور طریقوں اور رسوم و رواج کو ان کی ظاہری چمک دمک کی بناء پر نہیں بلکہ اس بنیاد پر جانچا جائے کہ وہ پروردگار کے راستے کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر شریعت کا حکم موجود ہو تو اس کو بلا حجت تسلیم کیا جائے کیونکہ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ کے مطابق:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

”کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر اس معاملے میں اس کا اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بڑی واضح قسم کی گمراہی میں جا پڑا۔“

سورہ نساء کی آیت نمبر ۶۵ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم ارشاد فرماتے

ہوئے فرمایا:

”آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ

ﷺ کو اپنے باہمی تنازعات میں فیصلہ نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۶۵)

کتاب و سنت کے ذریعے جو احکامات امت مسلمہ کو دیئے گئے وہ اکثر ان ہی مسائل سے متعلق ہیں کہ اگر انہیں خالص عقل کے حوالے کیا جاتا تو وہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جاسکتی تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ماضی اور مستقبل کے تمام احوال سے باخبر ہے اس لئے صرف اس کے احکام ہر دور میں واجب العمل ہو سکتے ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷۶ میں بیان ہے:

”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ بَكۡلِ شَیْءٍ ؕ عَلَیۡمٌ

”اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔“

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تجد و پسندی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے سلسلے میں وحی اور شریعت کی ضرورت اس لئے بھی بہت زیادہ ہے کہ خالص عقل کے ذریعے ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل ہے، لیکن یہ طرز عمل بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کسی طور طریقے، چلن یا جدت کو پہلے اپنی عقل کے مطابق صحیح یا بہتر قرار دے دیا جائے پھر اس کے بعد قرآن و سنت کو اپنے عقلی فیصلے پر پورا اتارنے کے لئے تاویلات کو اختیار کیا جائے۔ ایسا طرز عمل احکام الہیہ کے اتباع کے منافی ہے، بلکہ یہ تو اتباع کی بجائے ترمیم اور تغیر کہلائے گا جس کا اختیار کسی انسان کو نہیں۔

اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ہر حال میں احکام الہی پر کامل یقین کر کے کسی ترمیم کے بغیر اسے قبول کرے اور مادی قوتیں اسے کسی صورت میں بھی احکام الہی کے اعراض پر آمادہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۵ سے ۱۱۷ میں اس مضمون کو اس طرح واضح کیا ہے:

”اور آپ کے رب کی بات سچائی کے لحاظ سے پوری ہو چکی، اس کی باتوں کو تبدیل

کرنے والا کوئی نہیں اور اس کی ذات سمیع اور علیم ہے اور اگر آپ زمین پر رہنے

والوں کی اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ آپ کو راہ خداوندی سے گمراہ کر دیں

گے، کیونکہ وہ تو ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ کہ وہ تو انکل کی بات کرتے

ہیں، بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے

اور وہ ہدایت کا رکوبھی جانتا ہے۔“

یہ بھی وضاحت کر دی گئی:

”کہتے ہیں وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے کہ آپ قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ، یا اس کو بدل دو۔ تو اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اسے خود اپنی طرف سے تبدیل کر دوں۔ میں پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

اس اتباع خالص میں مخالفت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جو لوگ آزمائشوں کا مقابلہ کرتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے دنیا اور آخرت دونوں میں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور وہ لوگ جو ہماری خاطر کوشش کرتے ہیں تو ہم ضرور انہیں اپنے راستے کی طرف ہدایت دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

(سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۷۹)

عصر حاضر کی مادی چکا چوند اور تجدد پسندی کے مقابلے میں یہ عمل درست نہیں کہ اگر کسی حکم الہی میں ظاہری فائدہ نظر آئے تو اسے قبول کر لیا جائے اور جہاں آزمائش یا تنقید کا خدشہ ہو وہاں اعراض یا تاویل سازی کی جائے۔

قرآن حکیم کے مطابق اس میں دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۱۱ میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے:

”اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ پس اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر آزمائش آگئی تو منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ اٹھاتے ہیں اور یہ کھلا نقصان ہے۔“

(سورۃ الحج، آیت نمبر: ۱۱)

تجدد پسندی کے تمام تر لوازمات کے مقابلے میں شریعت کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا عین اتباع ہے، چاہے استہزاء اور طعن کے مرحلوں سے گزرنا پڑے۔ مخالفانہ اعتراضات کا

مسلمان کے پاس صرف یہی جواب ہے:

”اللہ يستهزىء بهم ويمدهم فى طغيانهم يعمهون“

(سورة البقرة)

”اللہ ان (کفار) کے مذاق کا جواب دیتا ہے اور انہیں ڈھیل دیئے ہوئے ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔“

عصر حاضر میں عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ تجدید پسندی خواہ وہ کسی بھی شعبے میں ہو اس کی حدود کو پہنچانے اور ان معاملات میں دخل اندازی نہ کرے جن کو شریعت نے مکمل کر دیا۔

عالم اسلام کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مادی ترقی اور تجدید پسندی کی جن خوبیوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے ان کی طرف ہماری رسائی بہت ست روی کا شکار ہے اور جن خامیوں سے ہمیں احتراز کرنا چاہئے تھا وہ بہت تیز رفتاری سے مسلم معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں۔

عصر حاضر کی ذمہ داریوں سے اسلامی فکر و نظر کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی صورت میں یہ ثابت ہے کہ دین اسلام آج بھی اتنی قوت و طاقت رکھتا ہے۔ اسی طرح بہترین نتائج پیدا کر سکتا ہے اور عالمی قوت کی حیثیت سے اعلیٰ ترین کردار ادا کر سکتا ہے، جس طرح عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین کی مثالیں ہماری تاریخ کے اوراق میں جگمگا رہی ہیں۔

علوم جدید اور اسلام

بنی نوع انسان کی دوا، ہم بنیادی ضروریات:

زمنہ قدیم کی سادہ زندگی سے لے کر دور جدید کی پیچیدہ زندگی تک بنی نوع انسان کی دو اہم بنیادی ضروریات رہی ہیں:

1: اسے کھانے پینے، رہنے سہنے کی آسائش اور محفوظ زندگی حاصل ہو۔ یہ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے جو زندگی کی بقاء اور نسل انسانی کے تسلسل کے لئے ضروری ہے۔

2: اس حیاتیاتی ضرورت کے علاوہ انسان کی کچھ ذہنی احتیاجات بھی ہوتی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی دنیا ایک بامقصد نظر آئے، وہ اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے حل کا متلاشی ہوتا ہے، زندگی، کائنات اور زمان و مکان کے حقائق سے چشم پوشی کرنا اور اس کے

مسائل حل نہ کرنا دنیا کو بے مقصد اور بے معنی بنادینے کے مترادف ہے جس کے نتائج انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے۔

جدید ٹیکنالوجی:

محفوظ زندگی گزارنے کے لئے اور دیگر آسائشوں کی تلاش میں انسانی ذہن نے نئے نئے علوم کو جنم دیا۔ مثلاً: زراعت، طب اور انجینئرنگ۔ یہ سب ہی علوم دراصل قدرتی وسائل اور زمین کے ذرائع انسانی فائدے کے طور پر استعمال کرنے سے متعلق ہیں جو ٹیکنالوجی کہلائے۔

اسلام اور سائنس

سائنس کا مقصد اور معرض وجود میں آنا:

دنیا کو سمجھنے، اس کو بامعنی اور بامقصد بنانے کی ذہنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جو علوم وجود میں آئے سائنس ان میں سے ایک ہے۔

سائنس کی تعریف:

- 1: سائنس کی نوعیت اور ماہیت کے بارے میں کئی تعریفیں کی گئیں:-
”سائنس ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنی جاننا کے ہیں لیکن اصطلاحاً اس کے معنی نظام فطرت کے علم کے ہیں۔ جو مشاہدے، تجربے اور عقل سے حاصل ہوتا ہے۔“
- 2: مارٹن نے سائنس کی تعریف یہ کی ہے:

"Science is a systematized positive knowledge."

3: کانٹ (Kant) کہتا ہے:

”سائنس تصورات اور تصوراتی منصوبوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے۔ جس نے تجربات اور مشاہدات کے نتائج میں نشوونما و ارتقاء حاصل کیا اور اس سے مزید تجربات اور مشاہدات بار آور آئے۔“

4: رضی الدین کہتا ہے:

”سائنس مشتمل ہے تجربات کے نظریات کے مشاہدات اور ضبط ایثار پر، یعنی

سائنس کی بنیاد صرف تجربے پر ہی مشتمل نہیں اور نہ ہی یہ محض عقل اور غور و فکر کا نتیجہ ہے، بلکہ ان سب اشیاء کی آمیزش ہے۔“

5: دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس ہماری مادی دنیا پر تصرف حاصل کرنے اور ان قوتوں کی توضیح و تشریح کا ایک منظم اور مرتب نظام ہے۔ یہ حقائق کا ان کی اصل شکل میں مطالعہ ہے۔ یہ ایک متحرک علم ہے اور اگر یہ علم ترقی اور ارتقاء کو ترک کر دیتا ہے تو وہ جلد ہی اپنی سائنسی حیثیت کھودیتا ہے۔

علم سائنس..... علوم کی اہم ترین قسم:

علوم میں سے یہ ایک ایسی قسم ہے جو گرد و نواح کو سمجھنے اور مخصوص حقائق سے آگہی کی باشعور کوشش کا نام ہے۔ یہ مظاہر فطرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواسِ خمسہ کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ سائنس دان کائنات کے مشاہدے سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے، پھر ان نتائج کو ایک قابلِ فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے، تجربات کے بعد درست سائنسی نتیجے کو ایک مستقل علمی حیثیت یا قانون سمجھا جاتا ہے، یعنی علمی حقائق یا مشاہدے سے دریافت ہونے والے نتائج کو جب مرتب اور منظم کر لیا جائے تو اسے ہم ”علم سائنس“ کہتے ہیں۔

سائنس اور اسلام کا طرز عمل..... دو مختلف آراء:

سائنس کے بارے میں اسلام کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق دو مختلف آراء موجود ہیں۔ ایک گروہ کی رائے کے مطابق سائنس کا حصول دائرۃ اسلام سے اخراج کی قوی دلیل ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے خیال میں ان میں باہم کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔

ترقی کی تین بنیادی شرائط:

ان دونوں آراء سے قطع نظر دین اسلام کا اگر ہم مطالعہ کریں تو یہ ایک صحت مند معاشرہ پیدا کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرے کے قیام اور اس کی بقاء و ترقی کے لئے تین شرائط بنیادی ہیں۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

1: انسانی شخصیت کی نشوونما۔ 2: ہیئت عمرانی کی تشکیل۔

3: ماحول کی تسخیر۔

پہلی دونوں شرائط کی تکمیل کے لئے وحی کی راہنمائی سے کامل ہدایت میسر آتی ہے اور ماحول کی تسخیر کے لئے سائنس کی گنجائش موجود ہے۔

مظاہر قدرت میں توحید کی نشانیاں:

قرآن حکیم نے علم کی اہمیت اور فضیلت سے روشناس کراتے ہوئے اس کے حصول پر زور دیا۔ حقائق میں تقویت اور استحکام پیدا کرنے کے لئے جو دلائل دیئے جاسکے ہیں، اس میں مطالعہ کائنات کے حق میں سب سے پہلی آواز دین اسلام کی تھی۔ قرآن حکیم میں یہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ توحید کی نشانیاں اور علامات مظاہر قدرت میں نظر آئیں گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنهار
والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من
السماء من ماء فاحیاه بالارض بعد موتها وبث فیہا من کل
دابة وتصریف الريح والسحاب المسخرین بین السماء
والارض لایت لقوم یعقلون“

(سورۃ البقرہ)

گویا مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے کی دعوت دی گئی تاکہ حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سمجھ لیں۔

طبیعیاتی علوم:

جب تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو گئے تو گویا تمام طبیعیاتی علوم وجود میں آ گئے۔

حیاتیاتی علوم:

اسی طرح حیاتیاتی دلیل کے طور پر مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

نباتی علوم:

زمین سے روئیدگی، لہلہاتے کھیتوں، پیداوار، غلہ اور اناج سب کے مشاہدے اور مطالعے سے گویا نباتاتی علوم معرض وجود میں آ گئے۔

قرآن مجید اور عصری علوم:

اسی طرح قرآن مجید نے دنیا اور انسان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں اور قوانین کا ذکر بھی کیا۔ یہ قرآن حکیم کا ہی فیض تھا کہ انسان کو علمی میدان میں قدم رکھنے کی تلقین کی، اس میں علمی روح بیدار کی، بحیثیت مجموعی علم سے بحث کی اور سائنس اس علم ہی کا ایک حصہ یا جزو ہے۔ اسلام نے وہ خطوط مہیا کئے جن کی راہنمائی میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ آئن سٹائن کا ایک مشہور مقولہ ہے:

"Science without religion is lame and
Religion without science is Blind."

احمد بن یعقوب..... بانی علم جغرافیہ:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دنیا نے اس وقت سائنسی علوم کو نکھارا جب پورا یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے بڑے سائنس دان علماء پیدا ہوئے۔ احمد بن یعقوب علم جغرافیہ کے بانی تھے اور ان کی تحریر کردہ کتابیں اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں جغرافیہ کے نصاب میں شامل رہیں۔

ابن مسکویہ:

ابن مسکویہ نے حیات انسانی سے بحث کی اور یورپ کے چارلس ڈارون کے نظریات زیادہ تر انہی کے مرہون منت ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ابن مسکویہ نے صرف قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بات کی تھی۔

ابن الہشیم..... امام علم المناظر:

ابن الہشیم علم المناظر کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے انعطاف نور پر تجربات کئے۔

بابائے کیمیا..... جابر بن حیان:

جابر بن حیان بابائے کیمیا کہلوائے اور انہوں نے بے شمار کیمیائی مرکبات ایجاد کئے۔

محمد بن زکریا رازی اور طب:

محمد بن زکریا رازی پہلے طبی انسائیکلو پیڈیا ”الحاوی“ کے مصنف تھے۔

ابوالقاسم الزہراوی:

ابوالقاسم الزہراوی وہ پہلے سرجن تھے جنہوں نے پوسٹ مارٹم کو انسانی اعضاء کی تحقیق کے لئے ضروری خیال کیا۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

دیگر مسلمان سائنس دان:

اسی طرح محمد بن موسیٰ خوارزمی، یعقوب بن اسحاق کندی، ابو موسیٰ علی الطبری، ابو عباس، احمد الفرغان البیرونی، بوعلی سینا اور ابن بیطار بہت ہی نامور مسلمان سائنس دان گزرے ہیں۔

سائنس، مسلمان اور اہل یورپ:

مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر دور میں علم اور سائنس کی بڑی خدمت کی اور یہی اسلامی اثرات اور یورپ پر اس کے نتائج اندلس کے ذریعے مختلف ممالک پر وارد ہوئے۔ اگر قرون وسطیٰ کے زمانے میں یورپ میں اسلامی خدمات ان کی تاریخ کے اوراق کو نکالیں بنانے کے لئے دو بدونہ ہوتیں تو آج برلن، واشنگٹن، لندن، ماسکو اور پیرس کی حالت کچھ اور ہوتی۔ یہ صرف مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ تھا کہ یورپ نے اس سے آگے قدم رکھ کر گزشتہ خدمات کا سہرا بھی اپنے سر سجایا اور سائنسی علوم و فنون میں پیش رو قرار پائے۔

سائنس اور اس کی حدود:

1: وجود خداوندی کے منکرین مادیت پرست سائنس دان جس غلطی کا شکار ہوئے، اس کی وجہ یہ تھی انہوں نے خود سائنس کی حدود کو نہ سمجھا اور اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ سائنس زندگی کے اس عقدہ کو حل کر سکتی ہے۔ جس طرح بحری جہاز ہوا میں نہیں اڑ سکتا اسی طرح طبعی دنیا کا مطالعہ کرنے والی سائنس مابعد الطبیعیاتی حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی۔

2: سائنس اپنے مخصوص دائرہ کار میں مفید خدمت سرانجام دے سکتی ہے، لیکن اس کے نام پر کسی ایسے معاملے کو موضوع بحث بنانا جو اس کی حدود سے متعلق نہ ہو، اس کے دائرہ کار سے

باہر ہو، بذات خود ایک غیر سائنٹفک بات ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا کہ سائنس خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے، ایک بے سرو پا بات اور غیر عقلی دعویٰ ہے۔ درحقیقت یہ سوال ہی سائنس کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔

چنانچہ فرانسیسی پروفیسر لیز نے لکھا ہے:

”کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں، اس لئے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں، جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی اور اثبات دونوں سے الگ ہے۔“

سائنس کا علم اور توحید:

1: سائنس اور اسلام کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مغرب کے سائنس دانوں کے ایک گروہ نے خدا کے وجود سے انکار کیا اور مذہب سے فرار کی کوشش کی، لیکن اقلیتی گروہ کی اس کارروائی میں سائنس کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی لہر ہے جو زیادہ دیر بلند نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ مورس (Maurice) نے اپنی کتاب "Man in not alone" میں لکھا ہے:

”ہم ابھی سائنس کی ترقی کے دور میں سے گزر رہے ہیں لیکن جیسے جیسے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے یہ بھی واضح ہوتا جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ایسا ضرور ہے جس کی دانائی اور حکمت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ علم نے ہمارے سینوں میں یہ انکسار اور یقین پیدا کر دیا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم خدا سے دور جانے کی بجائے خدا کے وجود کو تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کے قریب آرہے ہیں۔“

2: "Francis Beacon" نے بجا طور کہا تھا:

”سائنس کا نامکمل علم آپ کو ملحد بنادیتا ہے لیکن سائنس کا وسیع اور عمیق مطالعہ آپ کو خدا پر ایمان رکھنے والا بنادیتا ہے۔“

3: ڈاکٹر ڈوزلے نے اپنی کتاب "The Human Destiny" اس دعوے

کے ساتھ پیش کی تھی:

”اگر ہم سائنس کے جمع شدہ سرمائے کا تنقیدی مطالعہ کریں اور اس سے منطقی اور عقلی نتائج مستنبط کریں تو یہ لازمی طور پر ہمیں خدا تک لے آتے ہیں۔“

4: پروفیسر ”Jude“ نے ”God and Evil“ میں یہاں تک کہہ دیا: ”آج سائنس اور مذہب کائنات کی حقیقت کے بارے میں ایک ہی طرح کی بات کہہ رہے ہیں، گواپنے نتائج فکر تک پہنچنے کے لئے دونوں کے طریقہ ہائے تحقیق و مطالعہ جدا جدا ہیں، بہر حال ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج سائنس نے خدا کے تصور کا اثبات کر دیا ہے۔“

مغربی علماء کی یہ آراء مذہب اور سائنس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں کافی وزنی ہے۔ اگر عقیدہ توحید کو اساس بنا کر تحقیق و جستجو کی رغبت دلائی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس میں کسی تضاد کے واقع ہونے کا امکان نہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اگر ہم اپنی دنیا یا ماحول کا جائزہ لیں تو زیادہ بہتر اور مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جہاں سائنس تہی دامن ہو وہاں مذہب کے اٹل حقائق سے مدد لے کر تمام عقیدوں کو سلجھایا جاسکتا ہے۔ اس طرح زیادہ صحیح، زیادہ بہتر اور زیادہ مثبت نتائج تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اسلام اور فلسفہ

فلسفہ کیا ہے:

انسان بالطبع صاحب فکر و عقل ہے۔ انسانی شعور جب بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنے مد مقابل ایک وسیع و عریض کائنات دیکھتا ہے جس کی حقیقت کو وہ سمجھنا چاہتا ہے۔ انسان مختلف آرزوؤں، جستجو اور اشتیاق کے ساتھ کائنات کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہی غور و فکر کا نظام فلسفہ کہلایا۔

لفظ فلسفہ کے اجزاء:

فلسفہ ایک یونانی اصطلاح ہے جو ان دو الفاظ کا مرکب ہے:

1: فلو۔ 2: سفیہ۔

فلو (Philo) کے معنی حب کے ہیں اور سفیہ (Sphia) کے معنی دانش و حکمت کے ہیں۔ گویا اس کا مفہوم حب دانش ہے۔

فلسفی کی تعریف:

فلسفی کو فلسفی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ عقل و استدلال کے ذریعے کسی شے کی آخری اور انتہائی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

فلسفہ کی تعریف:

1: ڈی بوئر (De Boer) کہتا ہے:

”فطرت کے ایک جامع نقطہ نظر کی تلاش اور اشیاء کی ہمہ گیر توجیح کی کوشش فلسفہ کہلاتی ہے۔“

2: فلسفہ کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

”Philosophy is an inquiry into the nature of life and of existence.“

فلسفے کا پہلا خاص مسئلہ:

فلسفے کا خاص مسئلہ یہ ہے کہ حکیمانہ طور پر علم و وجود کی اساس کی تحقیق کی جائے اور تمام موجود حقیقتوں کا ربط ان کے ساتھ واضح کیا جائے۔ دنیا کو بحیثیت مجموعی ایک کلی واقعہ اور مظہر سمجھ کر اس کی علت الحال تلاش کی جائے۔

فلسفے کا دوسرا خاص مسئلہ:

فلسفے کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے:

”جزو اور کل کے درمیان کیا تعلق ہے۔؟ اگر کائنات کو کل اور انسان کو جزو قرار دیا جائے تو انسان کا اصل مقصد کیا ہے۔؟ اس کے مطابق انسان کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ کائنات کل ہونے کی حیثیت سے ابتداء، انتہاء، ماہیت اور مقصد کے اعتبار سے کیسی ہے۔؟ اس کا کوئی آغاز یا انجام ہے یا نہیں۔؟ انسانی

آرزوؤں کے ساتھ یہ کائنات سازگار ہے یا نہیں۔؟“

فلسفے کا تیسرا خاص مسئلہ:

فلسفے کا تیسرا اہم ترین مسئلہ یہ ہے:

”خیر و شر کی اصل حقیقت کیا ہے۔؟ انسان جس کی فطرت طلبِ خیر کا تقاضا کرتی ہے وہ خیر کے حصول میں ارادہ اور اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔؟ کائنات کا کوئی مقصد بھی ہے یا نہیں؟ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اور اس کے ہونے یا نہ ہونے کا ہماری زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔؟“

فلسفہ اور مذہب:

یہ تمام فلسفے کے مسائل ہیں اور اگر ایک خاص ترتیب سے ان میں نظم پیدا کر لیا جائے تو یہی سوالات مذہب کے دائرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں:

”یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور اس کی ترکیب کیا ہے۔؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے۔؟ ہمیں اس سے کیا تعلق ہے؟ اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے۔؟ باعتبار اس مقام کے ہی طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے۔؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب، فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں۔“

اسلام اور فلسفے کا پہلا بنیادی مسئلہ:

جہاں تک فلسفہ اور مذہب کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے تو اس میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ اگر فلسفہ حکمت کا نام ہے تو یہ عین قرآنی چیز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے جو چار تقاضے قرآن حکیم میں بیان کئے گئے، انہیں سے ایک تعلیمِ حکمت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

”اے نبی! آپ کو حکمت اور خیر کثیر عطا کی گئی ہے۔“

دین اسلام اور فلسفے کے دیگر مسائل:

دین اسلام کو سمجھنے کے لئے جو منہاج یا طریق کار اختیار کیا جائے اس کے دو اجزا ہیں:

1: مذہب کو صاحب کے حوالے سے سمجھا جائے۔

2: موضوع زیر بحث کی اصل ماہیت، مقصد اور غایت کو سمجھا جائے۔

اسلام کا سرچشمہ اور ماخذ پیغمبرانہ ہدایت ہے جو وحی متلو اور وحی غیر متلو پر مشتمل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو، اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی افراد پر مشتمل ہو۔ جن کی کوشش کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہے۔ اس معاشرے میں نمونہ تقلید اور استحکام کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص وفاداری ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی استعداد عطا کی ہے۔ انسان اپنے حواس کے ذریعے خام مواد جمع کرتا ہے اور عقل کی خصوصیت کے ذریعے جب اسے منظم کیا جاتا ہے تو اس علم کو کہتے ہیں ”فلسفہ“۔ فلسفہ بھی علم کی ایک شاخ ہے جو انہی مسائل کو زیر بحث لاتا ہے جن سے مذہب بھی بحث کرتا ہے، لیکن علم اور عقل اپنی یہ انتہائی معراج کے باوجود حقائق کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہو سکتے اور یہ کمی وحی پورا کرتی ہے۔ انسانی عقل کے ناقص ہونے کی تلافی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات نازل فرمائیں وہ سلسلہ وحی کہلاتا ہے۔

فوقیت مذہب یا فلسفہ کی:

فلسفے کو مذہب پر فوقیت حاصل نہیں۔ فلسفہ کو مذہب کی جانچ کا حق ضرور حاصل ہے، لیکن مذہب ایسا معاملہ نہیں ہے جسے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جاسکے۔ لہذا مذہب کی قدر و قیمت کے پیش نظر فلسفے کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ مذہب کی تعمیر فکر میں مرکزی حیثیت کو تسلیم کرے۔

مسلم فلاسفہ اور ان کی خدمات:

”عام خیال ہے کہ مسلمانوں میں جو حکماء اور فلاسفہ پیدا ہوئے ان میں سے کچھ تو محد و بے دین اور اکثر ضعیف العقیدہ تھے، یا کم از کم ان کی مذہبی حالت بہتر نہ تھی۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ حکمائے اسلام نے بڑی خدمات سرانجام دیں کہ فلسفے کو مذہب اور اسلام سے قریب تر کر دیا، نبوت کا اثبات کیا اور روح و احساسات کو فلسفیانہ دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا۔ ابن عربی، الکندی، الفارابی، ابن سینا، امام الغزالی اور ابن رشد مشہور فلاسفہ اور حکیم تھے جن کے افکار سے تاریخ اسلام

جگمگاتی رہے گی۔“

فلسفہ..... اسلامی یا یونانی:

مسلمانوں میں فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے سلسلے میں یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ یہ یونانیوں سے مستعار شدہ تھا۔ درحقیقت مستشرقین کی رائے مسلمانوں کے خلاف اس عناد کا نتیجہ ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہا۔ ان کا انداز فکر یہ ہے کہ جب تک اسلام کے خلاف منافرت پیدا نہ کی جائے مسیحیت مقبول نہیں ہو سکتی، وہ اسلام کے ثقافتی فضائل کے خلاف رائے قائم کرانا چاہتے ہیں۔

غیر مسلموں کے نظریے کے مطابق اسلام نے اخلاق اور تصوف مسیحیت سے مستعار لیا ہے..... قانون یہودیت اور رومن لاء سے..... اور فلسفہ یونانی فکر سے۔

غیر مسلموں کا رد:

فلسفے کے ضمن میں غیر مسلموں کی دلیل یہ ہے کہ اس کا آغاز مسلمانوں میں اس وقت ہوا جب عباسی خلافت کے زمانے میں مامون الرشید کے دور حکومت کے دوران بیت الحکمت قائم ہوا اور فلسفے کی یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے گئے۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان تراجم کی ابتدا سے تقریباً ۱۰۰ سال پیشتر معتزلہ نے فلسفیانہ بحثوں کا آغاز کیا تھا اور دیکھا جائے تو استعداد، عقل، فہم اور دانش کسی دوسری قوم سے مستعار لینے والی چیز نہیں۔ تبلیغ اسلام کے لئے اسلامی عقائد کو عقل و دانش کے ذریعے منوانے کی خاطر فلسفیانہ افکار کو نمونہ اور اس نے ترقی کے مدارج طے کئے اور اس کی تردید کے لئے یہ دلیل بھی بہت وزنی ہے کہ یونانی مفکرین کی نسبت اسلامی مفکرین کی تصانیف بہت زیادہ ہیں اور زیر غور مسائل کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔

اس سلسلے میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے قائم شدہ مفروضوں کو رد کیا جائے تاکہ بحث و تحقیق اور دلائل کے ذریعے نیا تجزیہ منظر عام پر آئے۔ اس بناء پر فکر اسلامی کا یونانی افکار سے ماخوذ ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ہر قوم میں فلسفیانہ غور و فکر کے محرکات الگ الگ ہوتے ہیں۔

یونانیوں کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ محسوس اور معقول کے درمیان کیا تعلق یہ ہے۔؟ مجوسیوں

میں خیر و شر کے متضاد اصولوں کی بنا پر ایک ہم آہنگ نظریہ جو حقیقت پر مبنی ہو غور و فکر کا محرک تھا۔ مسیحیوں میں علم اور ایمان کے درمیان ہم آہنگی کا مسئلہ تفکر و تدبر کا باعث بنا۔ مسلمانوں میں فلسفیانہ غور و فکر کے آغاز کا باعث یہ بات تھی کہ وہ دین کی تلقین کرنے سے پہلے مخالفین کے ساتھ علمی اشتراک پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کی نیچ پر ان سے بات کرتے تھے۔ گویا دینی اشتراک سے پہلے علمی اشتراک پیدا کرنا بنیادی مقصد تھا۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے دوسرے فلسفیانہ نظاموں کو جن کے محرکات کچھ اور تھے مستعار لے لیا۔

فلسفہ، سائنس اور اسلام میں عدم تضاد:

اس کا نتیجہ یہی نکالا جاسکتا ہے کہ فلسفہ اور سائنس اپنی حدود اور مخصوص دائرہ کار کے مطابق دین اسلام سے کوئی تضاد نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا تعلق مذہب کے ساتھ بہت گہرا ہے اور مذہب ان دونوں کو وہ بنیاد مہیا کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ اپنی اس کمی اور خامی کو دور کر سکتے ہیں جو محض حسی دائرہ کار کی وجہ سے اصولی طور پر ان میں موجود ہے۔

تفکر و تدبیر اور عقل و دانش کے ساتھ ساتھ تجربے اور مشاہدے کو دین کے حقائق سمجھنے میں راہ خیال نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ ہمہ معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ تضاد صرف اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جن ان دونوں کو ان کے محدود دائرہ کار سے نکال کر مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے یا ان دونوں سے غلط توقعات وابستہ کر لی جائیں۔ بصورت دیگر سائنس اور فلسفہ دونوں علوم سے مفید کام لیا جاسکتا ہے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیات

اسلام کا امتیاز:

گزشتہ اوراق کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ”اسلام“ دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز و مخصوص ہے۔ صرف اسلام ہی ہر حیثیت سے کامل دین ہے، یہ سارے انسانوں کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے اور نجات کے لئے ضروری ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی جو دعوت پیش کی وہ مکمل اور ایسی جامع تھی جس کے

بعد کسی اور تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور یہ ہدایت ہمیشہ کے لئے، ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے کافی و شافی ہے۔

دین اسلام کی اہم ترین خصوصیات درج ذیل ہیں:

- 1: عالمگیریت۔
- 2: کاملیت۔
- 3: محفوظیت۔
- 4: پسندیدہ دین۔

عالمگیریت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا“

”اے محمد! ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

(سورۃ السبا، آیت نمبر ۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان خود بھی بحکم الہی یوں کیا تھا:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا“

”لوگو! میں تم سب لوگوں کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔“

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۵۸)

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے پہلے جو انبیاء آئے تھے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

”كَانَ النَّبِيُّ يَبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبَعَثَ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً“

”مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن

میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جس طرح عالمگیر ہے اسی طرح ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب

قیامت تک کوئی رسول نہ آئے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“

”بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔“

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۴۰)

حدیث مبارکہ میں ہے:

”ختم بی النبیان و ختم بی الرسل“

”مجھ پر نبوت و رسالت ختم ہوگئی۔“

ایک اور جگہ فرمایا:

”انه لا نبی بعدی“

”بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

کاملیت:

اس کے مقابلے میں دوسرے پیغمبروں کی رسالت کا معاملہ کسی شرح کا محتاج نہیں پھر جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین و شریعت لے کر آئے وہ ہر پہلو سے کامل ہے جبکہ پچھلے تمام دینوں میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ ملا تھا۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف اسلام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا کہ وہ ”دین کامل“ ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت

لکم الاسلام دینا“

”لوگو! آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین کی

حیثیت سے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدگی کی سند عطا کر دی۔“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۳)

واقعہ یہ ہے کہ پہلے جو دین بھی آیا وہ اس قوم، اس زمانے اور اس علاقے کی اصلاح و ہدایت کے لئے مخصوص تھا اور جس طرح اس کی مخاطبت کا دائرہ محدود تھا اسی طرح اس کی تعلیمات کا مجموعہ بھی مختصر اور محدود تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ اب ایسا نبی

بھیجا جائے جو سب کے لئے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس فیصلے کا فطری تقاضا تھا کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الانسانی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ہر ملک اور ہر طرح کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت اسی فطری تقاضے کی تکمیل کا اعلان کر رہی ہے۔

محفوظیت:

اسلام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی وہ جوں کی توں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی، جس پر خود قرآن، حدیث اور تاریخ گواہ ہیں اور یہ کتاب ایک ایسی زبان میں ہے جو زندہ اور انٹر فیشل زبان ہے۔ کروڑوں آدمی اسے بولتے ہیں اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے جاننے، سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے والے بے شمار انسان موجود ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو ان صفات کی حامل ہو۔

پسندیدہ دین:

رسالت محمدی کی اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر کچھ لازمی تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا پہلا فطری اور لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسرے تمام مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں اور اب اللہ کے نزدیک منظور شدہ دین صرف اسلام ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان الذین عند اللہ الاسلام“

”بلاشبہ اللہ کے نزدیک مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۹)

اس لئے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور ہر قوم، ہر ملک اور زمانے کا انسان اسی کی پیروی کرے ورنہ:

”من یتبع غیر السلام دینا فلن یقبل منه“

”جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا تو اللہ کے یہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۸۵)

کیونکہ جب یہ دین ساری دنیا کا دین اور اس کا لانے والا پیغمبر پوری نوع انسانی کا

پنچبرقرار دیا گیا ہے تو اب کسی اور دین اور کسی اور پنچبر کا زمانہ باقی نہیں رہ سکتا۔ رسول تو آتا ہی اس لئے کہ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجا گیا وہ اسے اللہ کا رسول تسلیم کریں اور اس کی غیر مشروط پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ“

”ہم نے جو رسول بھیجا صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۶۴)

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہونا اور پھر آخری رسول ہونا اس کا کھلا تقاضا کرتا ہے کہ ہر انسان، ہر زمانے کا انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کو اپنا دین مان کر لازماً اس کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کا حلقہ اپنی گردن میں نہیں ڈالتا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت نہیں بلکہ اس فرماں روئے کائنات اللہ تعالیٰ عزوجل کے خلاف بغاوت ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کا ہادی اور آخری نبی بنا کر بھیجا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی موجود ہے۔ اگر یہ بات قرآن مجید کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہے کہ سارے دین سچے ہیں اور کسی ایک رسول کی پیروی کافی ہے تو اس کا بالکل منطقی تقاضا یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت نہ دیتے، حالانکہ آپ نے جس طرح مشرکین عرب کو دعوت اسلام دی ہے اس طرح اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو بھی دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰؤْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰى اٰذْبَارِهَا اَوْ نَلْعَنَهُمْ“

”اے اہل کتاب! اس کتاب پر جو ایمان لاؤ جسے ہم نے اتارا ہے جبکہ وہ اس کتاب (کی پیش گوئیوں) کے عین مطابق بھی ہے جو تمہارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں اور انہیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر لعنت کریں۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۴۷)

نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی بلکہ ان میں سے

جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں صاف لفظوں میں ”کفر“ کا مرتکب قرار دیا گیا، حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو ان کے اس انکار اسلام کو صرف کفر ہی نہیں بلکہ ”بدترین کفر“ اور انہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ ”پکا کفر“ کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝“

”جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ہم مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے اور اس طرح کفر و ایمان کے درمیان کی کوئی راہ اختیار کر لینا چاہتے ہیں، وہ پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

(سورۃ النساء، آیت نمبر 151-150)

پھر اہل کتاب کے انکار اسلام پر ایک جگہ یوں تبصرہ کیا گیا:

”وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ“

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی تھی اور اس طرح وہ اس کے ماسواہدیت الہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر جاتے ہیں۔“

(البقرہ، آیت نمبر 91)

دعوت اسلام کے جواب میں وہ جو کچھ کہتے تھے وہ ٹھیک وہی فلسفہ تھا جو آج وحدتِ ادیان کے نظریے کی بنیاد ہے، یعنی یہ کہ جب ہمارے پاس بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا دین ہے جو اپنی جگہ حق ہے اور اسلام اپنی جگہ حق ہے لیکن ان کے اس ”فلسفے“ کو اللہ تعالیٰ صاف طور سے ”کفر کا فلسفہ“ قرار دیتا ہے اور انہیں ”یہ بھی حق وہ بھی حق“ کہنے کے باوجود اصل حق کا منکر (کافر) ٹھہرایا۔

اس کے علاوہ جب قرآن مجید کے سوا اب کوئی دوسری کتاب بھی ایسی نہیں رہ گئی ہے جو پوری طرح محفوظ ہو اور جس کی اصل زبان دنیا کی مردہ زبانوں میں شامل نہ ہو چکی ہو تو دوسری کتابوں اور شریعتوں کی ٹھیک ٹھیک پیروی ممکن بھی کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ صورتحال تو گویا خود ان کتابوں اور شریعتوں کا اقراری بیان ہے کہ اب ہمارا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور ہمیں منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے اور اسلام ہی شرط نجات ہے۔ چنانچہ ”ومن یتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه“ فرمانے کے بعد وہ اپنے اس فیصلے کا بھی اعلان کر چکا ہے:

”وہو فی الاخرۃ لمن الخسرین“

”اور ایسا شخص (جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے وہ) آخرت میں قطعاً ناکام رہے گا۔“

(سورہ آل عمران، آیت نمبر: ۸۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی فیصلہ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اس امت (مراد گروہ انسانی) میں سے جس کسی بھی شخص (یہودی، نصرانی، کافر) تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لئے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا۔“

(صحیح مسلم)

اس فیصلہ خداوندی کے تحت جس طرح یہود و نصاریٰ آتے ہیں اسی طرح دوسری قومیں اور ملتیں بھی آتی ہیں، بلکہ ایک حیثیت سے تو دوسری قوموں اور ملتوں کا معاملہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے، کیونکہ دنیا کی ساری قوموں میں سے صرف یہود و نصاریٰ ہی وہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن مجید نے اہل کتاب کہا ہے۔ ان قوموں اور ملتوں کے لئے اس کا شرط نجات ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا جن کو قرآن مجید نے صاحب کتاب و شریعت کے نام سے یاد نہیں کیا ہے۔

غرض جہاں تک اسلام کے اپنے فیصلے کا تعلق ہے وہ بالکل دو ٹوک انداز میں اپنی پیروی کو سارے انسانوں کے لئے ضروری اور شرط نجات قرار دیتا ہے اور اس سے مستثنیٰ وہی فرد ہے جس

تک اسلام کا پیغام ہی نہ پہنچا ہو۔ اب اس پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانے کا فریضہ امت مسلمہ کا ہے۔

دین اسلام کی دیگر اہم ترین خصوصیات

علاوہ ازیں دین اسلام میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں:

- 1: توحید۔
- 2: اخوت اسلامی۔
- 3: اسلامی مساوات۔
- 4: اعتدال اور توازن۔
- 5: ابدی اور دائمی مذہب۔
- 6: اصلاحی اور انقلابی دین۔

توحید

بنیاد توحید:

دین اسلام کی بنیاد اور محور عقیدہ توحید ہے۔ توحید کے تین ذیلی عنوانات ہیں:

- 1: توحید ربانی۔
- 2: توحید انسانی۔
- 3: توحید ایمانی۔

توحید ربانی:

عقیدہ توحید سے مراد ہے کہ خدا وحدہ لا شریک ہے، وہ اپنی ذاتی صفات اور صفاتی کمالات میں بے مثل ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، تمام کائنات کا وہ مالک ہے، وہ حی و قیوم ہے، حاضر و ناظر ہے، عالم الغیب ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، تمام مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ ابد تک رہے گا، ہر عیب و نقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لہذا اصلی حاکم و مطاع وہی ہے، اس کے احکام و قوانین کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلام میں توحید ربانی کے ساتھ ساتھ انسانی توحید ایمانی اور توحید مکانی پر بھی زور دیا گیا ہے۔

توحید انسانی:

توحید انسانی یہ ہے کہ تمام انسان اصل کے لحاظ سے ایک جان سے پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ“

حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور ان کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا۔ انسان کو مٹی سے ہی خوراک مہیا کی گئی اور بالآخر ایک دن اسے مر کر اسی مٹی میں جانا ہے۔ اس طرح تمام انسانوں کی ابتدا اور انتہا یکساں اور ایک جیسی ہے۔ اسلام نے یہ عقیدہ پیش کر کے تمام علاقائی اور جغرافیائی حدود کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

توحید ایمانی:

توحید ایمانی سے مراد یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کے عقائد ایک ہی اجزائے ایمانی سے مرکب ہیں، یکساں ہیں اور ارکان اسلام میں تمام اہل ایمان شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور خانہ کعبہ ایک ہے۔

نیز جملہ اسلامی احکام، حلال و حرام، نکاح و شادی کی تقریبات اور پیدائش و موت کی رسومات یکساں ہیں جس سے اہل اسلام میں اتحاد و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔

اخوت اسلامی

اتحاد و یگانگت:

اسلام اونچ نیچ کے امتیازات صرف حلقی طور پر ہی ختم نہیں کرتا بلکہ وہ ایجابی طور پر اعلان کرتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد اتحاد و یگانگت ایثار و اخوت پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”انما المؤمنون اخوة“

”تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔“ (سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۰)

معاشرتی برائیوں کی حرمت:

معاشرہ میں جو چیزیں تعلقات کو بگاڑنے والی ہیں اور دلوں میں کدورت پیدا کرتی ہیں مثلاً غیبت، خیانت اور غلط بیانی کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، غلط بیانی نہیں کرتا، ہر

مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت، مال اور خون حرام ہے۔“

نیز ارشاد فرمایا:

”مسلمان باہمی مروت، شفقت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

مساوات انسانی

ایک شخصیت کی اولاد:

اسلام نے بنی نوع انسان کو وحدت اور مساوات کا سبق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ“
 ”اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔“

مساوات بحیثیت انسان:

تمام بنی نوع انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ قبائل، خاندان اور اقوام محض باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ اسلام میں مساوات سے دو باتیں مراد ہیں۔ ایک ہی قانون ہے امیر ہو یا غریب، سربراہ حکومت ہو یا عام انسان، کسی کو کسی بنا پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

اجتماعی اور سوشل لائف میں مساوات:

معاشرتی مساوات سے مراد ہے کہ عام اجتماعی اور سوشل لائف میں کسی کو فضیلت حاصل نہیں۔ اسلام میں نہ اونچ نیچ ہے، نہ برتری و کمتری۔ عزت و اکرام کا معیار فقط تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“

”بیشک تم میں سے سب سے معزز سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ان العباد کلہم اخوة“

”سارے انسان بھائی بھائی ہیں۔“

اور فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

”اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ۔“

اعتدال اور توازن

اسلام کی امتیازی خوبی:

پوری کائنات اعتدال پر قائم ہے اور حیات انسانی میں بھی یہی توازن مطلوب ہے۔ اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کی انتہاؤں کے درمیان ایک حسین توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔

الہامی اعتدال:

انسانی زندگی میں اعتدال صرف الہامی ہدایت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اسلام نے دین و دنیا، فرد و اجتماع اور روح و جسم کے درمیان توازن قائم کیا ہے اور افراط و تفریط کو ختم کیا ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو! تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، ہر حق اس کے حقدار کو ادا کرو (میری ہدایت یہ ہے کہ) روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔“

انفرادی اور اجتماعی زندگی کا توازن:

اسی طرح دین اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہترین توازن قائم کیا۔ ایک طرف فرد کی نشوونما کا پورا ساز و سامان کیا تو دوسری طرف اسے اجتماعی ذمہ داری کے نظام میں منظم کیا۔

اعتدال اور اسلامی تعلیمات:

اسلام نے حیات انسانی کے تمام شعبوں کے متعلق مفصل ہدایات دے کر ان تمام شعبوں

کے درمیان اعتدال قائم کیا۔ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شعبہ زندگی میں یہ سنہری ہدایت دی ہے:

”خیر الامور اوسطها“

”معاملات میں بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

”اعتدال نبوت کا حصہ ہے۔“

تہذیب اسلامی کا امتیاز:

پھر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط (میانہ روست) قرار دیا ہے۔ لہذا یہ امتیاز صرف تہذیب اسلامی کو حاصل ہے کہ اس نے افراط و تفریط سے ہٹ کر زندگی کے فطری تقاضوں کو پورا کیا، ان میں توازن قائم کیا تا کہ انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکے اور کہیں اس میں جھول، انتہا پسندی، عدم توازن اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔

ابدی اور دائمی مذہب

اسلامی اصول:

زندگی ایک بدلنے والی چیز ہے، اسے گھڑی بھر کے لئے قرار نہیں۔ اسلامی تہذیب کا خالق رب العالمین ہے جو ازل سے ہے ابد تک رہے گا، اس لئے اسلام کے اصول و ضوابط بھی دائمی اور ابدی ہیں۔ یہ اصول انسانی معاشرے کی منت نئی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ہیں۔

انسانی اور الہامی اصول:

انسان کے لئے محض اپنی فکر اور تجربے کی بنا پر ایسے اصول وضع کرنا ممکن نہیں۔ زبان و مکان کی جو مجبوریات انسان کو حق ہیں ان کی بنا پر وہ اس کے لئے نا اہل ہیں۔ یہ اسلامی نظریہ حیات کی خوبی ہے کہ جہاں وہ ایک طرف زندگی کی ابدی صداقتوں کو پیش کرتا ہے، وہیں انسانی معاشرے میں جو فطری تغیرات آتے رہتے ہیں ان سے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کرتا ہے۔

اجتہاد و قیاس اہم ترین اصول:

لہذا اجتہاد اور قیاس اسلامی فقہ کے اہم اصول ہیں جن کے ذریعے نئے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

اصلاحی اور انقلابی دین

غلبہ واقعہ:

دین اسلام فقط ایک نظریہ ہی نہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ہے، بلکہ یہ ایک اسلامی اور انقلابی دین ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے دنیا میں رائج کیا جائے اور غلبہ واقعہ ار خدا کے دین کو حاصل ہو۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

”هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على

الدين كله ولو كره المشركون“

”وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ تمام ادیان پر غالب ہو خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں۔“

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر: ۳۳)

اصلاحی اور تبلیغی دین:

اس طرح دین اسلام ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصد ریاست اور نظم کا قیام ہے۔ مسلم معاشرے کا ہر فرد اصلاً معلم اور داعی الی الحق کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کو ہدایت ہے:

”تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان“

”نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی و سرکشی کے

معاملے میں تعاون نہ کرو۔“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۲)

نیز امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیتے ہوئے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے:

”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون

عن المنکر“

”تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں لائی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۱۰)

اچھائی اور برائی کے بارے میں احکامات:

اخلاق میں متحدی تاثیر ہوتی ہے، اچھے اخلاق کو دیکھ کر دل میں نیکی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور برے اخلاق والوں کے ہاتھوں دوسرے لوگ بھی برائی میں پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر کسی قوم میں کوئی گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے قبل دنیا میں عذاب الہی مسلط ہو جاتا ہے۔“

(مشکوٰۃ المصابیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے جو برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس میں یہ استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں اسے برا سمجھے لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

(صحیح مسلم)

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

نظام اسلام کی برکتیں:

اسی طرح اسلام محض ایک فکری تہذیب ہی نہیں، بلکہ ایک اسلامی اور انقلابی تحریک بھی ہے، جس کا مقصد نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کی منہ کنی ہے اور خدا کی زمین پر ظلم و ستم، استحصال، ناجائز نفع اندوزی، جبر و تشدد، فحاشی اور گمراہی کو مٹا کر گلشن حیات کو اچھائیوں سے بھر دینا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں حضرت عیسیٰ کے الفاظ میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی برکتیں برسانے لگتا ہے۔

اسلامی تعلیمات قوی و سریع التاثر ہیں:

یہی وجہ ہے کہ تمام عرب تیس سالوں کی مدت میں دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام

بہت جلد دور دور تک پھیلنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

”ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا“

”اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔“

(سورۃ النصر، آیت نمبر 2)

مسٹر سنیل قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

”دنیا میں اس دین کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال اور نظیر نہیں ملتی۔ اس دین

کو نہ صرف ان لوگوں نے قبول کیا جو عربی تھے بلکہ انہوں نے بھی قبول کیا جو غیر عربی

تھے، حالانکہ اس میں کوئی بات اس سے بڑھ کر نہ تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی

جاتی ہے۔ بہر حال اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے عجیب ترقی حاصل کی۔“

☆☆☆

حصہ نمبر 4

یہودیت، عیسائیت

اور اسلام کا تقابل

(عقائد، شعار، اعمال، رہنما اور کتب)

الجزء الاول:

یہودیت اور اسلام کا تقابل

یہودیت ابتداتا انتہا

یہودیت یا اسرائیلی مذہب کے صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت یعقوب کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لئے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے جن دوسری اقوام نے ان کا دین قبول کیا، وہ نسلاتو ان سے الگ رہی مگر مذہباً ان کے تابع رہی۔ اس طرح یہودیت نسلی دین ہے۔ پھر بنی اسرائیل پر جب تزل کا دور آیا تو اس سے یہودیت پیدا ہوئی، جو حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے یہودا کی طرف منسوب ہے۔ قرآن مجید میں انہیں بنی اسرائیل اور الذین ہادوا کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا طویل سلسلہ مبعوث کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں صاحب شریعت رسول تھے۔ ان تمام انبیاء کی تعلیم خالص توحید، رسالت اور آخرت پر مبنی تھی۔ ان کا اصل دین دین اسلام ہی تھا لیکن مرور زمانہ سے بنی اسرائیل کے کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات، مطالعہ، شرکیہ عقائد، باطل رسوم اور خود ساختہ مذہبی ضوابط کا جوڑا منجھ صد ہائرس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ لہذا ہم اسلام کا موازنہ اسی یہودیت سے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

تصور توحید

اسلام کا تصور توحید:

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور باقی تمام عقائد و ایمانیات عقیدہ توحید کے تحت ہیں۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

”والہکم الہ واحد لا الہ الا هو الرحمن الرحیم“

(القرآن المجید)

”تمہارا معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ رحمن

اور رحیم ہے۔“

اس کے علاوہ قرآن کریم کی سورۃ اخلاص اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اتنا خالص بیان پیش کرتی ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کے شک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

(القرآن المجید، سورۃ الاخلاص، سورۃ نمبر 112)

”اے نبی! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی دوسرا کسی بھی طرح اس کے برابر ہے۔“

نیز فرمایا گیا:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 21)

”اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔“

آگے چل کر اسلام خدا کی اہم صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

”إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 20)

”بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

یہودیت کا تصورِ توحید:

اس کے مقابلے میں یہودیوں کی مذہبی کتاب (تورات) میں خدا کا تصور ملاحظہ ہو:

”خداوند انسان کو اس سرزمین پر پیدا کر کے بچھڑایا اور کہا: ”میں نے جس انسان کو پیدا کیا نہ صرف اسے بلکہ حیوان اور پرندوں تک کو ہلاک کر دوں گا کیونکہ ان کے بنانے سے میں ملول ہوا ہوں۔“

تورات کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا بھی گویا انسانوں کی طرح ہے کہ ایک کام کرتا

ہے اور پھر کسی وجہ سے اپنے کئے پر چھٹتا ہے۔ جہاں تک یہودیوں کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ عقیدہ توحید یہودی عقائد کا ایک اہم جزو ہے، اس کی نفی قرآن کریم نے کر دی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

”وقالت اليهود عزيز ابن الله“

”اور یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔“

گویا یہودیت کے نزدیک خدا کو انسانوں کی طرح نسلی بقا کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عقیدہ توحید کو خالص طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شرک کو بہت بڑا ظلم قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان الشبرك لظلم عظیم“

”بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

لہذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عقیدہ توحید اپنے خالص رنگ میں صرف اور صرف اسلام ہی میں موجود ہے اور یہودی اس عقیدہ کو خالص نہ رکھ سکے۔

دینی کتب

مسلمانوں کی دینی کتاب قرآن مجید:

یہودیوں کے مذہبی ادب کی بنیاد تورات ہے اور مسلمانوں کی کتاب قرآن پاک ہے۔ قرآن مجید اپنی اصلی صورت میں آج تک موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا کیونکہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں محفوظ کرایا اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے سینوں میں بھی یہ محفوظ تھا۔ نیز خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے اسے ہر طرح کی تحریف سے پاک رکھنے کی ضمانت بھی دے دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون“

”ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔“

اور نہ صرف اس کی حفاظت کی گئی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ اس جیسا کلام کوئی نہیں پیش کر سکتا اور کھلا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَأَنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 23)

”اگر تمہیں ہمارے کلام کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا
لاؤ اور نہ صرف تم بلکہ اللہ کے علاوہ اپنے تمام حمایتیوں کو بھی لے لو۔“
اور پھر خود ہی اس چیلنج کے متعلق فرمایا کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری
تعالیٰ ہے:

”فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 24)

”پس اگر تم نہ لا سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آگ
اور پتھر ہے اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ“

”اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔“

جہاں تک قرآن کریم کے فوائد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں بھی یہ بتا دیا گیا کہ یہ کسی ایک فرد یا
قوم کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کی صیحت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد
باری تعالیٰ ہے:

”إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ“

”یہ تو فقط تمام جہانوں کے لیے صیحت ہے۔“

یہودیوں کی دینی کتاب عہد نامہ قدیم:

اس کے مقابلہ میں یہودیوں کے مذہبی ادب کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات
ثابت ہو جاتی ہے کہ موجودہ مذہبی ادب وہ نہیں جو یہودیوں کے انبیاء پر نازل ہوا تھا کیونکہ خود ان
لوگوں نے اس میں ترمیم و تنسیخ کر دی اور خود اس میں اپنی مرضی سے باتیں شامل کرتے اور کہتے

کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کی گواہی قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے:

”فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 79)

”جاہ و بر باد ہوں وہ لوگ جو اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے تھوڑی سی کمائی کریں۔ جاہی ہے ان کے اس لکھنے پر اور ان کی اس کمائی پر۔“

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات مختلف ادوار میں عرصہ دراز تک صفحہ ہستی سے ناپید رہی اور پھر جو نبی یہودی سنبھلے تو انہوں نے تورات کو مرتب کر دیا اور ظاہر ہے کہ اس عمل میں جو ان کے جی میں آیا انہوں نے کیا اور انبیاء تک کو نہیں بخشا۔

لہذا مذہبی کتب کے سلسلے میں بھی اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیمات بلا ترمیم و تخیخ آج بھی موجود ہیں۔ جبکہ یہودی مذہب کی بنیاد تورات ہی اپنی اصل صورت میں موجود نہیں تو انبیاء کی تعلیمات کے درست ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دینی رہنما

یہودیوں کے دینی رہنما:

کسی بھی مذہب یا نظریہ حیات کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پیچھے ایک ایسی ہستی کارفرما ہو جو اپنی عملی زندگی سے ان نظریات کو پیش کر سکے۔ جب اس معیار پر ہم یہود کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا منسب سے بڑا پیغمبر مانتے تھے جن کے متعلق ہمیں مہد نامہ عتیق کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی لیکن یہودیوں کی شرارتوں نے ان کو موقع ہی نہیں دیا کہ اس کی ترتیب اور اس کے قوانین کے عملی جامہ

کی طرف توجہ فرمائیں۔ تورات کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی، جب ان میں پیغمبروں کی عصمت کے بارے میں نعوذ باللہ یہاں تک کہا جاتا ہے:

”حضرت لوط نے اپنے بیٹیوں سے زنا کیا۔“

اسی طرح یہود پر الزام لگایا گیا کہ اس نے حضرت یعقوب کی نسل کو بڑھانے کے لئے اپنے لڑکے کی بھانج سے زنا کی ترغیب دی۔

خود موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا رویہ یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جہاد کی دعوت دی تو بڑی بے شرمی سے کہنے لگے:

”فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون“

(القرآن المجید)

”پس موسیٰ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔“

غرضیکہ یہودیوں نے ہر طرح سے اپنی نفسانی خواہشات کو اولیت دی اور اپنے انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہی چلتے رہے، جس کی وجہ سے انبیائے یہود کی پوری زندگی کا عملی رخ تاریخ محفوظ نہ کر سکی۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

اسلام کے مذہبی رہنما:

اس کے مقابلہ میں اسلام کے بانی کو لیجئے۔ مذہب کی بنیاد ہی میں رسول کی اہمیت کو واضح کر دیا گیا اور اسلام میں داخل ہونے کے لئے جس کلمہ کا پڑھنا ضروری ہے اس میں بھی رسول کی صداقت و رسالت کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ایمان کا ایک لازمی جز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان ہے۔

اسلام نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط بنیادوں پر تعلق قائم رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کر دی کہ اگر تم اللہ سے مضبوط رشتہ جوڑنا چاہتے ہو، اس سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارے اعمال پر نظر کرم کے جائے تو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنیاد بناؤ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله يغفر لكم ذنوبكم“

(القرآن المجید)

”اے نبی! کہہ دیجئے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو جس کے صلہ میں اللہ نہ صرف تم سے محبت کرے گا بلکہ تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔“

اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو افراط سے بچانے کے لئے اللہ کی طرف سے اس بات کا اعلان بھی کر دیا:

”قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی“

(القرآن المجید)

”اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں اور تمہاری ہدایت کے لئے اس لئے مقرر کیا گیا ہوں کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے جو عام انسانوں اور مجھ میں فرق واضح کرتی ہے۔“

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیت کے مقابلہ میں اسلام کا عقیدہ رسالت واضح اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی مکمل طور پر ہمارے سامنے موجود ہے جس پر ہم عمل کر کے دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

عقیدہ آخرت

یہودیت کا عقیدہ آخرت:

اسلام کی طرح عقیدہ آخرت کا تصور اگرچہ یہودیت میں بھی ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر وہ بھی یقین رکھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اس لئے عذاب سے محفوظ رہیں گے، چاہے نیک اعمال کریں یا نہ کریں۔ قیامت کا تصور ان کے یہاں اس طرح پایا جاتا ہے:

”جس دن گھر کے مالک تھر تھرانے لگیں گے، طاقتور لوگ کمزوری کے باعث جھک جائیں گے، جب چکی کی آواز دھیمی ہو جائے گی، انسان چڑیا کی آواز سے چونک

جائے گا، قبل اس کے کہ خاک میں مل جائے تو سمجھنا قیامت ہے۔“
عہد نامہ قدیم میں ہے:

”اللہ نے انصاف کے لئے اپنا تخت تیار کر رکھا ہے اور یہ وہ سچا ہے۔ پورے جہان کی عدالت کرے گا۔“

انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے:
”میں جانتا ہوں کہ مجھے زندہ کرنے والا موجود ہے۔ میں بالکل نیست و نابود ہونے کے بعد بھی اپنے جسم سے خدا کو دیکھ سکوں گا۔“

یہودیت میں انسانی اعمال کے بارے میں جو ابدی کا تصور کچھ اس طرح ہے:
”اے جوانو! اپنی جوانی کے ایام میں خوش رہو! اپنے دل اور آنکھوں کو صحیح راستے پر چلاؤ۔ یاد رکھو! سب باتوں کے لئے تم کو خدا کے یہاں اس کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔“

اسلام کا عقیدہ آخرت:

اسلام میں عقیدہ آخرت ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت قائم ہے۔ قرآن کریم میں جن لوگوں کو متقی بتایا گیا ہے ان کی اہم خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے:
”وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 4)

”اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔“

اسلام اس دنیا کی زندگی کو عارضی زندگی قرار دیتے ہوئے انسانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ“

(القرآن المجید)

”اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹو گے اور ہر شخص کو جو اس نے کیا ہے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔“

اس کے ساتھ ساتھ انسانی نجات کا واحد ذریعہ اس کے اعمال کو قرار دیا گیا ہے کہ تم خواہ معمولی سی اچھائی یا برائی کرو گے اس کا پورا صلہ تمہیں مل کر رہے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝“

(پارہ نمبر 30، سورۃ الزلزال، آیت نمبر 7 اور 8)

”پس جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا۔“

قیامت کا منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

”الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُونُ
النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ
الْمَنْفُوشِ ۝ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝
وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَتْ ۝ نَارٌ
حَامِيَةٌ ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30 سورۃ القارعہ)

”دل دہلانے والی اور کیا ہے دل دہلانے والی اور آپ نے کیا جانا کہ کیا ہے دل دہلانے والی۔ جس دن لوگ بکھرے پتنگوں کی مانند کھو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روٹی کی طرح۔ پس جس کا پلڑہ بھاری ہوگا تو اسے آرام و اطمینان نصیب ہوگا اور جس کا پلڑہ ہلکا ہو جائے گا تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو۔“

اس کے بعد قرآن کریم نے ہاویہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

”وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَتْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30 سورۃ القارعہ، آیت نمبر 11-10)

”وہ ہاویہ کیا ہے؟ وہ تو دہکتی ہوئی آگ ہے۔“

اعمال کی اس باز پرس میں اللہ کے نزدیک بڑائی کا صرف ایک معیار ہوگا اور وہ یہ کہ کونسا انسان اس دنیا میں اس سے ڈر کر نیک اعمال کرتا ہے اور برے اعمال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے

کیونکہ بحیثیت انسان تمام اولاد آدم ایک ہیں اور اللہ سب کا رب ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بالکل واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَانْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ“

(القرآن المجید)

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پہچان کے لئے مختلف ذاتیں اور قبائل بنائے۔ بیشک اللہ کے نزدیک عزت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔“

پھر یہ معیار مقرر کر کے انسانوں پر نہیں چھوڑ دیا کہ وہ فتویٰ لگاتے پھریں کہ کون متقی ہے اور کون نہیں، بلکہ فرمایا کہ ممکن ہے تم جسے بظاہر کچھ نہیں سمجھتے وہی اللہ کے نزدیک قابل قدر ہو، اس لئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہود کا عقیدہ آخرت قرآن کی رو سے:

اس کے برعکس اہل یہود کا عقیدہ آخرت بگڑ گیا اور ان کا تصور نجات غلط اور خود ساختہ ہے۔ ان کے ہاں نجات اعمال صالحہ کی بجائے بنی اسرائیل میں مختص اور محدود کردی گئی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں، کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ کی لاڈلی قوم ہیں۔ وہ ہرگز جہنم میں نہیں جائیں گے۔ بالفرض اگر سزا ملی تو وہ چند روزہ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

”وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“

”اور وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی الا یہ کہ چند روز۔ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا؟ یا پھر تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔؟“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 80)

نیز فرمایا:

”وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا تِلْكَ
أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 111)

”اور وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی یا نصرانی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو کہ دلیل لاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔“ ۝

فرشتوں اور کتابوں پر ایمان

یہودیت..... فرشتوں اور کتابوں پر ایمان:

یہودیوں کے ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتاب میں بھی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ فرشتوں میں سے خصوصاً حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ اسی طرح آسمانی کتب میں سے تورات کے علاوہ دیگر کتب انجیل اور قرآن کا انکار کرتے تھے۔

اسلام..... فرشتوں اور کتابوں پر ایمان:

اس کے برعکس اسلام تمام انبیاء پر ایمان کو لازمی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نیز تورات، انجیل اور دوسرے آسمانی صحائف کو برحق تسلیم کرتا ہے جو اپنے اپنے وقت پر کتاب ہدایت تھیں اور اب صرف قرآن مجید آخری کتاب ہدایت ہے۔

قوم و نسل کا تصور

یہودیت میں قوم و نسل کا تصور:

یہودیت ایک نسلی مذہب ہے جس کی بنیاد نسل اور قوم ہے۔ ہر یہودی کے لئے یہودی باپ اور یہودی ماں کی اولاد ہونا ضروری ہے۔ کوئی دوسری قوم یا نسل کا شخص ان کے عقائد کو قبول کر کے یہودی نہیں بن سکتا۔ یہودی صرف وہی ہے جو پیدائشی اور نسلی یہودی ہو۔ ان کا دعویٰ ہے

کہ ان میں دوسری نسل انسانی کا خون شامل نہیں۔ یہ لوگ غیر یہودیوں سے رشتہ ازدواج بھی نہیں کرتے۔

اسلام میں قوم و نسل کا تصور:

اس کے برعکس اسلام ایک بین الاقوامی اور عالمگیر دین ہے، جس کا خدایا رب العالمین، رسول رحمۃ للعالمین اور کتاب ذکر للعالمین ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ میں فرمایا:

”کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی کو کسی پر رنگ و نسل یا کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔“

حقوق نسواں

اسلام اور حقوق نسواں:

اسلام حقوق نسواں کا محافظ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

”هن لباس لکم وانتم لباس لهن“

(القرآن المجید)

”عورتیں تمہارے لئے مثل لباس ہیں اور تم ان کے لئے مثل لباس ہو۔“

اسلام کا کہنا ہے:

”عورت اور مرد ایک دوسرے کے رفیق حیات اور عزت و حقوق کے محافظ ہیں۔

گناہ، نیکی، سزا اور جزا میں وہ دونوں برابر ہیں۔ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی

ہے۔ اس کا کمایا ہوا مال اس کے والدین یا شوہر کا نہیں، بلکہ اس کا کمایا ہوا مال اس کا

اپنا ہے اور وہ اپنی آزاد مرضی سے جہاں چاہے اپنا مال صرف کر سکتی ہے۔ اسے اپنے

مال میں تصرف کا حق ہے۔“

اسلام میں عورت کو شادی کا اختیار ہے، مہر عورت کا قانونی حق ہے اور وراثت میں عورت

بھی حصہ دار ہے۔

یہودیت اور حقوق نسواں:

اس کے برعکس یہودیت میں عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ غلام اور محکوم بنایا گیا ہے۔ چنانچہ بائبل میں ہے:

”خدا تیرے درد حمل کو بڑھائے گا، تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔“

(کتاب پیدائش، باب نمبر ۳)

پھر یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی ہیں۔

نظام عدل و مساوات

اسلام کا نظام عدل و مساوات:

اسلام عدل و مساوات کا دین ہے۔ اسلام نہ صرف باہم مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں سے بھی مساوی اور عادلانہ سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ عدل و مساوات میں وہ مذہب و ملت، حسب و نسب اور رنگ اور نسل کی تفریق نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ہے۔“ (القرآن المجید)

مزید ارشاد ہے:

”اللہ کے لیے گواہی دو۔ لگتی لپٹی بات نہ کرو۔ عدل کی گواہی دو! چہ جائے کہ وہ تمہارے، تمہارے ماں باپ، بہن بھائی، رشتے دار اور دوستوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ غریب ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”من نصر قومہ علیٰ خیر الحق فهو کالبعیر الذی ردیٰ فهو

www.only1or3.com

ینزع بذنبہ

www.onlyoneorthree.com

(صحاح ستہ)

”جس نے اپنی قوم کی ناحق معاملے میں مدد کی تو اس کی مثال اونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر رہا تھا تو یہ بھی اس کی دم پکڑ کر لٹک گیا۔“

یہودیت میں عدل و مساوات کا تصور:

یہودی مذہب اپنے اور بیگانوں میں قدم قدم پر بے انصافی اور عدم مساوات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تالمود کا بیان ہے:

”اگر اسرائیل کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی چیز گری پڑی ملے تو وہ دیکھے کہ اس پر اس کے ارد گرد کی آبادی کن لوگوں کی ہے۔ اگر اسرائیلی کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہئے اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو بلا اعلان اپنے پاس رکھ لے۔“

اسماعیل ربی کا کہنا ہے:

”اگر قاضی کے پاس امی یعنی غیر اسرائیلی اور اسرائیلی کا مقدمہ آئے تو قاضی کو ہر صورت میں اپنے مذہبی بھائی اسرائیلی کو جتنا چاہئے۔“

نیز ربی شموئل کہتا ہے:

”غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔“

معلوم ہوا کہ ایک یہودی کے لئے مذہبی طور پر جائز ہے کہ وہ غیر یہودیوں سے جو سلوک چاہے کرے۔ اس کی گواہی قرآن مجید بھی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اسرائیلیوں کی نا انصافیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاٰمِيْنَ سَبِيْلٌ“

”(یہ نا انصافیاں یہودی اس لیے کرتے ہیں) کیونکہ وہ کہتے ہیں امیوں (غیر یہودیوں) کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۷۵)

☆☆☆

الجزء الثانی:

عیسائیت اور اسلام کا تقابل

عیسائیت کا مختصر تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں برحق اور برگزیدہ رسول ہیں۔ دونوں کی تعلیمات برحق ہیں، صداقت پر مبنی ہیں اور عقلی اور فطرت کے عین مطابق ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پولوس نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑ دیا اور نئے عقائد اور باطل نظریات عیسائیت میں شامل کر دیئے، جس کی وجہ سے عیسائی مذہب مشرکانہ دین بن گیا اور موجودہ مسیحی دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل پیش کردہ دین سے بالکل مختلف ہے۔ لہذا ہمارا موازنہ عیسائیت کے جدید مذہب سے ہوگا۔

توحید و شرک

موجودہ عیسائیت اور عقیدہ توحید:

موجودہ عیسائیت کی بنیاد مندرجہ ذیل عقائد ہیں:

تین خدا ہیں۔ خداوند خدا، خداوند یسوع اور روح القدس۔ خدا ان تین اقنوم سے مرکب ہے۔ یہ تینوں اقنوم مل کر ایک بھی ہیں یعنی تین میں ایک اور ایک میں تین۔ اس طرح یہ عقیدہ خدا کی ذات، صفات اور افعال میں شرک ہے۔ علاوہ ازیں الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کا عقیدہ پایا جاتا ہے جو مشرکانہ اقوام مثلاً: ہندوؤں کے عقیدہ حلول و تجسیم سے مشابہ ہے۔ انجیل یوحنا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

”ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔“

(انجیل یوحنا، آیت نمبر 1 اور 2)

اسلام اور عقیدہ توحید:

اس کے برعکس اسلام خالص توحید کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”لیس کمثله شی“

”اس جیسا کوئی نہیں۔“

اسلام اللہ کے سوا کسی کو معبود تصور نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والہکم الہ واحد لا الہ الا هو الرحمن الرحیم“

(القرآن المجید)

”تمہارا معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ رحمن

اور رحیم ہے۔“

اس کے علاوہ قرآن کریم کی سورۃ اخلاص اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اتنا خالص بیان پیش کرتی ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کے شک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ سورہ اخلاص تصور توحید کی بہترین ترجمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْهُ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ

يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝“

(القرآن المجید، سورۃ الاخلاص، سورۃ نمبر 112)

”اے نبی! آپ لوگوں کو بتادیتے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی

کو جنما اور نہ اس کو کسی نے جنما اور نہ کوئی دوسرا کسی بھی طرح اس کے برابر ہے۔“

نیز فرمایا گیا:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 21)

”اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا

کیا۔“

آگے چل کر اسلام خدا کی اہم صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:
 ”إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 20)

”بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اسلام اور ردِ شرک:

عیسائیت میں حضرت مسیح، روح القدس اور مریم وغیرہ کو خدا کہا گیا ہے یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ اس کے برخلاف اسلام میں ہر قسم کے شرک سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝“

(سورۃ لقمان، آیت نمبر 13)

”تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا۔ بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔“

سورۃ المائدہ میں عقیدہ تثلیث کی تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 17)

”تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے۔“

پھر فرمایا:

”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي أُسْرَآئِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 72 اور 73)

”تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ حضرت مسیح

ابن مریم نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو! جو میرا اور تمہارا رب

ہے۔ بیشک جو اس کے ساتھ شرک کرے گا تو تحقیق اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ۵ تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں خدا تین میں تیسرا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

حضرت مسیح علیہ السلام کی بشریت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَأَنَّا يَأْكُلِنِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ
انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 75)

”مسیح ابن مریم تو فقط رسول تھے۔ تحقیق ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔ اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا کا نا کھاتے تھے۔ دیکھو کس طرح ہم ان کے لیے آیات بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ کہاں اوندھے منہ جاتے ہیں۔“

ابہیت کا قرآن مجید نے اس طرح انکار کیا:

”سبحانہ ان ان یکون له ولد“

”وہ اللہ بیٹے سے پاک ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ابہیت مسیح کا اس طرح در فرمایا:

”لم یکن له صاحبہ“

”پھر اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے۔؟“

عقیدہ کفار قرآن مجید اور انا جیل کی روشنی میں

عقیدہ کفار انا جیل کی روشنی میں:

عقیدہ کفارہ کی اصل یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام نبی آدم کے گناہوں کو چھپا لیا ہے اور ان کے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیداؤں گناہگار ہے۔ حضرت آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آ رہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہگار ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ تو بہ اور استغفار سے معاف کر دے تو اس کا رحم اس کے عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے اور اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ پھر وہ عادل بھی ہے اور عدل کا یہ تقاضا ہے کہ گنہگار کو سزا ضروری جائے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا خدا نے بندوں کو نجات دلانے کے لئے ایک صورت یہ نکالی کہ اپنے بیٹے یسوع مسیح کو بھیجا۔ وہ تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھا۔ اس نے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دیدی اور سارے لوگوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

”عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں۔ ایک یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ خدا کی رحمت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔“

مسٹر ڈینیئل ولن کہتے ہیں:

”یہ عقیدہ عیسائیت کی جان ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انجیل میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔“

اسلام اور عقیدہ کفارہ کا رد:

کفارہ کا نظریہ غیر فطری، خلاف عقل اور خلاف انصاف ہے، اس لئے اسلام نے اسے باطل ٹھہرایا ہے۔ اسلام کا اللہ غفور و رحیم ہے۔ وہ انسانوں کے گناہ تو بہ و استغفار کرنے پر معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝“

(سورۃ النساء، آیت نمبر 48)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور جو اس

کے علاوہ گناہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو تحقیق اس نے بہت بڑا افتراء بائندھا اور گناہ کمایا۔“
اسلام کا اللہ بہت وسیع رحمت والا ہے۔ وہ توبہ کرنے پر گناہ بخش دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:
”كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ“

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 12)

”اس نے اپنے اوپر رحم کو لازم کر لیا ہے۔“

پھر فرمایا:

”وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ“

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 156)

”اور میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے۔“

اسلام کے نزدیک کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ“

(سورۃ الفاطر، آیت نمبر 18)

اسلام اور عیسائیت میں ذریعہ نجات

ذریعہ نجات اور عیسائیت:

عیسائی عقیدے کے مطابق انسان فطرتاً گناہگار ہونے کی وجہ سے کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ان کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے اس لئے نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ نجات حاصل کرنے کے لئے کفارہ کے عقیدہ پر یقین لازمی ہے۔

اسلام اور ذریعہ نجات:

اسلام میں نجات کا دار و مدار اعمال صالحہ پر ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ بجالاتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”من امن بالله والیوم الآخر وعمل صالحا فلهم اجرهم عند ربهم“

(القرآن المجید)

”جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لایا اور نیک عمل کئے پس ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔“
دوسری جگہ فرمایا:

”وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 25)

”اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ وہ باغوں کے وارث ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔“

بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا عیسائیت اور اسلام کی رو سے

بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا عیسائیت کی رو سے:

عیسائی عقیدے کے مطابق بنی نوع انسان گناہگار ہے۔ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثتاً اور نسلأ ہر انسان میں چلا آرہا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعے نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے۔ مسیح اسی لئے بن باپ کے پیدا کئے گئے تھے تاکہ اس کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ لہذا جمیع بنی نوع انسان گناہ میں ملوث ہیں۔

بنی نوع انسان کا گناہگار ہونا دین اسلام کی رو سے:

اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 30)

”اور جب میرے رب نے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝“

(سورۃ التین، آیت نمبر 4)

”ہم نے انسان کو بڑی اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“

(سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 70)

”اور ہم نے نوع انسان کو قابلِ تکریم بنایا۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”ہر بچہ فطرت سلیمہ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی یا

مجوسی بنادیتے ہیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

(صحاح ستہ)

یسوع مسیح کی موت اسلام اور عیسائیت کی رو سے

مسیح کی موت عیسائیت کی رو سے:

عیسائی عقیدے کے مطابق مسیح نے گناہگار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں لے کر صلیب پر موت دے ماری، تاکہ صلیب پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔ مسیح تین دن قبر میں رہے، پھر مردوں سے جی اٹھے، آسمان پر چلے گئے اور اب خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

بائبل میں ہی ہے:

”مسیح لعنتی کی موت مرا۔“

یہ عقیدہ بائبل کی رو سے بھی غلط ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے:

”اولاد کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں۔ نہ باپ دادا کے بدلے اولاد قتل کی

جائے۔“

دوسری جگہ ہے:

”ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا۔“

(کتاب استثناء، باب نمبر ۱۶، آیت نمبر: ۲۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عقیدے کے مطابق تمام انبیاء کرام محصوم ہوتے ہیں۔ وہ ملعون نہیں ہوتے، بلکہ وہ مکرم اور منصور ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ موجودہ بائبل تضادات کا مجموعہ ہے اور جس کلام میں تضادات ہوں وہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں کی جانب اٹھالیا۔ وہ قرب قیامت میں واپس تشریف لائیں گے۔ اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝“

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157 تا 159)

”اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اسے نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ ۝ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ ۝ اور بیشک ضرور بالضرور اہل کتاب عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ ۝“

قرآن مجید کے مطابق انبیاء کرام ”صالحین“ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندے ہوتے ہیں نہ کہ لعنتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کیونکہ خدا کے نبی ہیں اس لیے وہ بھی

برگزیدہ، مکرم اور محبوب بندے ہیں۔ چنانچہ سورۃ المریم میں ہے:

”قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا“

(سورۃ المریم، آیت نمبر 27-33)

”عیسیٰ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔“

سورۃ آل عمران میں ہے:

”وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ“

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 45-49)

”عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔“

سورۃ النساء میں ہے:

”إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: 171-172)

”بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی روح ہیں۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔“

سورۃ القف میں ہے:

”وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ“

”اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل بیشک میں تمہاری طرف اللہ

کا رسول بن کر آیا ہوں، جو تمہارے پاس تورات ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔“

(سورۃ القف، آیت نمبر 6)

تصورِ شریعت عیسائیت اور اسلام کی روشنی میں

تصورِ شریعت اور عیسائیت:

عیسائی عقیدے کے مطابق شریعت لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد شرائع نازل کیں۔ سینٹ پولوس کے نزدیک انسان شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس لئے شریعت لعنت ثابت ہوئی کیونکہ آدم کے ارتکابِ گناہ کی وجہ سے انبیاء بھی بے گناہ نہ نکلے۔

اسلام اور تصورِ شریعت:

جبکہ اسلام میں شریعت ذریعہ ہدایت ہے۔ اسلام شریعت کو ”ہدی للناس“ (لوگوں کے لیے ہدایت) کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت بنی نوع انسان کے لئے ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس نے کوئی ایسے احکام نازل نہیں کئے جن پر انسان عمل نہ کر سکتا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا“

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 186)

”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔“

اسلام کے نزدیک شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد

ہے:

”فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقِيمُ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝“

(سورۃ الروم، آیت نمبر 30)

”پس اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر، وہ وہ فطرت اللہ ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہی دین قیم ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اس آیت میں دین حنیف کو فطرت اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسی پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ گویا شریعت فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

تصورِ رہبانیت اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں

عیسائیت اور وضعِ رہبانیت:

عیسائیت زندگی کے تمام شعبوں میں رہبانیت کی تعلیم دیتی ہے اور انسان کو کلیتہً تارک الدنیا بنا دینا چاہتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بعد دو سو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے نا آشنا تھے۔ مگر ابتداء ہی سے مسیحیت میں اس کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ اور دینوی کاروبار کی زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ و افضل سمجھنا ہی رہبانیت کی بنیاد ہے۔ یہ دونوں چیزیں مسیحیت میں ابتدا سے موجود تھیں۔ خصوصیات کے ساتھ تجرد کو تقدس کا ہم معنی سمجھنے کی وجہ سے کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں۔ اس چیز نے تیسری صدی تک پہنچتے پہنچتے ایک فتنے کی شکل اختیار کر لی اور رہبانیت ایک وباء کی طرح مسیحیت میں پھیلی شروع ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے رہبانیت گھڑی اور پھر اس کی کما حقہ رعایت نہ رکھ سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ
فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا“

(سورۃ المائدہ: آیت نمبر ۲۷)

”اور رہبانیت انہوں نے خود تلاش کر لی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے رہبانیت نکالی۔ پر اس کی وہ نگہداشت نہ کر سکے۔“

اسلام اور تصویر رہبانیت:

اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا“

(سورۃ المائد: آیت نمبر ۲۷)

”اور رہبانیت انہوں نے خود تلاش کر لی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کی، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے رہبانیت نکالی۔ پر اس کی وہ نگہداشت نہ کر سکے۔“

اس آیت میں رہبانیت کو بدعت قرار دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“

(صحاح ستہ)

”اسلام میں رہبانیت قطعاً جائز نہیں۔“

پاپائیت اور مذہبی اجارہ داری اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں

اسلام اور مذہبی اجارہ داری:

اسلام میں عیسائیت کی طرح کسی کی مذہبی اجارہ داری نہیں ہے۔ جو بھی متقی اور پرہیزگار ہو وہ مسلمانوں کا امام ہے۔ اگر قانون اور فقہ جانتا ہے اور دین کا علم رکھتا ہے تو وہ اعلیٰ منصب پر پہنچ سکتا ہے۔

عیسائیت اور مذہبی اجارہ داری:

عیسائیت میں مذہبی اجارہ داری ہے۔ پوپ، پادری اور اسقف اعظم وغیرہ کے علاوہ دینی رسوم ادا نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

محفوظ سیرت..... عیسائیت کے نبی کی یا اسلام کے

غیر محفوظ سیرت..... عیسیٰ مسیح:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مکمل اور صحیح تفصیلات عیسائیت کی کتب سے نہیں ملتی۔ ان کی سیرت محفوظ نہیں ہے۔

سیرت محمدی..... محفوظ ترین سیرت:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق تمام تفصیلات قرآن اور حدیث کے ذریعے محفوظ ہیں۔ اسوۂ حسنہ مکمل طور پر ہمارے سامنے ہے۔ کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہزاروں احادیث اور اقوال صحابہ میں سیرت نبی کا تذکرہ ہے جو کہ محفوظ ہیں۔

محفوظ ترین کتاب..... عیسائیت کی یا اسلام کی؟

غیر محفوظ اناجیل:

عیسائیت کی کتب مقدسہ (اناجیل) غیر محفوظ، محرف اور تبدیل شدہ ہیں۔ کتب اپنی اصل زبان اور اصلی حالت میں دستیاب نہیں ہیں۔ تفصیل ہم نے عیسائیت کے باب میں بیان کر دی۔

اسلام کی مذہبی کتاب قرآن..... محفوظ ترین کتاب:

اسلام کی کتاب قرآن پاک محفوظ ہے، غیر محرف ہے، قیامت تک کے لئے اصل زبان اور اس کی تعلیمات محفوظ رہیں گی۔ اس کی حفاظت دو طریقوں سے یعنی کتابت اور حفظ کے ذریعے کی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون“

”ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن مجید) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

دوسری جگہ آتا ہے:

”انا علینا جمعه وقرانہ“

”اس کتاب کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔“

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ غیر مسلم بھی اس کی حقانیت کی اور محفوظ ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ سر ولیم میور و بیباچہ حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتا ہے:

”اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادتیں موجود ہیں کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل و صورت میں محفوظ و مامون ہے، جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔“

دین و دنیا..... اسلام اور عیسائیت کی روشنی میں

عیسائیت..... دین اور دنیا کی تفریق:

موجودہ عیسائیت دین اور دنیا کی تفریق پر مبنی ہے۔ موجودہ مسیحیت (پولوسی مذہب) ناقص، محدود، خلاف فطرت، خلاف عقل اور ناقابل عمل ہے۔

عیسائیت تاریخی طور پر افراط و تفریط کا شکار رہی اور آخر کار اباحت اور لامذہبیت پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔

تفریط کی مثال کہ جب عیسائیوں نے اس مذہب کے احکام کی پابندی کی تو توحید سے نرم پڑ گئے۔ تین سو برس تک ظلم و ستم برداشت کر کے اپنے آپ کو تباہ و برباد کرتے رہے۔

افراط کی مثال کہ جب انقلاب زمانہ نے انہیں قوت و حکمرانی بخشی اور سلطنت کی ذمہ داریاں ان پر آ پڑیں تو انہیں مسیحیت کے محدود دائرے سے باہر نکلنا پڑا اور یہاں لامذہبیت کی راہنمائی میں بنی نوع انسان پر ہر قسم کا ظلم و ستم شروع کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کے نام پر جبر و ظلم اور جاہلانہ تعصب کا طوفان جب حد سے گزر گیا تو انہیں خود سے نفرت ہو گئی اور وہ دنیا بھر میں لامذہبی پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے نتیجے میں دین و دنیا میں تفریق اور رہبانیت پیدا ہو گئی۔ موجودہ اناجیل بھی افراط و تفریط پر مبنی ہیں۔ چنانچہ انجیل لوقا میں ہے:

”جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔“

(انجیل لوقا: ۲۰: ۲۲)

انجیل متی میں ہے:

”تم خدا اور دولت دونوں کی ایک ساتھ خدمت نہیں کر سکتے۔“

(انجیل متی)

اس طرح عیسائیت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو رہبانیت کی طرف لے گئی اور جو صلاحیتیں تعمیر و تمدن اور ارتقاء حیات کے کام میں صرف ہونی چاہئیں تھیں وہ نفس کشی، تجرد اور غیر فطری تزکیہ اخلاق میں ضائع ہو گئیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

دین اور دنیا اسلام کی روشنی میں:

اسلام دین اور دنیا کے اتحاد کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کو دین اور دنیا دونوں کو برابر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی کو دوسرے پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ اسلام افراط و تفریط کو مٹاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا عرض کرتے ہیں:

”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 201)

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔“

مکمل ضابطہ حیات..... عیسائیت یا اسلام؟

عیسائیت نامکمل احکام کا مجموعہ:

عیسائیت کی تعلیمات نامکمل اور پوری زندگی پر محیط نہیں ہیں۔ صرف چند بنیادی مشرکانہ عقائد ہیں اور بعض اخلاقی احکام۔ معاشرتی و معاشی مسائل کو تو یک سر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حکومت و سیاست کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں دی گئی۔ نہ کوئی شریعت ہے، نہ کوئی مستقل ضابطہ حیات۔ نہ قوانین اخلاق ہیں، نہ حقوق و فرائض اور نہ ہی معاملات کے متعلق ہدایات ہیں۔ حتیٰ کہ عبادت کا کوئی طریقہ بھی متعین نہیں ہے۔

مقبول عیسائی عالم جوڈ (Joad) لکھتا ہے:

”سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق حضرت عیسیٰ کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری، استعماریت، غلامی، جنگ، قید و بند دشمنوں کو زندہ جلانا اور نکالیف دینا، غرض جو چاہیں مسیح کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں۔“

عیسائی دین کا اصل الاصول ”محبت“ ہے۔ اس کے سوا باقی جذبات باطل ہیں۔ اخلاقی تعلیمات بھی سخت اور فوق البشریٰ ہیں جن پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً: اس میں محبت کے دو طرفہ اصول بتائے گئے ہیں۔ معبود کے ساتھ محبت اور پھر ہم جنسوں کے ساتھ محبت۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں نہ صرف اخلاقی تعلیم دی گئی ہے بلکہ دینی، دنیاوی، روحانی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخروی زندگی گزارنے کے بارے میں واضح اصول بتائے گئے ہیں۔ تمام تعلیمات سادہ اور عام فہم ہیں۔ ارشاد باری ہے:

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“

(سورہ المائدہ، آیت نمبر 4)

”آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔“

عالمگیر دین..... عیسائیت یا اسلام؟

عیسائیت یا ایک نسلی دین:

انا جیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغمبرانہ کلام عالمگیر نہ تھا بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے کہا:

”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔“

(انجیل متی، باب نمبر ۱۰، آیت نمبر: ۵ اور ۶)

حضرت مسیح علیہ السلام تکمیل یہودیت کے لئے آئے تھے۔ متی اور لوقا میں ہے:

”زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر تورات کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ میں (مسیح عیسیٰ) تورات منسوخ کرنے کے لیے نہیں بلکہ مکمل کرنے کے لئے آیا ہوں۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”میں دین موسیٰ کی تجدید کرنے آیا ہوں۔“

سورۃ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ التَّوْرَةِ“

”میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔“

اسلام ایک عالمگیر دین:

اسلام کا پیغام عالمگیر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ آپ تمام شریعتوں کی تکمیل کے لئے آئے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

”ان هو الا ذکر للعالمین“

”یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔“

(سورۃ یوسف، آیت نمبر ۱۰۴)

سورۃ سبا میں فرمایا:

”وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا“

(سورۃ سبا، آیت نمبر ۲۶)

”اے رسول! ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔“

ایک مشہور ترین آیت مبارکہ ہے:

”وما ارسلنک الا رحمت للعالمین“

”اے نبی! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا مگر میں تمام سرخ اور سیاہ سب قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“

الغرض اگرچہ اب عیسائیت عالمگیر دین بن چکا ہے اور عملاً اس نے تبلیغی مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے، عیسائی ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں بلکہ دنیا کے ہر ایک براعظم میں اپنے اکثریتی علاقے رکھتے ہیں، عیسائیوں کو بحالات موجودہ سیاسی اور معاشی برتری حاصل ہے اور عیسائی اقوام کی تعداد تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہے لیکن یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ مذہب عیسائیت خاص قوم بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا۔ اس کی اصل تعلیمات مفقود ہو چکی ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعد اصل اور سچا دین اسلام ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شریعتوں کی تکمیل کر دی ہے اور وہ خاتم النبیین ہیں۔ لہذا دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دین اسلام ہی اصل دین اور ذریعہ ہدایت ہے۔



الجزء الثالث:

بائبل مقدس اور قرآن مجید کا سائنسی تقابل

بائبل کی اہم ترین سائنسی اغلاط

کائنات کی پیدائش چھ دنوں میں:

آئیے! ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل سائنس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔؟ آغاز ہم فلکیات سے شروع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بائبل ہمیں علم فلکیات کے بارے میں کیا بتاتی ہے۔؟ بائبل کے آغاز میں ہی تخلیق کائنات کا ذکر موجود ہے یعنی کتاب پیدائش میں بتایا گیا ہے:

”خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا اور تاریکی کو رات اور شام ہوئی اور صبح ہوئی سو پہلا دن ہوا۔“

(کتاب پیدائش، باب نمبر 1-5-1)

بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ خدا نے کائنات کو چھ دن میں پیدا کیا اور بائبل صبح اور شام کا بھی ذکر کرتی ہے یعنی چوبیس گھنٹے والے دن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سائنس دان ہمیں بتاتے ہیں کہ چوبیس گھنٹے والے چھ دنوں میں کائنات کی تشکیل ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن مجید بھی اس حوالے سے چھ ایام کا ذکر کرتا ہے۔ عربی لفظ ایام ہے جس کا واحد یوم ہوتا ہے۔ لفظ یوم کا مطلب چوبیس گھنٹے کا ایک دن بھی ہوتا ہے اور اس سے مراد طویل عرصہ بھی ہو سکتا ہے یعنی ”ایک زمانہ۔“ اور یہ بات تسلیم کرنے میں کسی سائنس دان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ دنیا چھ ”طویل وقفوں“ یا ”زمانوں“ میں تخلیق ہوئی ہو۔

روشنی اور سورج کی تخلیق:

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بائبل کتاب پیدائش کی بالکل ابتدائی آیات یعنی آیات 3 تا 5 میں یہ بتاتی ہے کہ روشنی پہلے دن تخلیق ہوئی جب کہ روشنی کے اسباب سورج اور ستارے وغیرہ چوتھے دن تخلیق ہو رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ روشنی کے اسباب و ذرائع چوتھے دن تخلیق ہوں جب کہ روشنی پہلے ہی دن تخلیق ہو چکی ہو؟ یہ ایک بالکل غیر سائنسی بات ہے۔

زمین کی تخلیق اور دن رات کا تصور:

مزید برآں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش کی آیت نمبر 9 تا 13 میں بتایا جا رہا ہے کہ زمین تخلیق ہوئی تو اگر زمین اس مرحلے میں تخلیق ہو رہی ہے تو صبح اور شام پہلے دن کسی طرح تخلیق ہو گئے تھے؟ دن اور رات کا انحصار ہی زمین کی گردش پر ہے اور اگر زمین نہیں بنی تھی تو دن اور رات کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔

زمین سورج سے پہلے:

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش، پہلے باب کی آیات 9 تا 13 ہمیں بتاتی ہیں کہ زمین کی تشکیل تیسرے دن ہوئی تھی جب کہ آیت نمبر 14 تا 19 سے پتہ چلتا ہے کہ سورج اور چاند چوتھے دن بنائے گئے لیکن جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زمین دراصل سورج ہی کا ایک حصہ ہے، لہذا اس کا سورج سے پہلے تخلیق ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ غیر سائنسی بات ہے۔

گھاس اور درختوں کی تخلیق:

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش پہلے باب کی آیات نمبر 9 تا 13 ہمیں بتاتی ہیں کہ زمین پر گھاس اور بوٹیاں اور درخت تیسرے دن تخلیق ہوئے جب کہ سورج کی تشکیل چوتھے دن ہوئی جیسا کہ آیت نمبر 14 تا 19 میں درج ہے۔ سائنس کا سوال یہ ہے کہ سورج کی روشنی کے بغیر نباتات کی نشوونما اور بقا کس طرح ممکن ہے؟

چاند اور سورج روشن اجسام:

چھٹا نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش باب 1، آیت 17 میں کہا گیا ہے:

”سو خدا نے دو بڑے نیر بنائے۔ ایک نیر اکبر کہ دن پر حکم کرے اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔“

اس آیت اور آیات ماقبل و مابعد سے پتہ چلتا ہے کہ چاند اور سورج دونوں روشن اجسام ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ بات مسلمہ سائنسی حقائق کے خلاف جاتی ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

آخر مطابقت کس طرح ہوگی؟

کچھ لوگ مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ بائبل میں بیان کیے گئے چھ دن بھی درحقیقت چھ زمانے ہیں لیکن ان کی یہ بات بھی غیر منطقی ہے۔ کیونکہ آپ صاف دیکھ سکتے ہیں کہ بائبل میں صبح کا بھی ذکر ہو رہا ہے اور شام کا بھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں چوبیس گھنٹے والا دن ہی مراد ہے لیکن بالفرض یہ غیر منطقی دلیل تسلیم کر بھی لی جائے تو اس طرح زیادہ سے زیادہ پہلے دو نکات کا جواب ملتا ہے جب کہ باقی ماندہ چار سوالات پھر بھی جواب طلب ہی رہ جاتے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں عام دن ہی مراد ہے تو پھر نباتات چوبیس گھنٹے روشنی کے بغیر بھی گزار سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں چلیے آپ کی یہ بات تسلیم کیے لیتے ہیں لیکن اس طرح نباتات والا مسئلہ تو حل ہوتا ہے دیگر مسائل پھر جواب طلب رہ جاتے ہیں۔ آپ ”چت بھی میری اور پٹ بھی میری“ والا رویہ نہیں اپنا سکتے۔

یا تو آپ (مسکمی حضرات) یہ تسلیم کر لیں کہ دن سے مراد ایک طویل زمانہ ہے تو آپ پہلا اور تیسرا نکتہ حل کر لیں گے لیکن دوسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا نکتہ پھر بھی حل طلب رہ جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ دن کو 24 گھنٹے کا عام دن ہی فرض کریں، اس صورت میں صرف پانچویں نکتے کا جواب مہیا کر دیں گے لیکن باقی تمام نکات حل طلب رہ جائیں گے۔

زمین اور بائبل:

اب جہاں تک زمین کا تعلق ہے تو اس بارے میں متعدد سائنسی نظریات موجود ہیں۔ یہ نظریات محض مفروضے ہیں جو درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، لیکن یا تو زمین بالآخر فنا ہو جائے گی اور یا ہمیشہ موجود رہے گی۔ ان میں سے کوئی ایک نظریہ ہی درست ہو سکتا ہے۔ دونوں

باتیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک غیر سائنسی بات ہوگی۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بائبل یہی کہتی ہے یعنی دونوں باتوں کا ذکر کرتی ہے۔

عبرانیوں کے نام پولوس رسول کے خط کے پہلے باب کی گیارھویں اور بارھویں آیت میں کہا گیا ہے:

”اے خداوند!

تو نے ابتدا میں زمین کی نیو ڈالی۔

اور آسمان تیرے ہاتھ کی کاریگری ہیں۔

وہ نیست ہو جائیں گے مگر تو باقی رہے گا۔

اور وہ سب پوشاک کی مانند پرانے ہو جائیں گے۔“

اسی طرح کتاب زبور کے باب نمبر 102 میں کہا گیا!

”تو نے قدیم سے زمین کی بنیاد ڈالی، آسمان تیرے ہاتھ کی صنعت ہے، وہ نیست

ہو جائیں گے پر تو باقی رہے گا۔“

لیکن دوسری طرف اس کے بالکل برعکس اور متضاد بیانات بھی بائبل میں موجود ہیں۔

چنانچہ لکھا ہے:

”انسان کو اس ساری محنت سے جو وہ کرتا ہے کیا حاصل ہے؟ ایک پشت جاتی ہے

اور دوسری پشت آتی ہے، پر زمین ہمیشہ قائم رہتی ہے۔“

(واعظ، باب نمبر 1، آیت نمبر 3، 4)

اسی طرح زبور میں کہا گیا ہے:

”اور اپنے مقدس کو پہاڑوں کی مانند تعمیر کیا اور زمین کی مانند جسے اس نے ہمیشہ کے

لئے قائم کیا ہے۔“

(کتاب زبور، باب نمبر 78، آیت نمبر 69)

یہ بھی ایک سائنسی غلطی ہے کیونکہ دنیا بیک وقت فانی اور غیر فانی نہیں ہو سکتی۔

زمین و آسمان کے ستون:

اب ہم آسمان کی طرف آتے ہیں۔ بائبل میں کہا گیا ہے:

”اور آسمان کے ستون کا پتہ ہیں اور اس کی جھڑکی سے حیران ہوتے ہیں۔“
(ایوب، باب نمبر 26، آیت نمبر 11)

جبکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:
”خلق السموت والارض بغیر عمد“
(القرآن المجید، سورۃ لقمان، آیت نمبر 10)

”اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے۔“
بائبل مقدس کہتی ہے کہ آسمان کے ستون ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ آسمان غیر ستونوں کے ہے۔ کیا آپ خود نہیں دیکھ سکتے کہ آسمان کے ستون موجود ہیں یا نہیں؟
بائبل نہ صرف یہ کہتی ہے کہ آسمان کے ستون ہیں بلکہ وہ تو زمین کے بارے میں بھی بات کرتی ہے۔ چنانچہ سمویل 1 میں ہے:

”زمین کے ستون خداوند کے ہیں۔ اس نے دنیا کو ان ہی پر قائم کیا ہے۔“
(سمویل۔ 1۔ باب نمبر 2، آیت نمبر 8)
”زمین اور اس کے سب باشندے گداز ہو گئے ہیں میں نے اس کے ستونوں کو قائم کر دیا ہے۔“

(زبور، باب نمبر 75، آیت نمبر 3)
”وہ زمین کو اس کی جگہ سے ہلا دیتا ہے اور اس کے ستون کا پتہ لگتے ہیں۔“

(ایوب، باب نمبر 9، آیت نمبر 6)
چنانچہ بائبل کی ایک سائنسی غلطی یہ بھی ہے کہ اس میں زمین و آسمان کے ستون ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بیج دار نباتات:

اب ہم آتے ہیں غذائیات کی طرف۔ کتاب پیدائش میں کہا گیا:
”اور خدا نے کہا دیکھو میں تمام روئی، زمین کی کل بیج دار سبزی اور ہر درخت جس میں اس کا بیج دار پھل ہو تم کو دیتا ہوں۔ یہ تمہارے کھانے کو ہوں۔“
(پیدائش، باب نمبر 1، آیت نمبر 29)

آج ایک عام آدمی بھی بخوبی جانتا ہے کہ کچھ بیج دار نباتات اس قدر زہریلی ہوتی ہیں کہ انہیں کھانے والا یقینی طور پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جبکہ بائبل کہتی ہے کہ ایسے تمام پھل کھانے کے لئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی بھی مسیحی ڈاکٹر اپنے مریضوں کو یہ پھل نہیں دیتا ہوگا۔

حقیقی کر سچن:

بائبل میں ایک ایسا طریقہ کار بتایا گیا ہے جس کی مدد سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون حقیقی ایماندار ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

”اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کا نکال لیں گے۔ نئی نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئیں گے تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔“

(انجیل مرقس، باب نمبر 16، آیت نمبر 17-18)

یہ ایک سائنسی ٹسٹ ہے۔ سائنس کی اصطلاح میں ہم اسے ایک "Test Confirmatory" کہہ سکتے ہیں۔ جس کے ذریعے ایک حقیقی مسیحی کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

اپنی زندگی کے گزشتہ دس سالوں کے دوران مجھے (شیخ احمد دیدات کو) بلا مبالغہ ہزاروں عیسائیوں سے واسطہ پڑا ہے جس میں عیسائیت کے مبلغین بھی شامل تھے لیکن میں نے آج تک کوئی ایک بھی ایسا عیسائی نہیں دیکھا جو انجیل کے اس امتحان میں کامیاب ہو سکے۔ میں نے کوئی ایک بھی عیسائی نہیں دیکھا جو ہر کھائے لیکن اس پر زہر کام نہ کرے۔ سائنسی اصطلاح میں ہم اس امتحان کو "Falsification Test" بھی کہہ سکتے ہیں۔ کوئی غلط آدمی یہ امتحان دینے کی جرأت ہی نہیں کرے گا۔ اگر آپ ایک حقیقی عیسائی نہیں ہیں تو آپ کبھی یہ امتحان نہیں دیں گے۔

میں اکثر اپنے مسیحی حلیفوں کو کہا کرتا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ایک حقیقی مسیحی ہیں اور میری خواہش ہے کہ کم از کم آپ یہ امتحان ضرور دیں۔ میں آپ سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کوئی خطرناک زہر کھا کر دکھائیں کیونکہ اس طرح تو ہمارا مباحثہ ہی خراب ہو جائے گا۔ انجیل میں ہے کہ اہل ایمان نئی نئی زبانیں بولیں گے تو میں ان سے صرف یہ درخواست کروں گا کہ ہندوستان میں ایک ہزار سے زیادہ مختلف زبانیں اور لہجے موجود ہیں۔ ان میں سے 17 زبانیں ایسی ہیں

جنہیں سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صرف تین الفاظ ان 17 زبانوں میں بول کر دکھائیں یعنی یہ لفظ ”ایک سو روپے“ سترہ زبانوں میں بول کر دکھادیں۔

آپ کی مدد کے لئے میں سو روپے کا نوٹ بھی پیش کر دیتا ہوں۔ اس نوٹ پر یہ سترہ زبانیں موجود ہیں۔ انگریزی اور ہندی سمیت۔ انگریزی میں One Hundred: ”Reupes“ تو وہ پڑھ ہی لیں گے۔ ہندی میں انہیں بتا دیتا ہوں ”ایک سو روپے“ اب باقی پندرہ زبانوں میں یہ تین الفاظ بول دیں۔ میں جانتا ہوں کہ انجیل کے بیان کے مطابق آپ کو یہ زبانیں بغیر کسی کی مدد کے بولنی چاہئیں لیکن میں آپ کی مدد کر رہا ہوں کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی تو یہ ٹیسٹ پاس کرے۔ میں نے تو آج تک کوئی شخص نہیں دیکھا جو یہ امتحان پاس کر سکے۔ لہذا میں یہ نوٹ انہیں پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ تین الفاظ پندرہ زبانوں میں پڑھ دیں۔ ”ایک سو روپے“

علم آبیات:

اب ہم آبیات یا ”علم الآب“ (Hydrology) کا ذکر کرتے ہیں۔ بائبل میں کہا گیا

ہے:

”میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی اور ایسا ہوگا کہ جب میں زمین پر بادل لاؤں گا تو میری کمان بادل میں دکھائی دے گی اور میں اپنے عہد کو جو میرے اور تمہارے اور ہر طرح کے جانداروں کے درمیان ہے، یاد کروں گا اور تمام جانداروں کی ہلاکت کے لئے پانی کا طوفان پھرنے ہوگا اور کمان بادل میں ہوگی اور میں اس پر نگاہ کروں گا تاکہ اس ابدی عہد کو یاد کروں جو خدا کے اور زمین کے سب طرح کے جانداروں کے درمیان ہے۔ پس خدا نے نوح سے کہا کہ یہ اس عہد کا نشان ہے جو میں اپنے اور زمین کے کل جانداروں کے درمیان قائم کرتا ہوں۔“

(کتاب پیدائش، باب نمبر 9، آیت نمبر 17-14)

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے اترنے کے بعد یہ عہد خدا اور حضرت

نوح علیہ السلام کے مابین ہوا اور اس کی نشانی کے طور پر فلک میں قوس قزح نظر آئی، یعنی اس سے پہلے قوس قزح نہیں ہوا کرتی تھی لیکن یہ ایک غیر سائنسی بیان ہے۔ یہ بات کیوں کر تسلیم کی جاسکتی ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام سے قبل بادل تو ہوتے تھے اور بارش تو برستی تھی لیکن قوس قزح نہیں بنتی تھی۔ کیا اس وقت "Law of Refraction" موجود نہیں تھا؟ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے پہلے بھی بے شمار مرتبہ قوس قزح بنتی رہی ہوگی۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ بائبل کا یہ بیان بھی غیر سائنسی ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

علم طب اور بائبل مقدس:

1: اب ہم آتے ہیں علم طب کی جانب۔ انجیل میں گھر کو کوڑھ کی وباء سے محفوظ کرنے کے لئے ایک طریقہ بتایا گیا ہے، جو کچھ یوں ہے:

”اور وہ اس گھر کو پاک قرار دینے کے لئے دو پرندے اور دیوار کی لکڑی اور سرخ کپڑا اور زوقالے۔ اور وہ ان پرندوں میں سے ایک کو مٹی کے کسی برتن میں بہتے ہوئے پانی پر ذبح کرے پھر وہ دیوار کی لکڑی اور زوقا اور سرخ کپڑے اور اس زندہ پرندے کو لے کر ان کو اس ذبح کیے ہوئے پرندے کے خون میں اور بہتے ہوئے پانی میں غوطہ دے اور سات بار اس گھر پر چھڑکے اور اس پرندے کے خون سے اور بہتے ہوئے پانی اور زندہ پرندے دیوار کی لکڑی اور زوقا اور سرخ کپڑے سے اس گھر کو صاف کرے اور اس زندہ پرندے کو شہر کے باہر کھلے میدان میں چھوڑ دے۔ یوں وہ گھر کے لئے کفارہ دے تو گھر پاک ٹھہرے گا۔“

(کتاب احبار، باب نمبر 14، آیت نمبر 53، 49)

بائبل کہتی ہے کہ گھر کو کوڑھ کے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے اس میں خون چھڑکا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ خون جراثیم کو پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہے نہ کہ جراثیم کو ختم کرنے کا۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی بھی مسیحی ڈاکٹر اس طریقہ سے اپنے آپریشن تھیٹر کی صفائی نہیں کرتا ہوگا۔

بچے، بچی کی پیدائش اور ایام نجاست:

ہم سب جانتے ہیں کہ نفاس کا خون وہ خون جو بچے کی پیدائش کے دوران یا اس کے بعد آتا

ہے، یہ خون ناپاک ہوتا ہے لیکن بائبل اس بارے میں کہتی ہے:

”اور خداوند نے موسیٰ سے کہانی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور اس کا لڑکا ہو تو وہ سات دن ناپاک رہے گا جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔ اس کے بعد تینتیس دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے اور جب تک اس کی طہارت کے ایام پورے نہ ہوں تب تک نہ تو کسی مقدس چیز کو چھوئے اور نہ مقدس مقام میں داخل ہو۔ اور اگر اس کے لڑکی ہو تو وہ دو ہفتے ناپاک رہے گی جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے اس کے بعد چھ یا سٹھ دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے۔“

(کتاب احبار، باب نمبر 12 آیت نمبر 1 تا 6)

یعنی اگر وہ بیٹے کو جنم دیتی ہے تو چالیس دن ناپاک رہے گی لیکن اگر وہ بیٹی کو جنم دیتی ہے تو پورے اسی دن تک ناپاک رہے گی۔ میں مسیحی احباب سے درخواست کروں گا کہ وہ وضاحت فرمائیں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ سائنسی و طبی طور پر عورت بیٹی پیدا ہونے کی صورت میں دگنے عرصے تک کیوں ناپاک رہتی ہے؟

بدکرداری کا ثبوت:

انجیل میں کسی عورت کی بدکرداری ثابت کرنے کے لئے بھی ایک امتحان بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل گنتی کے باب نمبر 5 کی آیات 11 تا 31 میں موجود ہے۔ میں اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ کتاب گنتی میں ہے:

”اگر کسی کی بیوی گمراہ ہو کر اس سے بے وفائی کرے۔ پر نہ تو کوئی شاہد ہو اور نہ وہ عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہو تو وہ شخص اپنی بیوی کو کاہن کے پاس لائے گا اور کاہن مٹی کے ایک برتن میں مقدس پانی لے اور مسکن کے فرش کے گرد لے کر اس پانی میں ڈالے اور وہ کڑوا پانی اس عورت کو پلائے۔ جب وہ اس کو پانی پلا چکے گا تو ایسا ہوگا کہ اگر وہ ناپاک ہوئی تو وہ پانی جو لعنت کو لاتا ہے اس پیٹ میں جا کر کڑوا ہو جائے گا، اس کا پیٹ پھول جائے گا، اس کی ران سڑ جائے گی۔ پر اگر وہ ناپاک نہیں ہوئی بلکہ پاک ہے تو بے لازم ٹھہرے گی اور اس سے اولاد ہوگی۔“

(گنتی، باب نمبر 5، آیت نمبر 11 تا 31)

آپ جانتے ہیں آج کل عدالتوں میں اس قسم کے بے شمار کیس پوری دنیا میں فیصلے کے منتظر ہیں۔ جن میں عورت پر اس شک کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ بدکردار ہے۔ بلکہ مجھے اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس عظیم ملک امریکہ کے صدر جناب بل کلنٹن پر بھی چند سال پہلے اس قسم کے الزامات لگائے گئے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ امریکی عدالتیں ایسے مواقع پر انجیل میں بتایا گیا یہ امتحان کیوں نہیں لیتیں؟

سائنس کا مشہور شعبہ..... ریاضیات:

ریاضی بھی سائنس کا ایک شعبہ ہے اور انتہائی اہم شعبہ ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو بائبل میں ہمیں سینکڑوں تضادات نظر آتے ہیں۔ میں ان میں سے صرف چند ہی کا ذکر کروں گا۔! جب بنی اسرائیل کو بائبل سے رہائی ملی تو وہ واپس آئے۔ ان کی فہرست بائبل میں موجود ہے۔ عزرا کے دوسرے باپ کی آیات نمبر 2 تا 63 اور نحمیاہ باب نمبر 7 آیات 7 تا 65 میں مکمل فہرست دی گئی ہے لیکن ان دونوں فہرستوں میں کم از کم 18 جگہ تضادات موجود ہیں۔ مزید برآں کتاب عزرا میں کل تعداد چالیس ہزار تین سو ساٹھ بتائی گئی ہے جبکہ نحمیاہ میں بھی کل تعداد یہی بتائی گئی ہے یعنی چالیس ہزار تین سو ساٹھ لیکن جب میں نے خود اس تعداد کو جمع کیا تو جواب بالکل مختلف تھا۔ عزرا میں بیان کی گئی تعداد انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ بنتی ہے۔ اسی طرح نحمیاہ میں بیان کی گئی تعداد کو جمع کیا جائے تو وہاں بھی میزان اکتیس ہزار اٹانوے (31,089) آئے گا۔

اگر بائبل کا مصنف سیدھا سادا میزان بھی نہیں کر سکتا تھا تو کیا اس کتاب کو خدا کی جانب سے نازل کردہ تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

گانے والوں کی تعداد:

آگے چلیے۔! عزرا میں کہا گیا ہے:

”ان کے ساتھ دو سو گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔“

جب کہ نحمیاہ میں کہا جا رہا ہے:

”اور ان کے ساتھ دو سو پینتالیس گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔“

اب آپ ہی بتائیے کہ یہ تعداد دو سو تھی یا دو سو پینتالیس؟ کیونکہ بات ایک ہی سیاق و سباق میں ہو رہی ہے لیکن ریاضیاتی تضاد موجود ہے۔

یہویا کین کی تخت نشینی کتنی عمر میں:

اسی طرح سلاطین 2 کے باب نمبر 24 میں تحریر ہے:

”اور یہویا کین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلیم میں اس نے تین مہینے سلطنت کی۔“

(سلاطین 2، باب نمبر 24، آیت نمبر 8)

لیکن تواریخ 2 کے باب نمبر 36 میں کہا جا رہا ہے:

”یہویا کین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے تین مہینے دس دن حکومت کی۔“

(تواریخ 2، باب نمبر 36، آیت نمبر 9)

تضاد بالکل واضح ہے۔ میں عیسائیوں سے پوچھنا چاہوں گا کہ جب یہویا کین نے سلطنت شروع کی تو اس کی عمر آٹھ برس تھی یا اٹھارہ برس؟ اور یہ بھی کہ اس نے حکومت تین مہینے کی یا تین مہینے دس دن؟

ہیکل سلیمانی کی سمائی:

مزید برآں بائبل میں ہیکل سلیمانی کا ذکر کرتے ہوئے سلاطین 1 کے باب نمبر 7 کی آیت نمبر 26 میں تحریر ہے:

”اور دل اس کا چار انگل تھا اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح گل سوہن کے مانند تھا اور اس میں دو ہزار بت کی سمائی تھی۔“

دوسری جگہ یعنی تواریخ 2، باب نمبر 4، آیت 5 میں ہیکل سلیمانی ہی کے ذکر میں یہ بات اس طرح مرکوز ہے:

”اور اس کی موٹائی چار انگل کی تھی اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح اور سون کے پھول سے مشابہ تھا۔ اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی۔“

اب میں مسیحی حضرات پر چھوڑتا ہوں۔ وہ ہمیں بتائیں کہ وہاں تین ہزار بت کی سمائی تھی یا دو ہزار بت کی۔؟

یہاں ایک واضح ریاضیاتی تضاد ہمارے سامنے موجود ہے۔

یہوداہ اور بعثا:

آگے چلئے! سلاطین 1 کے باب نمبر 15 کی آیت نمبر 33، 34 پڑھیے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ یہوداہ آسا کے چھبیسویں سال بعد بعثا مر گیا تھا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ایلہ حکومت کرنے لگا۔ لیکن تواریخ 2 کا سولہواں باب پڑھنا شروع کیجئے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ آسا کے چھتیسویں برس بعثا نے یہوداہ پر حملہ کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعثا اپنی موت کے دس سال بعد کس طرح یہوداہ پر چڑھائی کر سکتا ہے۔؟ یہ ایک بالکل غیر سائنسی بات ہے۔

علم حیوانیات:

1: کتاب احبار، باب نمبر 11 کی چھٹی آیت دیکھیں تو اس میں لکھا ہے:

”اور خرگوش کو کیوں کہ وہ جگالی تو کرتا ہے لیکن اس کے پاؤں الگ نہیں، وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔“

یہاں واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ خرگوش جگالی کرتا ہے۔ حالانکہ آج ہم سب جانتے ہیں کہ خرگوش جگالی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے معدے کی بناوٹ جگالی کرنے والے جانوروں کی سی ہوتی ہے۔ دراصل اس کے منہ کی مسلسل حرکت کی وجہ سے زمنہ قدیم میں ایسا سمجھا جاتا تھا۔

2: اسی طرح امثال، باب نمبر 6، آیت 7 میں کہا گیا:

”چوئیٹیوں کا نہ کوئی سردار ہے، نہ ناظر اور نہ حاکم۔“

آج ہم جانتے ہیں کہ چوئیٹیاں نہایت منظم مخلوق ہیں۔ ان کے ہاں ایک باقاعدہ نظام پایا جاتا ہے جس کے مطابق وہ محنت کرتی اور خوراک جمع کرتی ہیں۔ ان میں باقاعدہ سردار چوئیٹی بھی ہوتی ہے اور نیچے درجہ بدرجہ کارکن چوئیٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے جسے بائبل نے نظر انداز کر دیا بلکہ اس کی مخالفت کی، لہذا بائبل کا یہ بیان غیر سائنسی ہے، لیکن الحمد للہ! قرآن

مجید یہاں بھی جدید سائنس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ چند باتیں ملاحظہ فرمائیں۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَحِشْرَ لَسْلِيمَن جُنُودَهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ الطَّيْرِ فَهَم
يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا اتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكَنَكُمْ لَا يَحْطُمَنَّكُمْ سَلِيمَن وَجُنُودُهُ وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ۝“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 20، سورۃ نمبر 28 (النمل)، آیت نمبر 17-18)
”اور سلیمان کیلئے اس کا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے جمع کیا گیا، پس وہ
روکے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ چیونٹیوں کے میدان میں آئے، ایک چیونٹی نے کہا
اے چیونٹیو! تم اپنی بلو میں داخل ہو جاؤ، (کہیں) سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند نہ
ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔“

عین ممکن ہے کہ ماضی میں بعض لوگوں نے قرآن کا مذاق اڑایا ہو کہ یہ ایک کہانیوں کی
کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چیونٹیاں ایک دوسرے سے بات کرتی ہیں۔ جس طرح کہ
بائبل میں ہے۔

بہر حال عصر حاضر میں جدید تحقیقات نے چیونٹیوں کی طرز زندگی سے متعلق چند انکشافات
کئے ہیں جو انسان کو آج سے پہلے معلوم نہ تھے۔ تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ حشرات جن
کے طرز زندگی میں انسانی طرز حیات کی بہت زیادہ مشابہت موجود ہے وہ چیونٹیاں
ہیں۔ چند مشابہتیں دیکھئے:

چیونٹیاں بھی انسانوں کی طرح اپنا مردہ دفن کرتی ہیں۔
چیونٹیوں میں مزدوروں کی تفریق کا منظم نظام ہے۔ ان میں منیجر، سپروائزر، فورمین اور
مزدور وغیرہ ہوتے ہیں۔

جب بھی چیونٹیاں آپس میں کہیں ملتی ہیں تو بات چیت کرتی ہیں۔
چیونٹیاں باقاعدہ مارکیٹ رکھتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔
چیونٹیوں میں باہمی تیز ترین رابطے کا ایک جدید نظام موجود ہے۔

سردیوں میں وہ طویل مدت تک زیر زمین رہنے کیلئے اناج اکٹھا کرتی ہیں اور اگر اس میں سے دانہ پھوٹ جائے تو وہ جڑوں کو کاٹ دیتی ہیں۔ جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ اگر انہوں نے اسے اگنے کیلئے چھوڑ دیا تو یہ گل سڑ جائے گا۔

اگر جمع شدہ اناج بارش سے گیل پڑ جائے تو وہ اس کو دھوپ میں سکھانے لے جاتی ہیں اور جب یہ سوکھ جاتا ہے تو وہ اسے اندر واپس لے جاتی ہیں جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ نمی جڑوں کی افزودگی کا باعث بنے گی جو کہ فرد اناج کے سڑنے کا باعث ہوگا۔

3: کتاب پیدائش، باب نمبر 3، آیت نمبر 14 اور پھر۔ یسعیاہ، باب نمبر 65، آیت

نمبر 25 میں کہا گیا ہے کہ سانپ کی خوراک خاک ہے۔ حیاتیات کی کوئی کتاب ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ سانپ کی خوراک خاک ہے۔

4: مزید برآں بائبل میں ایسے جانوروں کا ذکر بھی موجود ہے جو سرے سے وجود ہی نہیں

رکھتے۔ مثلاً: ایک دیومالائی جانور "Unicorn" یہ ایک سینگ والا گھوڑا ہے جو صرف اساطیر (کہانیوں) میں پایا جاتا ہے، حقیقی دنیا میں وجود نہیں رکھتا۔

بائبل اور ساخت زمین:

بائبل میں کہا گیا ہے:

”پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی۔“

(متی، باب نمبر 4، آیت نمبر 8)

اب بات یہ ہے کہ آپ دنیا کے بلند ترین پہاڑ پر ہی کیوں نہ چلے جائیں۔ آپ ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر ہی کیوں نہ چلے جائیں اور فرض کیجئے آپ بہت دور تک دیکھ بھی سکتے ہوں، ہزاروں میل تک دیکھ سکتے ہوں پھر بھی آپ دنیا کی تمام سلطنتیں نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ آدمی دنیا زمین کے دوسری طرف ہوگی۔ کیونکہ دنیا بیضہ نما ہے۔ کسی اونچے مقام سے پوری دنیا کو دیکھنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر زمین چٹنی ہو اور یہی بائبل بھی یہی کہتی ہے۔ پھر زمین کے بارے میں اسی طرح کا بیان بائبل میں ایک اور جگہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ دانیال میں ہے:

”میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ زمین کے وسط میں ایک نہایت اونچا درخت ہے۔ وہ درخت بڑھا اور مضبوط ہوا اور اس کی چوٹی آسمان تک پہنچی اور وہ زمین کی انتہا تک دکھائی دینے لگا۔“

(دانی ایل، باب نمبر 4، آیت نمبر 10)

مندرجہ بالا صورت حال بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر زمین چھٹی ہو۔ کیونکہ اگر زمین گول ہے تو پھر زمین کی دوسری طرف سے اس درخت کو کبھی نہیں دیکھا جاسکے گا۔ لیکن آج یہ بات ایک طے شدہ حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ زمین گول یعنی بیضہ نما ہے۔ مزید برآں تواریخ 1، باب نمبر 16 کی آیت نمبر 30 میں کہا گیا ہے:

”جہاں قائم ہے اور اسے جنبش نہیں۔“

یہ بات بائبل میں دوسری جگہ بھی کی گئی ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی، حالانکہ یہ بیان بھی غیر سائنسی ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

تین دن قبر میں:

بائبل میں کہا گیا کہ یونس علیہ السلام تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہیں گے۔ کیا یہ پیش گوئی پوری ہوئی؟

متی کی انجیل کے بارہویں باب میں ہے:

”اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دے کر ان سے کہا اس زمانہ کے مُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے علاوہ کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیوں کہ جیسے یوناہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین دن زمین کے پیٹ کے اندر رہے گا۔“

دیکھئے! اس پیش گوئی میں واضح طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح وہ تین راتیں اور تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین راتیں اور تین دن زمین کے پیٹ میں رہیں گے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب

ہونے کی جو داستان ہمیں بائبل سناتی ہے اس کے مطابق تو انہیں جمعہ کے دن مصلوب کیا گیا۔ رات گئے دفن کیا گیا اور اتوار کو قبر خالی تھی۔ یہ دو دن بھی نہیں بنتے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک دن اور دو راتیں بنتی ہیں۔ تین دن اور تین راتیں نہیں۔

ڈاکٹر ولیم اپنی کتاب میں اس بات کا جواب دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دن کے ایک حصے کو پورا دن شمار کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مریض ہفتے کے شب بیمار ہو اور اگر پیر کے دن میں اس سے پوچھوں کہ وہ کتنے دن بیمار ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ تین دن سے۔

ہم ان کی بات مان لیتے ہیں۔ ٹھیک ہے اسی طرح ہوگا، لیکن پیر کے دن کوئی مریض یہ ہرگز نہیں کہے گا کہ میں تین دن اور تین راتوں سے بیمار ہوں۔ میں چیکنج کرتا ہوں۔ میں نے الحمد للہ! بہت مریض دیکھے ہیں اور ان میں مسیحی مریض بھی شامل تھے لیکن کسی بھی مریض نے جو گزشتہ پرسوں رات کو بیمار ہوا ہو یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تین دنوں اور تین راتوں سے بیمار ہوں۔ جب کہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں تین دن اور تین راتیں۔ لہذا یہ ایک ریاضیاتی غلطی ہے اور ایک اور پوری نہ ہونے والی پیش گوئی ہے۔

سائنسی لحاظ سے تقابل حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا جائے تو یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں کیسے رہے؟ زندہ یا مردہ؟ جواب ہوگا زندہ۔ مچھلی تین دن انہیں زندہ لے کر سمندر میں پھرتی رہی۔ وہ زندہ تھے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تب مچھلی نے انہیں ساحل پر اگلا تو وہ زندہ تھے۔ زندہ، زندہ، زندہ۔

لیکن جب پوچھا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن زمین میں کیسے رہے تو جواب کیا ہوگا؟ زندہ یا مردہ؟ اگر وہ مردہ تھے تو پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اگر زندہ تھے تو پھر وہ مصلوب ہی نہیں ہوئے۔ میں اپنے ایک خطاب میں اس موضوع پر گفتگو کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے یا نہیں؟ اور درست بات وہی ہے جو قرآن بتاتا ہے یعنی:

”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 6، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 157)

”حالانکہ فی الواقعہ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ مصلوب کیا بلکہ معاملہ ان کے لئے

مشتبہ کر دیا گیا۔“

بائبل کی پوٹن گونیاں:

قرآن مجید سے ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے:

”لکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب“

(الرعد: آیت نمبر: 38-39)

”ہر دور کے لئے کتاب ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں لیکن نام صرف چار کا مرکوز ہے۔ تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ تورات بھی وحی خداوندی ہے اور زبور بھی۔ انجیل بھی وحی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ وحی ہے جو اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخری وحی ہے۔

جس انجیل کو آج کل مسیحی حضرات اپنی کتاب مقدسہ قرار دیتے ہیں ہم مسلمانوں کے نزدیک یہ وہ انجیل نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ ہمارے خیال میں یہ ممکن ہے کہ اس انجیل میں کلام خداوندی بھی شامل ہو لیکن اس میں دیگر کئی چیزیں بھی شامل ہیں۔ اس میں حواریوں کا کلام بھی شامل ہے، تاریخ دانوں کے بیانات بھی شامل ہیں اور کچھ بے معنی کلام اور بھی۔ مزید برآں اس میں کچھ فحش بیانات اور لاتعداد سائنسی اغلاط بھی موجود ہیں۔ اگر بائبل میں کچھ باتیں سائنسی طور پر درست ہیں تو اس کا امکان موجود ہے کیونکہ بائبل میں کلام الہی بھی شامل ہونے کا امکان ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان اغلاط کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے؟

ہمارا مقصد تو صرف یہ بتانا ہے کہ کلام خداوندی میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس میں سائنسی غلطیوں کا امکان ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی فرماتے تھے کہ سچائی کو تلاش کرو۔ دیکھئے! ہمارے پاس عہد نامہ قدیم ہے، عہد نامہ جدید ہے اور خدا کی آخری وحی بھی ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں موجود ہے۔

اگر انجیل کی ایک بھی پوٹن گونئی غلط ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ کتاب منزل

من اللہ نہیں ہے اور میں ایسی پیش گوئیوں کی پوری فہرست آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر کتاب پیدائش کے چوتھے باب کی بارہویں آیت میں قائن سے کہا گیا: ”جب تو زمین کو جوتے گا تو وہ اب تجھے اپنی پیداوار نہ دے گی اور زمین پر تو خانہ

خراب اور آوارہ ہوگا۔“

لیکن چند ہی سطروں کے بعد آیت نمبر 17 میں پتہ چلتا ہے:

”اور اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر حنوک رکھا۔“

یعنی پیش گوئی بالکل غلط ثابت ہوئی۔ اسی طرح یرمیاہ کے باب نمبر 36 کی آیت نمبر 30 میں ہم پڑھتے ہیں:

”اس لئے شاہ یہوداہ یہوئقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے

کوئی باقی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے اور اس کی لاش پھینکی جائے گی تاکہ دن کو

گرمی میں، رات کو پالے میں پڑی رہے۔“

لیکن اگر آپ سلاطین 2 کے چوبیسویں باب کی چھٹی آیت کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم

ہوگا:

”اور یہوئقیم اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا اور اس کا بیٹا یہویاکین اس کی جگہ

بادشاہ ہوا۔“

یعنی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی۔

اگرچہ ایک ہی پیش گوئی کا غلط ہونا یہ ثابت کر دیتا ہے کہ موجودہ انجیل کلام خداوندی نہیں

ہے لیکن میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتا ہوں۔

حزقی ایل، باب نمبر 26 کی آیت نمبر 8 میں بتایا گیا ہے کہ بنو کدر ضرشاہ بابل صور کے شہر کو

تباہ کرے گا لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اس شہر کو سکندر اعظم نے تباہ کیا تھا۔ گویا یہ پیش گوئی بھی

درست ثابت نہیں ہوئی۔

یسعیاہ، باب نمبر 7، آیت نمبر 14 میں کہا گیا ہے:

”دیکھو! ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی۔“

اول تو یہاں غلط ترجمہ کیا جا رہا ہے کیوں کہ جو اصل عبرانی لفظ یہاں استعمال ہوا ہے اس کا

مطلب ”کنواری“ نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی ”جوان عورت“ ہیں لیکن مسیحی حضرات کا کہنا ہے کہ

یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کی جا رہی ہے۔ لہذا ہم ان کی مان لیتے ہیں کہ واقعی یہاں لفظ کنواری استعمال ہوا ہے لیکن یہ آیت کہتی ہے کہ اس کا نام ”عمانویل“ ہوگا اور پوری بائبل میں کسی بھی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عمانویل کے نام سے نہیں پکارا گیا۔ لہذا بہر صورت یہ پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی۔

میں بہت سی مثالیں مزید بھی پیش کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ایک ہی مثال یہ ثابت کرنے کے لئے کفایت کرتی ہے کہ موجودہ بائبل کلام خداوندی نہیں ہے۔ میں نے تو بہت سی مثالیں پیش کر دی ہیں۔

پانی کی تین طبعی صورتیں اور تثلیث:

مسیحی حضرات عقیدہ تثلیث کی سائنسی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ جس طرح پانی کی تین طبعی صورتیں ٹھوس، مائع اور گیس ہو سکتی ہیں یعنی وہ برف، پانی اور بھاپ کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی باپ، بیٹے اور روح القدس کی تثلیث کی صورت میں ہے۔ سائنسی لحاظ سے مجھے اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ پانی کی تین طبعی حالتیں ہوتی ہیں۔ ٹھوس، مائع اور گیس یا برف، پانی اور بخارات لیکن ہم جانتے ہیں کہ اپنے اجزاء کے لحاظ سے یہ ایک ہی چیز رہتی ہے۔ پانی کا کیمیائی فارمولا "H2O" ہے یعنی دوا ایٹم ہائیڈروجن کے اور ایک آکسیجن کا۔ یہ اجزاء اسی طرح رہتے ہیں، ان کا تناسب یہی رہتا ہے، صرف طبعی حالت تبدیل ہوتی ہے۔

اب ہم عقیدہ تثلیث کا جائزہ لیتے ہیں۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ کیا یہاں بھی صرف حالت ہی تبدیل ہوتی ہے۔؟ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہاں بھی صرف حالت کا فرق پڑتا ہے۔ کیا یہاں بھی اجزاء وہی رہتے ہیں۔؟

باپ اور روح القدس کا وجود روحانی ہے جبکہ انسان گوشت پوست کی مخلوق ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ خدا ان ضرورتوں سے پاک ہے۔ دونوں مختلف ہیں، دونوں ایک جیسے کس طرح ہو سکتے ہیں۔؟ اور یہ بات خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ان کے متعلق لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

”اس نے ان سے کہا: ”تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک

پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں وہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیوں کہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو۔“ یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا: ”کیا یہاں تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟“ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں خود فرما رہے ہیں کہ روح گوشت اور ہڈیاں نہیں رکھتی۔ سائنسی طور پر یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ وہ خدا نہیں ہیں، انہوں نے ان کے روبرو مچھلی کا ٹکڑا کھایا اور اس طرح باپ، بیٹے اور روح القدس کے ایک ہونے یعنی تثلیث کے عقیدے کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رد کر دیا۔

پوری بائبل میں تثلیث (Trinity) کا لفظ ہی موجود نہیں ہے لیکن قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

”وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُ خَيْرَ الْكُمِ اِنَّمَا اللّٰهُ وَاحِدٌ“

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 171)

”اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آ جاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔“

سورۃ مائدہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ“

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر 73)

”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں

سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔“
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا ہیں۔ بائبل میں بھی تثلیث کا تصور موجود نہیں ہے۔ واحد بیان جو تثلیث کے قریب ترین ہو سکتا ہے وہ یہ ہے:
”اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیونکہ روح سچائی ہے اور گواہی دینے والے تین ہیں روح، پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں۔“

(یوحنا کا پہلا خطاب، باب نمبر 5، آیت نمبر 7)

اور اس آیت کے بارے میں بائبل کے "Revised Standard Version" میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ آیت الحاقی ہے یعنی اسے بائبل سے نکال ہی دیا گیا ہے گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ الوہیت نہیں کیا۔

پوری بائبل میں کوئی ایک بیان بھی ایسا موجود نہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ میں خدا ہوں یا یہ کہا ہو کہ میری عبادت کرو۔ بلکہ اگر آپ بائبل کا مطالعہ کریں تو آپ کو اس قسم کی آیات ملیں گی:

”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیوں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔“

(یوحنا، باب نمبر 14، آیت نمبر 28)

”میرا باپ سب سے بڑا ہے۔“

(یوحنا، باب نمبر 10، آیت نمبر 29)

”میں خدا کی روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں۔“

(متی، باب نمبر 12، آیت نمبر 29)

”میں بدروحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں۔“

(لوقا، باب نمبر 11، آیت نمبر 22)

”میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔“ (یوحنا، باب نمبر 5، آیت نمبر 30)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا یعنی جو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کرتا ہوں اور یہی اسلامی عقیدہ ہے۔ مسلمان ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی مرضی کو

اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمان تھے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبروں میں ایک تھے۔

ہمارا ایمان ہے کہ ان کی پیدائش ایک معجزہ تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معظیم الشان پیغمبر تھے۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں لیکن وہ خدا نہیں ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے:

”هو الله احد“

www.only1or3.com
www.onlvoneorthree.com

”کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔“

اہم ترین نکات:

عیسائیوں کی آسانی کے لئے میں اپنی گفتگو کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں تاکہ وہ اس کا جواب دے سکیں۔

پہلا نکتہ یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق کائنات چھ دنوں میں یعنی چوبیس گھنٹے والے دنوں میں تخلیق ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ غیر سائنسی بات ہے۔

دوسرا یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق روشنی کی تخلیق سورج اور ستاروں سے پہلے ہوئی تھی۔ یہ بات بھی غیر منطقی ہے۔

تیسرا نکتہ یہ تھا کہ دن اور رات کی تشکیل زمین کے تخلیق ہونے سے قبل ممکن نہیں لیکن بائبل ایسا ہی ظاہر کرتی ہے۔

چوتھا نکتہ میں نے یہ بیان کیا تھا کہ بائبل کے مطابق نباتات کی تخلیق سورج سے قبل ہو گئی تھی۔ یہ غیر سائنسی بیان ہے کیوں کہ پودوں کو اپنی نشوونما کے لئے سورج کی روشنی درکار ہوتی ہے۔

پانچویں بات میں نے یہ کی کہ زمین کی تخلیق سورج سے قبل بتائی گئی ہے اور یہ بات سائنس کی روشنی میں بالکل درست نہیں۔

چھٹا نکتہ یہ تھا کہ بائبل کے بیان کے مطابق چاند کی روشنی اپنی روشنی ہے۔ ساتواں نکتہ یہ تھا کہ زمین ہمیشہ قائم رہے گی یا فنا ہو جائے گی؟

آٹھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں زمین کے ستون بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟
 نوواں نکتہ یہ کہ آسمان کے بھی ستون بتائے گئے ہیں۔
 دسواں یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق تمام بیج دار پھل انسان کے کھانے کے لئے بنائے
 گئے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان میں کئی انتہائی زہریلے بھی ہوتے ہیں۔
 گیارہواں نکتہ یہ کہ بائبل میں ایک امتحان بتایا گیا ہے جس سے ایک بچے مسیحی کا ایمان
 معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کیا کوئی مسیحی یہ امتحان دینے کے لیے تیار ہے؟
 بارہواں نکتہ یہ تھا کہ بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ماں دگنے عرصے تک کیوں ناپاک رہتی
 ہے؟

تیرہواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل میں مکان کو کوڑھ کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لئے خون چھڑکنے کا
 مشورہ دیا گیا ہے جو کہ قطعاً غیر سائنسی بات ہے۔
 چودھواں نکتہ یہ کہ بدکرداری معلوم کرنے کے لئے جو کڑوے پانی کا امتحان بیان کیا گیا ہے
 اس کی وضاحت کی جائے۔

پندرہواں نکتہ یہ کہ بائبل میں ایک ہی جگہ ساٹھ سے بھی کم آیات میں اٹھارہ تضادات موجود
 ہیں اور میں اسے ایک ہی نکتہ یا ایک ہی سوال مکن رہا ہوں، حالانکہ یہ اٹھارہ نکات ہیں۔
 سولہواں نکتہ یہ کہ مندرجہ بالا معاملے میں دونوں جگہ تعداد مختلف ہے یعنی ایک تو بیان کردہ کل
 تعداد غلط ہے اور دوسرا دونوں ابواب میں میزان مختلف نکلتا ہے۔
 نکتہ نمبر سترہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا موقع پر یعنی بائبل سے بنی اسرائیل کی رہائی کے موقع پر
 گانے والوں اور گانے والیوں کی تعداد دو سو تھی یا دو سو پینتالیس؟
 نکتہ نمبر اٹھارہ یہ ہے کہ جب یہو یا کین نے سلطنت شروع کی تو اس کی عمر اٹھارہ سال تھی یا
 آٹھ سال؟

انیسواں نکتہ یہ ہے کہ اس نے حکومت تین ماہ کی تھی یا تین ماہ اور دس دن؟
 بیسواں نکتہ یہ کہ ہیکل سلیمانی میں ”دو ہزار بت کی سمائی تھی“ یا ”تین ہزار بت“ کی؟
 اکیسواں سوال یہ کہ بھٹا اپنی موت کے دس سال بعد کیونکر یہوداہ پر چڑھائی کر سکتا تھا؟
 بائیسواں نکتہ یہ تھا کہ قوس قزح کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ طوفان نوح کے بعد خدا
 کے وعدے کی نشانی کے طور پر ظاہر ہوئی۔ اس کی سائنسی حقیقت واضح کریں۔

تجسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کہتی ہے کہ زمین چھٹی ہے۔ اب سائنسی رو سے بتائیے کہ زمین بیضہ نما ہے یا چھٹی؟

چوبیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کے مطابق سانپ کی غذا خاک ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

پچیسواں نکتہ یہ تھا کہ کیا کبھی دنیا میں کوئی سینگوں والا گھوڑا پایا جاتا تھا۔

چھبیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل میں ہے کہ حیوانیوں کا کوئی سردار، ناظر اور حاکم وغیرہ نہیں۔ کیا

یہ نظریہ علم حیوانیات کی رو سے درست ہے؟

ستائیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کی رو سے خرگوش جگالی کرتا ہے۔ جدید تحقیقات کی رو سے یہ

بات کہاں تک درست ہے؟

میں نے بائبل میں موجود سینکڑوں سائنسی اغلاط میں سے صرف چند ایک کی نشان دہی کی

ہے۔ میں عیسائیوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان کا جواب دیں۔ وہ منطقی اور سائنسی طور پر ان

نکات کا جواب کبھی نہیں دے سکیں گے۔

قرآن مجید کے سائنسی معجزات

قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کے جوابات

علم الجہین:

1: کچھ عرصہ قبل چند عربوں نے علم الجہین سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ کو اکٹھا

کیا اور یہ سارا لوازمہ انہوں نے کینیڈا کے ڈاکٹر کیتھ مور کو پیش کر دیا جو ”یونیورسٹی آف ٹورانٹو“

کینیڈا میں اس شعبہ کے سربراہ ہیں اور دورِ حاضر میں ان کا شمار علم الجہین کے بڑے ماہرین میں

ہوتا ہے۔ ان آیات و احادیث کے تراجم کا مطالعہ کرنے کے بعد جب ان سے تبصرے کے لئے

کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ ان میں سے بیش تر آیات اور احادیث تو جدید ترین تحقیقات سے مکمل

مطابقت رکھتی ہیں۔ البتہ چند باتیں ایسی ہیں جنہیں نہ وہ درست قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی غلط

کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جدید سائنس نے ابھی تک ان کی مکمل وضاحت ہی نہیں کی۔ انہوں نے کہا

کہ وہ خود ان کے بارے میں مکمل علم نہیں رکھتے اور ان میں دو آیات وہ تھیں جو ترتیب نزولی کے

اعتبار سے قرآن مجید کی اولین آیات ہیں:

”اقرا باسم ربك الذى خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝“
(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ العلق، آیت نمبر 1-2)

”اے نبی پڑھو! اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے پیدا کیا۔ ۝ جس ”علقہ“
سے انسان کی تخلیق کی۔ ۝“

”علق“ سے مراد کوئی چپکنے والی چیز یا جو تک نہا چیز ہے۔

اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے الفاظ کے وہی معنی سامنے رکھنے چاہئیں جو اس وقت مراد لئے جاتے تھے جب کتاب تحریر ہوئی تھی یا وہی معنی قبول کرنے چاہئیں جو معنی اولین مخاطبین کے نزدیک درست تھے۔

ہم ان کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں لیکن صرف بائبل کے معاملے میں۔ بائبل کے حق میں تو ان کی یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ بائبل ایک ایسی کتاب ہے جس کے مخاطبین صرف اس دور کے لوگ تھے بلکہ صرف بنی اسرائیل تھے۔ یہ بات بائبل میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔ بارہ حواریوں کے نام بیان کرنے کے بعد تحریر ہے:

”ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا: ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہروں میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔“

(متی، باب نمبر 10-7، 6)

یہاں انہیں غیر قوموں کی طرف جانے سے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام منع کر رہے ہیں۔ غیر قوموں سے کیا مراد ہے۔؟ غیر قوموں سے مراد تمام غیر یہودی اقوام ہیں۔ اس طرح متی کی انجیل میں دوبارہ کہا گیا ہے:

”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“

(انجیل متی، باب نمبر 15-24)

گویا بائبل اور حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا پیغام ہدایت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا اور چونکہ یہ پیغام صرف ایک قوم تک محدود تھا لہذا یہاں وہ معنی مراد لینا درست ہوگا جو ان لوگوں

کے نزدیک تھا۔

لیکن قرآن مجید کا معاملہ مختلف ہے۔ قرآن مجید صرف اس دور کے عربوں کے لئے نازل نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید کا پیغام صرف مسلمانوں کے لئے بھی نہیں ہے۔ یہ تو پوری انسانیت کے لئے پیغام ہدایت ہے اور ہر زمانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

چنانچہ سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”هَذَا بَلَدٌ لِلنَّاسِ“

(القرآن المجید، سورۃ ابراہیم، آیت نمبر 52)

”یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے۔“

اسی طرح سورۃ بقرہ میں کہا گیا:

”القرآن ہدی للناس“

(القرآن المجید، سورۃ البقرہ، آیت نمبر 180)

”قرآن انسانوں کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔“

سورۃ زمر میں ارشاد ہوتا ہے:

”انا انزلنا علیک الكتاب للناس بالحق“

(القرآن المجید، سورۃ الزمر، آیت نمبر 41)

”(اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب سارے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے برحق

نازل کی ہے۔“

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کا پیغام پوری بنی نوع انسانیت کے لئے ہے اور

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف عربوں کے لئے ہدایت دے کر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ آپ علیہ السلام ساری نوع انسانیت کے رسول بن کر تشریف لائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ انبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 17)

”(اے نبی!) ہم نے تو آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

لہذا جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے، آپ قرآنی الفاظ کے معانی کو قطعاً اس دور تک محدود نہیں کر سکتے جس دور میں یہ نازل ہوا تھا کیونکہ اس کتاب کا پیغام کسی زمانے تک محدود نہیں ہے۔ علق کا ایک مطلب جو تک نما چیز یا چپکنے والی چیز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں کہ مجھے علم نہیں تھا کہ جنین ابتدائی مرحلے میں جو تک سے مشابہت رکھتا ہے یا نہیں۔ لہذا موصوف اپنی تجربہ گاہ میں گئے اور جنین کے ابتدائی مرحلے کا خوردبین سے جائزہ لینے کے بعد اس کا تقابل جو تک کی تصویر سے کیا اور وہ دونوں کے درمیان موجود حیرت انگیز مشابہت کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

بہر حال ڈاکٹر کیتھ مور سے 80 سوالات کئے گئے۔ ڈاکٹر کیتھ مور نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ 80 سوالات ان سے 30 سال قبل کئے جاتے تو شاید وہ پچاس فیصد سوالات کا بھی جواب نہ دے پاتے۔ کیونکہ گزشتہ تیس سال کے عرصے میں علم الجنین نے بہت زیادہ ترقی کی ہے اور یہ بات ڈاکٹر کیتھ مور نے 1980ء کی دہائی میں کی تھی۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ اب صورت حال یہ ہے کہ ڈاکٹر کیتھ مور کا یہ بیان تحریری صورت میں بھی دستیاب ہے اور ان کی گفتگو کی ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔ آپ ویڈیو کیسٹ میں خود بھی دیکھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کیتھ مور نے یہ تحقیقات اپنی اس کتاب میں پیش کی ہیں۔ جس کا عنوان ہے:

"The Developing Human"

اس کتاب کو اس سال کسی ایک مصنف کی لکھی ہوئی بہترین طبی کتاب کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔ اس کتاب کا اسلامی ایڈیشن ڈاکٹر عبدالجید الزندانی نے شائع کیا تھا جس پر ڈاکٹر مور کی تصدیق بھی موجود ہے۔

2 قرآن مجید کی سورۃ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

”ثم جعلناه نطفة في قرار مكين“

(القرآن المجید، سورۃ المومنون، آیت نمبر 13)

”پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔“

سورۂ حج میں بلکہ قرآن مجید میں گیارہ مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے کہ انسان کی تخلیق نطفے سے ہوئی ہے۔ نطفہ عربی زبان میں ”مالع کی انتہائی قلیل مقدار“ کو کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ مقدار جو پیالے کی تہہ سے لگی رہ جاتی ہے یعنی قلیل ترین مقدار۔

آج ہم جانتے ہیں کہ مادہ منویہ میں موجود کروڑوں جرثوموں میں سے کوئی ایک بھی جنین کی تشکیل کے لئے کافی ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت ہی چھوٹی سی مقدار ہوتی ہے جس کے لئے قرآن ”نطفہ“ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ سجدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

”ثم جعل نسله من سللة من ماء مهين“

(القرآن المجید، سورۃ السجدہ، آیت نمبر 8)

”پھر اس کی نسل ایک ایسے ننچوڑ سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔“

”ننچوڑ یا سلالہ“ سے مراد ہے کسی چیز کا جوہر، کسی شے کا بہترین حصہ یا یوں کہیے کہ کروڑوں جرثوموں میں سے وہ ایک جرثومہ جو بیضے کو بار آور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مجید اسی لئے تو یہاں لفظ ”سلالہ“ یعنی بہترین حصہ استعمال کرتا ہے۔

3: سورۂ دھر میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

”انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا“

(القرآن المجید، سورۃ الدھر، آیت نمبر 2)

”ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم

نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔“

یہاں قرآن مجید ”نطفۃ امشاج“ کا لفظ استعمال کرتا ہے یعنی مخلوط نطفہ۔ گویا یہاں اشارہ

بیضوں اور مادہ منویہ کی طرف ہے۔ کیونکہ جنین کی تشکیل کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

4: جنین کے ارتقاء کے مختلف مراحل کا ذکر قرآن مجید بڑی تفصیل اور وضاحت کے

ساتھ کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

”وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً فِي
قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَرْنَا الْعِظَامَ لِحْمَاطًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا
آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝“

(القرآن المجید، سورۃ المومنون، آیت نمبر 14-12)

”ہم نے انسان کو مٹی کے نچوڑ سے بنایا ۝ پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں
تبدیل کیا ۝ پھر اس بوند کو علقہ کی شکل دی، پھر علقہ کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں
بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔
پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ ۝“

مندرجہ بالا آیات میں بتایا گیا کہ انسان کی تخلیق نطفہ سے ہوئی ہے جو مالع کی انتہائی قلیل
مقدار ہے۔ پھر اسے ”قرار مکین“ میں رکھا گیا یعنی محفوظ جگہ پھر وہ ”علقہ“ میں تبدیل ہوا یعنی
”جو تک نماشے“ یا ”چسکنے والی شے“ یا ”خون کا لوتھڑا۔“ پھر علقہ کو تبدیل کیا گیا ”مضغہ“ میں یعنی
چبائی ہوئی شے یا بوٹی۔ پھر مضغہ سے ”عظاما“ یعنی ہڈیاں بنائی گئیں۔ پھر ”لحم“ یعنی گوشت کی
تفصیل ہوئی۔

ان تین آیات قرآنی میں جنین کے ارتقائی مراحل بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے
ہیں۔ سب سے پہلے تو نطفہ قرار مکین میں پہنچتا ہے یعنی رحم مادر میں اور پھر وہ علقہ میں تبدیل ہوتا
ہے۔

لفظ ”علقہ“ کے تین معانی ہیں!

پہلا معنی تو ”چسکنے والی چیز“ ہے اور یہ معنی بالکل درست ہے کیونکہ جنین رحم کی دیوار کے
ساتھ چپکا رہتا ہے۔

دوسرے معنی ”جو تک نماشے“ ہیں اور جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کر چکا ہوں کہ جنین اپنے
ابتدائی مراحل میں واقعی جو تک سے مشابہ ہوتا ہے۔ شکل و صورت کے لحاظ سے بھی اور کچھ اس لحاظ
سے بھی کہ جو تک کی طرح اس کی پرورش بھی خون سے ہو رہی ہوتی ہے۔

تیسرے معانی ”خون کا لوتھڑا“ بھی ہوتے ہیں اور انہی معانی پر اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہاں قرآن مجید غلطی پر ہے، لیکن میں عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآن مجید ہرگز غلطی پر نہیں ہے بلکہ اہل یورپ غلطی پر ہیں کیونکہ آج جب علم طب اس قدر ترقی کر چکا ہے آج بھی ڈاکٹر کیتھ مور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جنین ابتدائی مراحل میں خون کے لوتھڑے کی مانند بھی نظر آتا ہے۔ آپ تصاویری مدد سے بھی اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ علقہ تین سے چار ہفتے کی عمر میں لوتھڑے سے مشابہ نظر آتا ہے یا نہیں؟

عیسائیوں اور یہودیوں کے تمام اعتراضات کا جواب ایک جملے میں بھی دیا جاسکتا ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ ”قرآن مجید میں جنین کے ارتقاء کے مختلف مراحل کو ان کی شباهت کی بنا پر نام دیئے گئے ہیں۔“

جنین بظاہر اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے مرحلے میں واقعی اس کی شباهت لوتھڑے، جو تک یا چپکنے والی چیز کی طرح ہوتی ہے۔ پھر قرآن مجید کہتا ہے کہ علقہ کو مضغہ میں تبدیل کیا جاتا ہے یعنی وہ کسی چبائی ہوئی شے کی مانند ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی درست ہے۔ ڈاکٹر کیتھ مور نے پلاسٹک کے ایک ٹکڑے کو دانٹوں میں دبا کر دیکھا۔ ڈاکٹر مور لکھتے ہیں کہ علقہ کے مضغہ میں تبدیل ہونے کے بعد بھی ”چپکاؤ“ موجود رہتا ہے تقریباً ساڑھے آٹھ ماہ کی عمر تک لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید کا بیان غلط ہے۔ قرآنی بیان بالکل درست ہے کیونکہ ”جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ قرآن مجید نے یہ نام جنین کی ظاہری صورت کی بنا پر دیئے ہیں۔ بیشک جنین تقریباً آخر تک ”چپکنے والی شے“ رہتا ہے لیکن اس کی ظاہری شباهت ”جو تک نما چیز“ کی بجائے ”چبائی ہوئی چیز“ جیسی ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد قرآن مجید کہتا ہے کہ ”عظاما“ یعنی ہڈیاں اور پھر ”لحمًا“ یعنی گوشت کی تشکیل ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہڈیوں اور پٹھوں کی تشکیل بیک وقت ہوتی ہے۔ میں ان سے اتفاق کرتا ہوں۔ واقعی اسی طرح ہوتا ہے۔

آج علم الجین کی جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ہڈیوں اور پٹھوں کی ابتدائی تشکیل پچیسویں سے چالیسویں دن کے درمیان ہوتی ہے اور بظاہر ایک ڈھانچہ کی صورت نظر آنا شروع ہو جاتی ہے لیکن پٹھوں یعنی گوشت کی تشکیل مکمل نہیں ہوئی ہوتی۔ یہ ساتویں اور آٹھویں ہفتے میں

مکمل ہوتی ہے۔ جبکہ ہڈیاں ہیا لیسویں دن تک مکمل ہو چکی ہوتی ہے ڈھانچہ بن چکا ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآنی ترتیب بالکل درست ہے۔ یعنی سب سے پہلے علقہ پھر عظام اور پھر لحماء۔ قرآن مجید کی بیان کردہ ترتیب ہی درست ترتیب ہے۔

ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں:

”جدید علم الجینین کے بیان کردہ مراحل یعنی پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں مرحلہ اور ان کی تفصیل انتہائی پیچیدہ اور عمیق الفہم ہیں۔ جب کہ صورت اور شہادت کی بنیاد پر بیان کردہ قرآنی مراحل سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔ مجھے یہ بات ماننے پر کوئی اعتراض نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر تھے کیونکہ قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہی ہو سکتی ہے۔“

علم ارضیات:

1: جہاں تک ارضیات کا تعلق ہے، جدید ماہرین ارضیات ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا قطر تقریباً 12706 کلومیٹر ہے۔ زمین کی سب سے باہر والی سطح ٹھنڈی ہے لیکن اندرونی پرتیں انتہائی گرم اور پگھلی ہوئی حالت میں ہیں۔ جہاں زندگی کا کوئی امکان موجود نہیں اور یہ کہ زمین کی سب سے بیرونی پرت جس پر ہم آباد ہیں نسبتاً انتہائی باریک ہے۔ اس کی موٹائی ایک میل سے لے کر 30 میل تک ہے۔ چند حصے نسبتاً زیادہ موٹے ہو سکتے ہیں لیکن عموماً یہ پرت ایک سے تین میل کے درمیان ہی ہوتی ہے۔

اس پرت یا سطح کے ”پٹنے“ کے قوی امکانات موجود رہتے ہیں جس کی ایک وجہ ”بل پڑنے کا عمل“ ہے جس کے نتیجے میں پہاڑ بنتے ہیں اور زمین کی سطح کو استحکام ملتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ نبا میں ارشاد ہوتا ہے:

”الم نجعل الارض مہداً والجبال اوتاداً“

(القرآن المجید، سورۃ النبا، آیت نمبر 7-6)

”کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔“

قرآن مجید یہ نہیں کہتا کہ پہاڑوں کو میخوں کی طرح زمین میں اوپر سے گاڑا گیا ہے بلکہ یہ کہ

پہاڑوں کو میخوں کی طرح بنایا گیا ہے۔ اوتا دا کا مطلب خیمے گاڑنے والی میخیں ہی ہوتا ہے۔ آج جدید علم ارضیات بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ پہاڑوں کی جڑیں زمین میں گہرائی تک ہوتی ہیں۔ یہ بات انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سامنے آئی تھی کہ پہاڑ کا بیش تر حصہ زمین کے اندر ہوتا ہے اور صرف تھوڑا سا حصہ ہمیں نظر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے زمین میں گڑی ہوئی میخ کا بیش تر حصہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔ یا جس طرح ”آئس برگ“ کی صرف چوٹی ہمیں نظر آتی ہے جب کہ 90 فیصد حصہ پانی کے اندر ہوتا ہے۔

سورۃ الغاشیہ میں ارشاد ہوتا ہے:

”والی الجبال کیف نصبت“

(القرآن المجید، سورۃ الغاشیہ، آیت نمبر 19)

”اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے۔؟“

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والجبال ارسھا“

(القرآن المجید، سورۃ النازعات، آیت نمبر 32)

”اور پہاڑ اس میں کھڑے کر دیئے۔“

جدید ارضیاتی نظریے اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ پہاڑی سلسلے سطح زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔ تمام ماہرین ارضیات نہیں لیکن اکثر ماہرین یہی کہتے ہیں۔ میں عیسائی علماء کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ علم ارضیات کی کسی ایک مستند کتاب میں وہ بات دکھادیں جو قرآن مجید کے مخالف ہو۔ الحمد للہ! میں مستند کتاب کا ذکر کر رہا ہوں۔ ان کی ”ذاتی خط و کتابت“ کا نہیں۔ دستاویزی ثبوت مانگ رہا ہوں۔

2: دوسری طرف ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ”زمین“ (Earth)۔ یہ کتاب بیش تر

یونیورسٹیوں کے ارضیات کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں ڈاکٹر فریڈک پریس بھی شامل ہیں جو سابق امریکی صدر جی کارٹر کے مشیر رہ چکے ہیں اور امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے بھی صدر رہے ہیں۔ وہ اس کتاب میں کہتے ہیں:

”پہاڑ مثلث نما ہوتے ہیں۔ زمین کے اندر گہرائی تک ان کی جڑیں ہوتی ہیں اور یہ

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

کہ پہاڑ زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے:

”وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سَبِيلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ“

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 31)

”اور ہم نے زمین میں پہاڑ جمادیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے اور اس میں کشادہ راہیں بنادیں تاکہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

”خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَالْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِكُمْ“

(القرآن المجید، سورۃ لقمان، آیت نمبر 10)

”اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جو تم کو نظر آئیں۔ اس نے زمین میں پہاڑ جمادیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔“

”وَالْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِكُمْ أَنْهَارًا وَسَبَالًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ“

(القرآن المجید، سورۃ النحل، آیت نمبر 15)

”اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے، اس نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“

گویا قرآن مجید میں بھی پہاڑوں کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ وہ سطح زمین کو استحکام فراہم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں۔ ڈاکٹر ولیم ٹیمپل نے اپنی کتاب میں یہ بات لکھی ہے کہ پہاڑی علاقوں میں زلزلے زیادہ آتے ہیں اور یہ کہ پہاڑ زلزلوں کا باعث بنتے ہیں۔

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ تو کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں۔ عربی میں زلزلے کے لئے ”زلزال“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ان تینوں آیات میں کہیں بھی

زلزلے کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ ان میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے ”تمیّد“ جس کے معنی ”ڈھلکنے“ یا ”جھولنے“ کے ہوتے ہیں اور قرآن مجید ان تینوں آیات میں یہی لفظ استعمال کرتا ہے کہ زمین تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے، جھول نہ پڑے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین حرکت نہ کرتی۔ یہی بات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اور یہی بات ڈاکٹر فرینک پرلیس کر رہے ہیں۔ یہی بات ڈاکٹر نجات لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر نجات کا تعلق سعودی عرب سے ہے اور انہوں نے قرآن کے ارضیاتی تصورات پر ایک کتاب لکھی ہے۔

اہل یورپ کا کہنا ہے کہ اگر پہاڑ زمین کو کاٹنے سے روکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ پہاڑی علاقوں میں زلزلے زیادہ آتے ہیں؟ میرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہے کہ پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں؟ زلزلوں کو عربی میں زلزال کہتے ہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں زلزلے کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

"Earthquake is due convulsion of the superficial crust of the earth, due to relief of compressed seismic waves, due to a crack in the rock or due to volcanic reaction."

زلزلے یا بھونچال کا ذکر قرآن مجید کی سورہ زلزال میں موجود ہے، جہاں قیامت کی بات بیان کی گئی ہے، لیکن دوسری کسی آیت میں زلزال کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ **قمیّد بکم** کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ڈولنے یا ڈھلکنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے:

”اگر پہاڑ زلزلوں کو روکتے ہیں تو پھر پہاڑی علاقوں میں ہی زیادہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟“

تو اس بات کا جواب دینے کے لیے میں اک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ فرض کیجئے میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر حضرات انسانوں کو لاحق ہونے والی بیماریوں اور امراض کا علاج کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ اگر ڈاکٹر بیماریوں کو ٹھیک کرتے ہیں تو پھر زیادہ مریض ہسپتالوں میں کیوں پائے جاتے ہیں جہاں زیادہ تعداد میں ڈاکٹر موجود ہوتے ہیں، یہ

نسبت گھروں کے جہاں ڈاکٹر نہیں ہوتے؟ تو کیا اس معترض کا استدلال درست ہوگا۔؟

علمِ فلکیات

1: جہاں تک قرآن مجید اور جدید سائنس کا تعلق ہے۔ ہم بات کا آغاز فلکیات سے کریں گے۔ چند دہائیاں پیش تر سائنسدانوں اور ماہرینِ فلکیات نے ہمیں بتایا کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ وہ اس نظریے کو ”عظیم دھماکہ“ یا ”Big Bang“ کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ ایک ”Primary Nebula“ بہت بڑے دھماکے کے ساتھ پھٹا اور اس کے نتیجے میں کہکشائیں اور اجرامِ فلکی وجود میں آئے یعنی ستارے، سورج، چاند اور وہ زمین بھی جس پر آج ہم رہ رہے ہیں۔ یہ ساری معلومات قرآن مجید میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔

چنانچہ سورۃ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

”اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنہما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا یؤمنون“

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)

”کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقیت کو) نہیں مانتے۔؟“

ذرا تصور کیجئے! یہ بات حال ہی میں ہمارے علم میں آئی ہے لیکن قرآن مجید میں یہ بات چودہ سو سال پہلے ہی بیان کی جا چکی تھی۔

3: جب میں سکول میں تھا تو ہمیں بتایا جاتا تھا کہ سورج ساکن ہے جبکہ زمین اور چاند اپنے مداروں میں سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ چاند اور زمین تو اپنے مداروں میں متحرک ہیں مگر سورج ایک مقام پر ساکن ہے لیکن قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

”وہو الذی خلق الیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون“

(القرآن المجید، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 33)

”اور اللہ وہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا، سب

ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔“

یعنی ہر کوئی اپنے اپنے فلک میں، اپنے اپنے مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ الحمد للہ! آج جدید سائنس بھی اس آیت قرآنی کی تصدیق کر چکی ہے۔ قرآن مجید میں اس مقام پر جو عربی لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے

”یسبحون“

یہ لفظ ایک ایسے جسم کی حرکت ظاہر کرتا ہے جو اپنے مقام پر بھی متحرک ہو۔ گویا جہاں اجرام فلکی کا ذکر ہو وہاں یہ لفظ اپنے مرکز کے گرد حرکت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

پس قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ چاند اور سورج اپنے مرکز کے گرد بھی گھومتے ہیں اور اپنے اپنے مداروں میں بھی تیر رہے ہیں۔ آج جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ سورج تقریباً 25 دن میں اپنے مرکز کے گرد ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔

3: ایڈون ہبل وہ سائنس دان تھا جس نے پہلی بار یہ حقیقت دریافت کی کہ ہماری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے، یہی بات قرآن مجید کی سورۃ ذاریات میں فرئی گئی ہے:

”والسماں بنینہا باید و انا لموسعون“

(القرآن المجید، سورۃ الذریت، آیت نمبر 47)

”آسمان کو ہم نے اپنے قدرت کے ہاتھ سے بنایا ہے اور ہم ہی اسے وسیع کرنے

والے ہیں۔“

یہاں کائنات کے پھیلنے کا ذکر ہے۔ عربی کے لفظ ”موسعون کا مطلب ہے وسعت دینے والا، وسیع کرنے والا۔

درمحمسوس کرنے والے خلیے

قرآن مجید کی سورۃ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیہم ناراً کلما نضجت

جلودہم بدلنہم جلوداً غیرہا لیدوقوا العذاب ان اللہ کان

عزیز حکیم

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

”جن لوگوں نے ہمارے آیات ماننے سے انکار کر دیا (انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھانک جانی کی لو اس کی جگہ دوسری کھان پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ پکھیں، بیشک اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔“

اس آیت کا تعلق ”درد کے احساس“ سے ہے۔ پہلے ڈاکٹر حضرات کا خیال تھا کہ درد کے احساس کا تعلق صرف دماغ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن آج ہم یہ جانتے ہیں کہ درد کا احساس صرف دماغ کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ہماری جلد میں بھی ایسے ”Receptors“ موجود ہوتے ہیں جو درد اور تکلیف کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ انہیں ”Pain Receptors“ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انکار کرنے والوں یعنی کفار کو آگ کے حوالے کیا جائے گا اور جب ان کی کھال جل جائے گی تو ان کے جسم پر نئی کھال پیدا کر دی جائے گی تاکہ انہیں دوبارہ درد کا احساس ہو سکے۔

اس آیت سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ جلد میں ایسی کوئی خصوصیت موجود ہے جس کی وجہ سے درد کا احساس ہوتا ہے یعنی قرآن مجید اس آیت میں ”Pain Receptors“ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

تھائی لینڈ کی چانگ مائی یونیورسٹی کے شعبہ اناتومی کے سربراہ پروفیسر ”تھاگاڈاشان“ صرف اس ایک آیت کی وجہ سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ ریاض سعودی عرب میں ہونے والی آٹھویں میڈیکل کانفرنس میں انہوں نے اعلان کیا:

”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا الرسول اللہ“

”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

”سنریہم ایتنا فی الافاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انه الحق اولم یکف بربک انه علی کل شئی شہید“

(القرآن المجید، سورۃ حم السجدہ، آیت نمبر 53)

”عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ قرآن واقعی برحق ہے، کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔“

ڈاکٹر تھاگا ڈاکے لئے ایک ہی نشانی حق کی نشان دہی کے لئے کافی ہوگئی یعنی اس بات پر ایمان لانے کے لئے کہ قرآن کلام خداوندی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں دس نشانیاں درکار ہوں گی اور کچھ ایسے جنہیں سو نشانیاں درکار ہوں گی لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ایک ہزار نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

”صم بکم عمی فہم لا یرجعون“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 1، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 18)

”یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس یہ نہ پلٹیں گے۔“

بائبل بھی متی کی انجیل میں ان کے بارے میں یہی کہتی ہے:

”میں ان سے تمثیلوں میں اس لیے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔“

(متی، باب نمبر 13، آیت نمبر 13)

علم آیات:

1: جہاں تک ”آبی چکر“ کا تعلق ہے تو اس کے تین مرحلے ہیں۔ آخری مرحلہ ”Driplination“ کہلاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الطارق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والسما ذات الرجوع“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ الطارق، آیت نمبر 11)

”اور قسم ہے پلٹانے والے آسمان کی۔“

تقریباً تمام مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں جو رجوع یا پلٹانے کی بات کی گئی ہے اس سے مراد بارش کو پلٹانے یا بخارات کی صورت میں پانی کے بادلوں میں تبدیل ہونے کی حقیقت ہے۔

جو احباب عربی جانتے ہیں، اس موقع پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بات واضح الفاظ میں بیان کیوں نہیں کی؟ صاف صاف الفاظ میں یہ کیوں نہیں کہا کہ آسمان بخارات کو بارش کی صورت میں پلٹا دیتا ہے۔؟

لیکن آج ہم جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یوں کیوں نہیں فرمایا؟ اسی میں حکمت تھی کیوں کہ آج ہمیں یہ علم ہوا ہے کہ زمین کے اوپر موجود فضائی سطح (Ozonosphere) نہ صرف بخارات اور بادلوں کو بارش کی صورت میں زمین کی طرف پلٹاتی ہے بلکہ زمین سے اوپر جانے والی فائدہ مند حرارت اور قوت کو بھی واپس پلٹاتی ہے جو کہ انسانیت کے لئے فائدہ مند ہیں۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سطح ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کی نشریاتی لہروں کو پلٹانے کا بھی سبب بنتی ہے۔

مزید برآں یہ سطح (Ozonosphere) بیرونی خلا سے آنے والی نقصان دہ شعاعوں کو روکنے اور پلٹانے کا سبب بھی بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورج سے آنے والی بالائے بنفشہ شعاعیں، جنہیں اوزون کی سطح جذب کر لیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین پر حیات ختم ہو سکتی ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ و تعالیٰ عظیم ہے اور بالکل بجا طور پر ارشاد فرماتا ہے:

”وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ“

(القرآن المجید، سورۃ الطارق، آیت نمبر 11)

”اور قسم ہے پلٹانے والے آسمان کی۔“

2: قرآن مجید آبی چکر کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ کرتا ہے۔ جہاں تک بائبل میں آبی چکر کے ذکر کا تعلق ہے، تو بائبل میں فقط آبی چکر کے پہلے اور تیسرے مرحلے کا ذکر ہے۔ یہ ملی ٹس کا فلسفہ ہے جو کہ ساتویں صدی قبل مسیح کا فلسفی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سمندر کی سطح سے بخارات کو ہوا اٹھا کر لے جاتی ہے جو بعد ازاں بارش کی صورت میں برستے ہیں۔ اس فلسفے میں بادلوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

الحمد للہ! قرآن مجید اس آبی چکر کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور وہ بھی متعدد مقامات پر۔ بادلوں کا بننا، ان کی حرکت، ان کا برسنہ اور پھر پانی کی دوبارہ بخارات میں تبدیلی، ان سب مراحل کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں ہمیں آبی چکر کا ذکر ملتا ہے:

سورۃ الروم، آیت نمبر 48

سورۃ النور، آیت نمبر 43

سورۃ الزمر، آیت نمبر 21	سورۃ المومنون، آیت نمبر 18
سورۃ الروم، آیت نمبر 24	سورۃ الحجر، آیت نمبر 22
سورۃ الاعراف، آیت نمبر 57	سورۃ الرعد، آیت نمبر 17
سورۃ الفرقان، آیت نمبر 48-49	سورۃ الفاطر، آیت نمبر 9
سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 5	سورۃ ق، آیت نمبر 9
سورۃ الواقعة، آیت نمبر 68 تا 70	سورۃ الملک، آیت نمبر 30

قرآن مجید کی مندرجہ بالا تمام آیات میں آبی چکر کا تفصیلی اور مکمل کا ذکر موجود ہے۔

سمندروں کی کثافت:

اب ہم سمندروں کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وہو الذی مرج البحرین هذا عذاب فرات و هذا ملح اجاج

و جعل بینہما برزخا و حجرا محجورا“

(القرآن المجید، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 53)

”اور معبود برحق وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، ایک لذیذ و شیریں

دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، ایک رکاوٹ ہے جو انہیں

گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔“

اسی طرح قرآن مجید کی سورۃ رحمان میں ارشاد ہوتا ہے:

”مرج البحرین یلتقیان ۝ بینہما برزخ لا یبغیان ۝“

(القرآن المجید، سورۃ الرحمن، آیت نمبر 19-20)

”دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں۔ ۝ پھر بھی ان کے درمیان

ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔“

قدیم مفسرین قرآن اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے بڑے پریشان ہوتے تھے کہ اس

آیت کا کیا مفہوم بیان کریں۔ انہیں کڑوے اور میٹھے پانی کا تو علم تھا لیکن یہ کہ ایسی کوئی رکاوٹ

ہے یا پردہ ہے جو انہیں آپس میں حل نہیں ہونے دیتا، اس بات کی وضاحت ان کے لئے مشکل

تھی۔ لیکن آج علم بحریات ترقی کر چکا ہے، لہذا ہم جانتے ہیں کہ جب ایک قسم کا پانی دوسری قسم

کے پانی کے ساتھ ملتا ہے تو دونوں کے اجزاء ایک دوسرے میں حل ہوتے ہیں اور یوں ایک طرح کا محلول تیار ہوتا ہے۔ یہ یکساں محلول، جس میں دونوں طرح کے پانی کی خصوصیات موجود ہوتی ہیں، لیکن یہ دونوں طرح کے پانیوں کو الگ الگ بھی رکھتا ہے۔ قرآن مجید اس کے لئے ”برزخ“ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس بات پر متعدد بڑے سائنسدانوں کا اتفاق رائے ہے۔ جن میں امریکہ کے ایک سائنس دان ”Dr. Hay“ بھی شامل ہیں جو کہ بحری علوم کے ماہر ہیں۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ تو ایک عام سی بات ہے اور اُس دور کے ماہی گیر بھی جانتے تھے کہ دو طرح کا پانی ہوتا ہے میٹھا اور کڑوا اور حضرت محمد اپنے سفر شام کے دوران سمندری سفر کے ذریعے یا ان ماہی گیروں کے ساتھ گفتگو کے ذریعے اس صورت حال سے آگاہ ہو سکتے تھے۔ بات قابل قبول نہیں لیکن اگر میں مان لوں تو میٹھے اور کڑوے پانی سے تو واقفیت ہو گئی لیکن ان کی کثافت اور آڑ کا کیسے علم ہو گیا۔ یہ اٹھائیسواں نکتہ ہے، ہم اس کے جواب کے بھی طلب گار ہیں۔

چاند کی روشنی:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

”تَبْرُكُ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا
وَقَمَرًا مَنِيرًا“

(القرآن المجید، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 61)

”بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک
چمکتا چاند روشن کیا۔“

اس آیت میں سورج کو چراغ قرار دیا گیا ہے اور چاند کے لیے لفظ قمر استعمال ہوا ہے۔ قمر کے ساتھ ہمیشہ منیر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی منعکس یا مستعار روشنی کے ہیں۔ سورج کے لئے شمس کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور سورج کو ہمیشہ روشن چراغ ہی قرار دیا گیا ہے۔ میں حوالے پیش کر سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر:

سورۃ نور، آیت نمبر 15 اور 16۔ سورۃ یونس، آیت نمبر 5۔

اور اسی طرح متعدد دیگر آیات۔

ذوالقرنین:

عیسائی سورہ کہف کی آیت نمبر 76 کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے سورج کو گد لے پانی میں ڈوبتے دیکھا۔ سورج کا گد لے پانی میں ڈوب جانا یقیناً غیر سائنسی بات ہے لیکن یہاں عربی لفظ ”وجد“ استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب ہے نظر آنا، پانا۔ سو اللہ سبحانہ و تعالیٰ یہاں فرما رہے ہیں کہ ذوالقرنین کو ایسا نظر آیا، یا اس نے ایسا پایا۔

اگر میں کہوں کہ دوسری جماعت کے ایک بچے نے کہا کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ ”دیدات کہتا ہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں۔؟“ یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ آپ کو بتا رہا ہوں کہ بچہ کیا کہہ رہا ہے۔ میں غلط نہیں کہہ رہا بلکہ وہ بچہ غلط کہہ رہا ہے۔

اس آیت کو سمجھنے کے متعدد طریقے ہیں۔ ایک تو یہی کہ وجد کے معنی پر غور کیا جائے جو کہ ہیں ”نظر آیا“ اور محمد اسد کے بقول دوسرا طریقہ یہ کہ لفظ مغرب کے معانی پر غور کیا جائے۔ عربی کے لفظ مغرب کے دو معانی ہیں۔ ایک تو سمت کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی مغرب کی سمت (West) اور دوسرے وقت کے لئے یعنی غروب آفتاب کا وقت۔

لہذا اگر زیر نظر آیت میں غروب آفتاب کے مقام کی بجائے غروب آفتاب کا وقت مراد لیا جائے مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے۔ متعدد طریقوں سے اس آیت کو سمجھا جاسکتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ عیسائی اس پر اعتراض کریں اور کہیں کہ ہم باتیں فرض کر رہے ہیں اور ہمیں الفاظ کو ان کے ظاہری معانی میں ہی قبول کرنا چاہئے۔ چلیے اس نہج پر تجزیے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جب ہم روزمرہ گفتگو میں سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو کیا ہم واقعی سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔؟ اخبارات میں ہم سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے اوقات دیکھتے ہیں تو اخبارات واقعی سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔؟ سائنسی طور پر ہم سب جانتے ہیں کہ سورج نہ تو نکلتا ہے اور نہ دوہتا ہے۔ دراصل یہ زمین کی گردش ہوتی ہے جس کے سبب ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے تو کیا یہ اخبارات غلط بیانی کر رہے ہوتے ہیں۔؟

جب میں لفظ ”Disaster“ استعمال کرتا ہوں تو میری مراد ایک بڑا حادثہ ہوتی ہے۔ یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے لغوی معانی ”ایک منحوس ستارے“ کے ہوتے ہیں تو کیا جب یہ لفظ استعمال کیا جائے تو ہمیں اس کے لغوی معانی ہی مراد لینے چاہئیں۔؟

ڈاکٹر حضرات بعض اوقات پاگل شخص کے لئے ایک لفظ استعمال کرتے ہیں "Lunatic" اس لفظ کے لغوی معانی ہوتے ہیں "Struck by the Moon" تو کیا ہم اس لفظ کو اس کے لغوی معانی ہی میں استعمال کرتے ہیں؟

لیکن بات یہ ہے کہ زبان کا ارتقاء اسی طرح ہوا ہے۔ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کو بھی اسی طرح دیکھنا اور سمجھنا چاہئے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورہ کہف کی اس آیت میں سورج کے ڈوبنے سے کیا مراد ہے؟ یہاں کوئی بات سائنس کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:

اہل یورپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ سورہ سبا کی اس آیت کا حوالہ دیتے:

”فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ الا دابة الارض
تا کل منساتہ فلما خرت بینت الجن ان لو كانوا یعلمون الغیب
مالبثو فی العذاب المہین“

(القرآن المجید، سورہ سبا، آیت نمبر 14)

”پھر جب سلیمان علیہ السلام پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز اس گھن کے سوانہ تھی جو اس کے عصا کو کھارہا تھا اس طرح جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“

اس آیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص چھڑی کے سہارے کھڑا ہو، وہ فوت ہو جائے اور کسی کو پتہ ہی نہ چلے؟

اس آیت کریمہ کی وضاحت بھی متعدد طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور یہ ان کا ایک معجزہ ہو سکتا ہے۔ جب بائبل یہ کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور یہ کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ناقابل یقین ہوتی ہے۔ آپ خود بتائیے کسی مردے کا زندہ کر دینا اور بغیر باپ کے پیدا ہونا زیادہ حیرت انگیز

ہے یا کسی مردہ شخص کا چھڑی کے سہارے کھڑے رہنا۔؟

سواگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے معجزات ظاہر فرما سکتا ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے کیوں نہیں فرما سکتا۔؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر میں راستہ بن جاتا ہے اور ان کا عصا اژدھے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ بائبل یہ بتاتی ہے، قرآن بھی یہی بتاتا ہے۔ سواگر اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام والا واقعہ کیوں ممکن نہیں ہے۔؟

متعدد دیگر تاویلات بھی ممکن ہیں کیوں کہ قرآن مجید یہ تو کہہ ہی نہیں رہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ”بہت طویل عرصے“ تک چھڑی کے سہارے کھڑے رہے تھے..... سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

”افلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافًا كثيرًا“

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔“

آپ کسی بھی نقطہ نظر سے قرآن مجید کا مطالعہ کریں۔ اگر آپ کا طریقہ کار منطقی ہے تو آپ قرآن مجید میں کہیں بھی تضاد اور اختلاف نہیں پائیں گے اور نہ ہی قرآن مجید کی کوئی آیت مصدقہ سائنسی حقائق کے خلاف ہوگی۔

دودھ بننے کا عمل:

اہل یورپ دودھ بننے کے عمل کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کے محققین نے سورۃ النحل کی آیت کے حوالے سے اعتراض کیا ہے۔ سب سے پہلا شخص جس نے دوران خون کا عمل دریافت کیا وہ ابن نفیس تھا۔ اس نے یہ دریافت نزول قرآن کے چھ سو سال بعد کی تھی اور ابن نفیس کے بھی چار سو سال بعد ولیم ہاروی کے ذریعے یہ بات اہل مغرب کے علم میں آئی یعنی نزول قرآن کے ہزار سال بعد۔

جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ معدے اور آنتوں میں ہضم ہوتی ہے۔ ہضم کے بعد خوراک کے

اجزا دوران خون کے ذریعے جسم کے مختلف اعضاء تک پہنچتے ہیں۔ جگر کا فعل بھی اس عمل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ دوران خون کے اس عمل کے ذریعے ہی غذائی اجزا دودھ پیدا کرنے والے غدودوں تک بھی پہنچتے ہیں۔

قرآن مجید، مسلم سائنسدان ”ابن نفیس“ کے دوران خون کا نظام بیان کرنے سے چھ سو (600) سال قبل اور ”ولیم ہاروے“ کے مغربی دنیا کو یہ علم پہنچانے سے ایک ہزار (1000) سال پہلے نازل ہوا تھا۔ یہ بات تیرہ صدیاں پہلے معلوم ہوئی کہ آنتوں میں کون سا عمل اس بات کا باعث بنتا ہے کہ نظام انہضام میں ہونے والے انجذاب کے عمل سے اعضاء کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت جس میں دودھ کے اجزاء کے ماخذ کی وضاحت کی گئی ہے وہ اس خیال کے بالکل حسب حال ہے۔ مندرجہ بالا تصورات سے متعلق قرآنی آیت کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ آنتوں کے اندر کیمیائی عملیات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ وہاں سے ہضم شدہ غذا میں اخذ کیے گئے اجزاء ایک پیچیدہ نظام کے ذریعے خون کے بہاؤ میں شامل ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اپنی مخصوص کیمیائی ترکیب کی بنا پر بذریعہ جگر وہ خون میں شامل ہوتے ہیں۔ خون انہیں تمام جسمانی اعضاء تک پہنچاتا ہے۔ جن میں دودھ پیدا کرنے والے ”Mammary Glands“ بھی شامل ہیں۔ سادہ الفاظ میں آنتوں کے مواد میں سے کچھ اجزاء آنتوں ہی کی دیوار سے خون کی نالیوں میں داخل ہوتے ہیں اور دوران خون کے ذریعے یہ اجزاء مختلف اعضاء کو پہنچائے جاتے ہیں۔ اگر ہم درج ذیل آیات قرآنی کو سمجھنا چاہتے ہیں تو افعال الاعضاء کا یہ تصور مکمل طور پر سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونہ من بین

فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشربین“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 66)

”اور بیشک تمہارے لیے چوپائے عبرت گاہ ہیں ہم تمہیں پلاتے ہیں دودھ خالص

اس سے جو گوبر اور خون کے درمیان ان کے پیٹوں میں ہے، پینے والوں کیلئے

خوشگوار۔“

مزید ارشاد ربانی ہے:

”وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونہا ولکم

فیہا منافع كثيرة ومنہا تا کلون ۵

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومن)، آیت نمبر 21)

”اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں مقام عبرت ہے، ہم تمہیں ان سے

پلاتے ہیں (دودھ) جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں (اور)

بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کا گوشت) تم کھاتے ہو۔ ۵“

گائے میں دودھ پیدا ہونے کے حوالے سے قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیلات حیرت انگیز

حد تک جدید فعلیات سے مکمل ہم آہنگ ہیں جس نے اس حقیقت کو کچھ عرصہ قبل ہی دریافت کیا

ہے۔

حمد وثنا اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں قرآن مجید کے ذریعے چودہ سو سال پہلے ہی ان

حقائق کا علم دیا جن کے بارے میں جدید سائنس آج انکشافات کر رہی ہے۔

جانوروں اور پرندوں کے گروہ:

اہل یورپ نے حیوانوں کے گروہوں میں رہنے کے حوالے سے بھی ایک نکتہ اٹھایا ہے۔

متعلقہ آیت کریمہ قرآن مجید کی سورۃ الانعام میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وما من دابة فی الارض ولا طیر یطیر بجناحہ الا امم

امثالکم ما فرطنا فی الکتب من شیء ثم الی ربهم

یحشرون ۵“

(القرآن المجید، سورۃ الانعام، آیت نمبر 38)

”نہیں ہے کوئی زمین میں چلنے والا جانور اور نہ ہوا میں پروں سے اڑنے

والا جانور مگر وہ تمہاری طرح کی ہی انواع ہیں، ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں

کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائے

گے۔ ۵“

قرآن مجید تو یہ کہہ رہا ہے اور عیسائی اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ مکڑی اپنے نر کو

ہلاک کر دیتی ہے اور ”شیر“ یوں کرتا ہے اور ہاتھی یوں کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

وہ رویوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں، قرآن مجید رویے کی بات ہی نہیں کر رہا۔ اگر

اہل کتاب قرآن مجید کی بات نہیں سمجھ پائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید کی بات غلط ہے۔ قرآن مجید یہ کہہ رہا ہے کہ یہ انواع ہیں تمہاری طرح یعنی جانوروں اور پرندوں کے بھی انسانوں کی طرح گروہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ان کے رویوں کی بات نہیں کر رہا اور آج جدید سائنس بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ جانور اور پرندے بھی ہماری طرح گروہوں کی صورت میں ہی رہتے ہیں۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 7، سورۃ نمبر 6 (الانعام)، آیت 38)

”اور زمین میں کوئی جانور نہیں اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر (ان کی بھی) تمہاری طرح امتیں (گروہ) ہیں۔“

موجودہ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ چند و پرند گروہوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ وہ منظم طریقے سے اکٹھے کام کرتے اور رہتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

”الْمُيَسَّرُونَ إِلَى الطَّيْرِ مَسْخَرَتٌ فِي جُودِ السَّمَاءِ مَا يَمْسِكُهُنَّ إِلَّا

اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 79)

”کیا وہ نہیں دیکھتے پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں حکم کے پابند ہیں، انہیں اللہ کے

سوا کون تھام سکتا ہے؟ بیشک اس میں ایمان لانے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔“

ایک اور آیت جو کہ پرندوں سے متعلق ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

”وَلَمْ يَرْوِ إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفْتٌ وَ يَقْبِضُنَّ مَا يَمْسِكُهُنَّ إِلَّا

الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 67 (الملک)، آیت نمبر 19)

”کیا وہ نہیں دیکھتے اپنے اوپر پرندوں کو پر پھیلاتے اور سکیڑتے، انہیں اللہ کے سوا

کوئی نہیں تھام سکتا، بیشک وہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے۔“

”یسسک“ کے لغوی معنی ”کسی کو ہاتھ سے اٹھائے رکھنا، تھامنا، روکنا یا کسی کو پکڑے رکھنا کے ہیں۔“ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ اپنی قوت سے پرندوں کو ہوا میں اٹھائے رکھتا ہے۔ یہ آیات اس قانون پر زور دیتی ہیں جس کا پرندوں کی اڑان سے گہرا تعلق ہے۔ جدید سائنس نے بعض پرندوں کی اقسام کا جائزہ یکسر ان کی اڑان میں کاملیت کا موجب ان میں کی گئی پروگرامنگ کو ٹھہرایا ہے۔

پرندوں کے جنیاتی کوڈ کی موجودگی ہی اس بات کی وضاحت کر سکتی ہے کہ ایک بالکل نوجوان پرندہ نہایت پیچیدہ سفر کرنے کے قابل ہوتا ہے اور یہ محض نقل مکانی کے پروگرام ”migratory Programme“ کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ ایک خاص تاریخ کو واپس اپنے چلنے کے مقام پر لوٹنے کے اہل ہوتے ہیں۔ ”Prof. Hamburger“ نے اپنے کتاب ”Power and Fragility“ میں ”Mutton Bird“ کی مثال دی ہے جو بحر الکاہل کے علاقوں کا مکین ہے۔ یہ ”24000km“ کا سفر 8 کے ہندسے کی شکل میں طے کرتا ہوا چھ ماہ بعد ٹھیک اسی مقام پر واپس پہنچتا ہے جہاں سے اس نے اڑان بھری ہوتی ہے اور اس عرصہ میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی تاخیر ممکن ہے۔ اس پیچیدہ سفر کی تفصیلات لازماً اس پرندے کے اعصابی خلیوں میں موجود ہوتی ہے جو کہ اس کو اس سفر کا اہل بناتی ہیں۔ وہ یقیناً پروگرام شدہ ہیں، لہذا کیا ہمیں اس پروگرامر کی پہچان پر غور نہیں کرنا چاہیے؟

شہد کی مکھی اور اس کا جوہر:

ارشاد خدا نا زا ہے:

”وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنْ اتَّخِذِ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُونَ ۝ ثُمَّ کَلٰی مِنْ کُلِ الثَّمَرَاتِ فَاَسْلٰکِیْ سَبِلَ رَبُّکَ ذٰلَکَ“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 68-69)

”اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور اس جگہ جہاں وہ چھتریاں بناتے ہیں۔ پھر کھا ہر قسم کے پھل، پھر اپنے رب

کے نرم و ہموار راستوں پر چل۔“

"Von-Frisch" نے 1973ء میں شہد کی مکھیوں کے انداز و اطوار اور خبر رسانی کے طریقوں پر تحقیق کر کے نوبل پرائز حاصل کیا۔ جب شہد کی مکھی کوئی نیا باغ یا پودا دریافت کرتی ہے تو وہ واپس جا کر اپنی ساتھی مکھیوں کو درست سمت اور پہنچنے کا نقشہ بتاتی ہے۔ اس عمل کو "Bee Dance" "مکھی کا رقص" کہا جاتا ہے۔

حشرات کی ان حرکات کو سمجھنے کیلئے سائنسی ذریعہ سے یعنی فوٹو گرافی اور دوسرے ذرائع سے مدد لی گئی ہے اور یہ دریافت کیا گیا ہے کہ وہ کیسے اطلاعات ایک دوسرے کو منتقل کرتی ہیں۔ قرآن مجید اور پر بیان کی گئی آیت میں بتاتا ہے کہ کیسے مکھیاں مہارت کی بنا پر باہم اطلاعات کا تبادلہ کرتی ہیں۔

اور پر بیان کی گئی آیت میں مادہ جنس کو مخاطبِ سخن بنایا گیا ہے، یعنی اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مکھی جو خوراک کی تلاش میں گھر چھوڑتی ہے وہ مادہ شہد کی مکھی ہے، یعنی کام کرنے والی مکھی مادہ جنس سے تعلق رکھتی ہے۔

شیکسپیر کے ڈرامے (Henry The Fourth) میں بعض اداکار شہد کی مکھیوں کے متعلق بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مکھیاں سپاہی ہوتی ہیں اور ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ یہ وہ سوچ ہے جو لوگ شیکسپیر کے زمانے میں رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مکھیاں کام کرنے والی ہیں اور وہ واپس گھر جا کر بادشاہ مکھی کو جوابدہ ہوتی ہیں۔ یہ بہر حال سچ نہیں ہے۔ کام کرنے والی مکھیاں مادہ ہیں اور وہ بادشاہ مکھی کے بجائے ملکہ مکھی کو جوابدہ ہوتی ہیں لیکن جدید تحقیق کو یہ بات دریافت کرتے ہوئے پچھلے تین سو (300) سال لگے۔

شہد کی مکھی مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں کا رس چوستی ہے اور اس رس کو اپنے جسم میں شہد بنا کر موم کے چھتے کے کانوں میں ذخیرہ کرتی ہے۔ محض دو صدیاں قبل انسان کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ شہد مکھی کے پیٹ سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہ حقیقت چودہ سو سال پہلے قرآن مجید نے درج ذیل آیت میں بیان فرمادی تھی:

”يَخْرُجُ مِنْ بَطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلَفٌ لَوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 69)

”شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد) اس کے رنگ

مختلف ہیں، اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے۔“

”دنیا کو کچھ عرصہ قبل ہی اس بات سے آگاہی حاصل ہوئی ہے کہ شہد میں شفا کی خصوصیات ہیں اور یہ ایک معتدل دافع عفونت (Mild Antiseptic) بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روسی فوجی اپنے زخموں پر شہد لگایا کرتے تھے جس سے زخم میں نمی رہتی اور وہ تندرست ہونے کے بعد بہت کم نشان چھوڑتے۔ شہد کی کثافت کے باعث "Fungus" اور بیکٹیریا زخم میں پنپ نہیں سکتے۔ انگلینڈ کے شفا خانوں میں سینے کے امراض اور "Alzheimer's" جیسی ناقابل علاج بیماریوں میں مبتلا چوبیس مریضوں میں بڑی ڈرامائی بہتری نظر آئی جن کا علاج ایک عیسائی راہبہ "Sister Carole" نے "Propolis" نامی مادے سے کیا تھا جو کہ ایسا مادہ ہے جسے شہد کی مکھیاں چھتے کو بیکٹریا سے بچانے کی خاطر لپ کرنے کیلئے پیدا کرتی ہیں۔“

کسی خاص درخت سے الرجی رکھنے والے شخص کو اسی درخت کا شہد دیا جاسکتا ہے تاکہ وہ شخص اس الرجی کے خلاف قوت مدافعت پیدا کر سکے۔ شہد میں "Fructose" اور "Vitamin K" بھی کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔ شہد، شہد کی اصلیت اور اس کی خصوصیات کا علم جو قرآن مجید میں موجود ہے وہ اس کے نزول کے صدیوں بعد انسان نے دریافت کیا ہے۔

مکڑی کا جالا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مثل الذين اتخذوا من دون الله اولياء كمثل العنكبوت اتخذت بيتا وان وهن البيوت لبيت العنكبوت لو كانوا يعلمون“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 41)

”جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود بنالئے ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے، اس نے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے، کاش وہ جانتے۔“

قرآن مجید مکڑی کے جالے کی کمزوری اور ناپائیداری کی مثال دینے کے علاوہ ایک اور بات پر بھی زور دیتا ہے اور وہ ہے مکڑی کے گھر کے تعلق کی ناپائیداری، جہاں مادہ مکڑی اکثر اوقات اپنے ساتھ مکڑی کو مار ڈالتی ہے۔

یہ مثال ان لوگوں کی کمزوریوں کا حوالہ دیتے ہوئے بھی پیش کی گئی ہے جو دنیا اور آخرت میں کامرانی حاصل کرنے کیلئے اللہ کی بجائے بتوں وغیرہ سے یہ امید وابستہ کرتے ہیں۔

میں بائبل کے حوالے سے بہت سی باتیں کر سکتا ہوں لیکن جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے میں اہل یورپ کی جانب سے اٹھائے گئے تمام نکات کا جواب دے چکا ہوں۔ الحمد للہ! کوئی ایک نکتہ بھی ایسا نہیں بچا جس سے قرآن مجید کا سائنس کے خلاف ہونا ثابت ہو۔ اہل یورپ نے ہمارے اٹھائے ہوئے نکات میں سے ایک کا جواب بھی نہیں دیا، لہذا یہ سب نکات ثابت کرتے ہیں کہ موجودہ بائبل جدید سائنس سے مطابقت نہیں رکھتی۔

اسلام اور ارتقاء:

جب آپ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو ڈارون کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک جہاز میں جس کا نام ایچ ایم ایچ بیگل تھا، ایک سفر پر نکلا، جزائر میں گیا، وہاں اس نے مشاہدات کئے اور اس کے نتیجے میں قدرتی چناؤ کا نظریہ وضع کیا۔

لیکن اس نے اپنے ایک دوست تھامس تھا مپٹن کو ایک خط لکھا جس میں اس نے کہا کہ میں ”قدرتی چناؤ کے نظریے کے لئے کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکتا، لیکن چوں کہ اس سے مجھے مدد ملتی ہے لہذا میں نے اسے اپنا لیا ہے۔“

ڈارون کا نظریہ محض ایک نظریہ ہے۔ کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے اور میں نے اپنی گفتگو کی ابتدا میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ قرآن نظریات اور مفروضوں کے خلاف ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ نظریات بعض اوقات بالکل ہی اُلٹے ہو جایا کرتے ہیں، لیکن آپ قرآن اور کسی ثابت شدہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں پائیں گے۔

ہمارے اسکولوں میں ڈارون کا نظریہ اس طرح پڑھایا جا رہا ہے جیسے یہ کوئی ثابت شدہ حقیقت ہو۔ حالانکہ یہ نظریہ ہرگز ثابت شدہ نہیں۔ اس کا کوئی سائنسی ثبوت موجود نہیں اور پھر یہ کہ

بہت سی کڑیاں گم شدہ ہیں۔

یہ وجہ ہے کہ ہم نے کسی دوست سے مذاق کرنا ہو یا اس کی تضحیک کرنی ہو تو کہتے ہیں کہ ”اگر تم ڈارون کے وقت میں ہوتے تو اس کا نظریہ درست ثابت ہو جاتا۔“ جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ بندر نما ہے۔ میں ان چاروں طرح کے فوسلز کے بارے میں جانتا ہوں جو دستیاب ہیں لیکن اس کے باوجود کئی کڑیاں گمشدہ ہیں۔

حیاتیات کے بارے میں قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے:

”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

”اور (ہم نے) پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔“

عصر حاضر کے اکثر انسان جانتے ہیں کہ ہر زندہ مخلوق کی بنیادی اکائی خلیہ ہے اور خلیہ بیش تر سائٹوپلازم پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ تقریباً نوے فیصد پانی ہوتا ہے۔ ہر زندہ مخلوق پچاس فی صد سے نوے فی صد پانی پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیا عرب کے صحراؤں میں کسی کو یہ اندازہ ہو سکتا تھا یا ایسا خیال بھی آسکتا تھا کہ ہر زندہ چیز پانی سے بنی ہے۔؟ لیکن قرآن مجید تو یہ حقیقت چودہ سوئس (1430) سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے بیان کر چکا ہے۔

متن اور ترجمہ میں فرق:

کیا متن اور ترجمہ ایک ہی چیز ہے۔؟ اگر نہیں تو کیا موجودہ انگریزی بائبل وہی انجیل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی۔؟

”متن“ اور ”ترجمہ“ دو مختلف الفاظ ہیں۔ جو دو مختلف معانی رکھتے ہیں، لہذا سائنسی طور پر آپ ایک متن اور اس کے ترجمے کو ایک ہی چیز قرار نہیں دے سکتے۔ کیا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وحی انگریزی زبان میں نازل ہوئی تھی۔؟ یہ ایک بہت اچھا سوال ہے کہ کیا متن اور ترجمہ ایک ہی چیز ہو سکتے ہیں۔؟ جواب ہے:

”نہیں“ متن اور ترجمہ کبھی ایک چیز نہیں ہو سکتے۔ ترجمہ متن کے قریب ترین ہو سکتا ہے لیکن متن کا نعم البدل کبھی نہیں ہو سکتا۔

ترجمے کے لحاظ سے دنیا کی سب سے مشکل کتاب قرآن مجید ہے کیونکہ قرآن مجید کی زبان

اس قدر بلیغ ہے، اس قدر بلند ہے اور اس قدر عظیم ہے کہ اس کا ترجمہ مشکل ترین کام ہے۔ ایک ایک لفظ کے متعدد معانی ہیں۔ اگر ترجمے میں کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو یہ انسانی کام ہے لہذا وہ انسانی غلطی ہوگی اور ترجمہ کرنے والا اس کے لئے مورد الزام ہوگا نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

بائبل انگریزی میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ عہد نامہ قدیم عبرانی زبان میں تحریر ہوا تھا جب کہ عہد نامہ جدید یونانی زبان میں۔ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے لیکن انجیل کا مسودہ یونانی زبان میں ہے۔ اصل عبرانی مسودہ دستیاب نہیں ہے۔ بلکہ کیا آپ جانتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم کا عبرانی متن بھی دراصل یونانی زبان سے دوبارہ عبرانی ترجمہ ہے یعنی عہد نامہ قدیم کا اصل عبرانی متن بھی دستیاب نہیں ہے۔ لہذا یہاں دوہرا مسئلہ ہے۔ چنانچہ اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ اس میں بہت سی اغلاط موجود ہیں۔

لیکن قرآن مجید کا معاملہ الحمد للہ! یہ ہے کہ اصل عربی متن محفوظ ہے۔ آپ سائنسی حور پر ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ اصل متن ہے۔ ہمارا یقین اسی بات پر ہے جو قرآن مجید میں کردی گئی ہے:

”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رِسَالًا مِنْ قَبْلِكَ“

(القرآن المجید، سورۃ الرعد، آیت نمبر: 38)

”تحقیق ہم نے آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی رسول بھیجے۔“

ہمارا ایمان ہے کہ ان رسولوں پر کتابیں بھی نازل ہوئی تھیں۔ جن میں سے چار کے ناموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے یعنی تورات مقدس، زبور مقدس، انجیل مقدس اور قرآن مجید۔

تورات سے مراد وہ وحی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جبکہ قرآن مجید وہ آخری اور سارے جہانوں کی ہدایت والی وحی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، لیکن موجودہ بائبل ہرگز وہ تورات و انجیل نہیں ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھی۔

قرآن مجید کے تاریخی معجزے

فرعون اور ہامان:

قرآن مجید نے کئی تاریخی معجزات پیش کیے جن کا علم نزول قرآن کے وقت نہ تھا۔ ان معجزات میں سے چند ایک ملاحظہ کیجئے:

قرآن کریم میں قدیم مصر کے بارے میں دی گئیں معلومات بہت سارے تاریخی حقائق کا انکشاف کرتی ہیں، یہ معلومات آج تک ہم سے پوشیدہ رہیں۔ یہ حقائق ہم پر منکشف کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ حتمی دانش کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

”ہامان“ ایک ایسا کردار ہے جس کا نام قرآن کریم میں ”فرعون“ کے نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں چھ مقامات پر ہامان کا ذکر فرعون کے نزدیک ترین لوگوں میں کیا گیا ہے۔

حیران کن بات ہے کہ ہامان کا نام تورات کے ان حصوں میں کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے، کہیں پر بھی نہیں پایا جاتا۔ جبکہ عہد نامہ قدیم کے آخری ابواب میں ہامان کا ذکر بابل کے ایک (Babylonian) بادشاہ کے مددگار کے طور پر آتا ہے۔ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً گیارہ سو سال بعد بنی اسرائیل پر بہت ظلم ڈھائے۔

کچھ غیر مسلم جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات اور انجیل سے نقل کر کے قرآن لکھا تھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں میں درج کچھ موضوعات قرآن مجید میں غلط طور پر منتقل کر دیئے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

ان دعوؤں کی نامعقولیت اور بیہودگی کا بھانڈہ اس وقت پھوٹا جب قدیم مصری علاماتی تحریر (Hieroglyphic Alphabet) دو سو سال پہلے پڑھ لی گئی اور نام ”ہامان“ ان کی قدیمی دستاویزات میں دریافت ہوا۔

ان دریافتوں سے پہلے قدیم مصری تحریرات اور کتبہ جات سمجھے نہیں جاسکتے تھے۔ قدیم مصری زبان علاماتی زبانی تھی جو زمانوں تک زندہ رہی، مگر دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت اور دیگر ثقافتی اثرات کے غلبے کے باعث مصر نے اپنے پرانے عقائد کے ساتھ اپنی علاماتی تحریر بھی ترک کر دی۔ تب یہ زبان ایسے بھلا دی گئی کہ کوئی بھی ایسا شخص نہ رہا جو اسے پڑھ اور سمجھ سکتا۔ یہ صورت حال تقریباً دو سو سال پہلے تک قائم رہی۔

قدیم مصری علاماتی تحریر کا راز 1799ء میں اس وقت کھلا جب 196 قبل مسیح کے دور سے تعلق رکھنے والی ایک لوح (Tablet) جسے ”روزٹا سٹون“ (Rosetta Stone) کہتے ہیں، دریافت ہوئی۔ اس کتبے کی خاص بات اس پر بیک وقت تین مختلف قسم کی تحریروں کی موجودگی تھی۔ علاماتی یا تصویری (Hieroglyphic)، قدیم مصری سادہ علاماتی تحریر اور یونانی

(Greek)۔ اس لوح پر موجود یونانی تحریر کی مدد سے قدیم مصری تحریر پڑھی گئی۔ اس لوح پر موجود تحریر کا ترجمہ ایک فرانسیسی ”جین فنانکوئی شمپولین“ (Jean.Frnacoise Champollion) نے مکمل کیا۔ اس طرح ایک بھولی بھنگی زبان اور اس میں موجود واقعات دنیا کے سامنے آئے۔ یوں اس تہذیب، مذہب اور سماجی زندگی کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ دستیاب ہوا۔

تصویری زبان (Hieroglyphic) کو سمجھ لینے کے بعد معلومات کا ایک اہم حصہ دستیاب ہوا کہ ”ہامان“ کا نام واقعی قدیم مصری تحریرات میں درج تھا۔ یہ نام ”ویانا“ (Vienna) کے ”ہوف عجائب گھر“ (Hof Museum) میں موجود ایک یادگار سے تعلق رکھتا ہے۔

قدیم کتبہ جات و تحریرات پر موجود مواد پر مشتمل ایک ڈکشنری جس کا نام ”پپیل ان دی نیو کنگڈم“ (People in the New Kingdom) ہے، میں ہامان کا ذکر ”پتھر کی کانوں کے مزدوروں کے سربراہ“ کے طور پر کیا گیا ہے۔

چنانچہ اس طرح ایک حقیقت یہ سامنے آتی ہے۔ قرآن کریم کے مخالفین کے غلط دعوؤں کے برعکس، ہامان وہ شخص تھا جو مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں گزرا، وہ فرعون کا معتمد تھا اور تعمیراتی کاموں میں مصروف عمل رہتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا۔

مزید برآں قرآن مجید میں وہ آیت جس میں اس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے اور ہامان کو فرعون ایک مینار تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے، اس قدیم تاریخی (آثار یاتی) دریافت کے عین مطابق ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي فَأَوْقَدْ لِي يَهَا مِنْ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَا ظَنُّهُ مِنَ الْكَذِبِ بَيْنَ ۝“

”اور فرعون نے کہا کہ اے اہل دربار! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا بھی تمہارا کوئی خدا ہو، اے ہامان! میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کرائیشیں پکوا) دو پھر ایک (اونچا) محل بنوادو تا کہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا

سمجھتا ہوں۔“

(القرآن الکریم، سورہ القصص، آیت نمبر 38)

مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہامان کے نام کا قدیم مصری تحریرات میں پایا جانا نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کے مخالفین کے جعلی دعوؤں کو باطل ثابت کر دیتا ہے بلکہ ایک بار پھر یہ ثبوت مہیا کرتا ہے کہ قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اللہ رب العالمین کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ ایک معجزانہ انداز میں قرآن مجید ہمیں تاریخی معلومات مہیا کرتا ہے۔ جنہیں عہد نبوی علیٰ صاحبہا السلام میں نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

فرعون اور ملک کا لقب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کی زمین میں رہنے والے واحد پیغمبر نہ تھے بلکہ اور بھی کئی نبی مصر میں رہے۔ ان میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے کافی پہلے گزرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات پڑھتے ہوئے چند باتوں کا موازنہ کرنا ضروری ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے مصری حکمرانوں کو خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید ”ملک“ (بادشاہ) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَقَالَ الْمَلِكُ اَتْتُونِي بِهِ استخلصه لنفسی فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ
اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اٰمِنٌ“

”اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مشیر خاص بناؤں گا
پھر جب اُن سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور
صاحب اعتبار ہو۔“

(القرآن الکریم، سورہ یوسف، آیت نمبر 54)

حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے برعکس قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں حکمران کے لیے ”ملک“ کی بجائے ”فرعون“ کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

”وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ فِیْنٰی فُسِّلَ بِنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اِذْ

جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَا ظَنُّكَ يَمْوَسَىٰ مَسْحُورًا ۝“
 ”اور ہم نے موسیٰ کو نوکھلی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے دریافت کر لو کہ جب وہ
 اُن کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر
 جادو کیا گیا ہے۔“ ۝

(القرآن الکریم، سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 101)

آج جو تاریخی ریکارڈ دستیاب ہے اس سے ان حکمرانوں کے لئے استعمال ہونے والے
 مختلف القابات و خطابات کے اسباب کا پتا چلتا ہے۔ لفظ ”فرعون“ حقیقتاً قدیم مصر میں شاہی
 خاندان کو دیا گیا لقب تھا۔ پرانی شہنشاہت کے حکمران یہ خطاب استعمال نہیں کرتے تھے۔
 حکمرانوں کے لئے لفظ فرعون کا استعمال مصری تاریخ کے عہد ”سلطنت نو“ سے پہلے شروع نہیں
 ہوا تھا۔ یہ عہد اٹھارویں شہنشاہت (1539 تا 1696 قبل مسیح) سے شروع ہوا اور بیسویں
 شہنشاہت (730 تا 945 قبل مسیح) تک لفظ ”فرعون“ تعظیم کے خطاب اور لقب کے طور پر
 استعمال ہوتا رہا۔ لہذا قرآن مجید کی معجزاتی حیثیت ایک بار پھر یہاں نمایاں ہو جاتی ہے۔ حضرت
 یوسف علیہ السلام پرانی بادشاہت کے عہد میں تھے لہذا اُس دور کے مصری حکمرانوں کے لئے لفظ
 ”فرعون“ کی بجائے لفظ ”ملک“ کا استعمال کیا گیا۔ جبکہ اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام
 چونکہ نئی بادشاہت کے عہد میں رہے۔ لہذا اُس وقت کے مصری حکمران کو ”فرعون“ کہہ کر مخاطب
 کیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس فرق کو جاننے کے لئے آدمی کو مصر کی تاریخ کا علم ہونا چاہئے،
 مگر قدیم مصر کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی تک قطعی بھلائی جا چکی تھی کہ انیسویں صدی عیسوی میں
 اس کی دوبارہ دریافت تک یہ تحریر کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کے نزول کے وقت
 مصری تاریخ کے بارے میں کوئی گہرا علم دستیاب نہ تھا۔ یہ حقیقت قرآن مجید کے ان لا تعداد
 ثبوتوں میں سے ایک اور ثبوت ہے کہ قرآن مجید اللہ رب العالمین کا کلام ہے۔

بائبل اور قرآن میں تضادات

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ

اختلاف کثیر

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو

اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔“

لہذا قرآن مجید میں تو تضاد کی کوئی بھی مثال موجود نہیں ہے اور جہاں تک سوال ہے بائبل کا، تو صورت حال یہ ہے کہ بائبل کے تضادات گنوانے کے لیے ہزار صفحے بھی کم ہیں۔

دہریے کے لیے قرآن مجید کے سائنسی دلائل

خدا پر یقین رکھنے والے لوگوں کی اکثریت کا معاملہ اندھے ایمان کا ہوتا ہے۔ ایک شخص بالعموم اس لئے عیسائی ہوتا ہے کیونکہ وہ پیدا ہی عیسائی کے گھر میں ہوا تھا۔ یا اس لئے ہندو ہوتا ہے کہ وہ ہندو کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ کچھ مسلمان بھی محض اس لئے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور ان کے والدین مسلمان تھے۔ بیش تر لوگ ایک اندھا عقیدہ رکھتے ہیں۔

دہریے مبارکباد کے مستحق ہیں کیونکہ وہ اندھی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہر چیز کو عقل کے زاویے پر پرکھتے ہیں۔ ایک لامذہب سوچتا ہے کہ اگر وہ ایک مذہبی گھرانے سے بھی تعلق رکھتا ہے تو پھر بھی وہ سوچتا ہے کہ ”یہ لوگ کیسے خدا پر ایمان رکھتے ہیں؟ ایک ایسے خدا پر جو انسانی خصوصیات رکھتا ہے؟ وہ خصوصیات جو مجھ میں بھی موجود ہیں؟ میں ایسے خدا پر کیوں ایمان لاؤں؟“ لہذا وہ اعلان کرتا ہے کہ خدا موجود ہی نہیں۔ یوں وہ خدا کی ہستی کا انکار کر دیتا ہے۔

میں دہریے کو اس لئے مبارکباد دے رہا ہوں کہ وہ کلمہ شہادت کے پہلے حصے کو قبول کر چکا ہے۔ وہ ”لا الہ“ کو تسلیم کر چکا ہے۔ اب اسے صرف ”الا اللہ“ کو تسلیم کرنا ہے۔ جس کے حوالے سے ہم انشاء اللہ! گفتگو کریں گے۔ وہ کلمے کے پہلے حصے کے حوالے سے غور و فکر کر چکا ہے۔ وہ خدا کے کسی غلط تصور کو تسلیم نہیں کرتا، لہذا اب یہ ہمارا فرض ہے کہ خدا کا صحیح تصور اس کے سامنے پیش کریں اور خدائے واحد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وجود اس پر ثابت کریں۔

جب بھی کوئی دہریہ میرے سامنے یہ کہتا ہے کہ میں خدا پر ایمان نہیں رکھتا تو میں اس سے یہ

سوال کرتا ہوں:

”یہ بتاؤ تمہارے نزدیک خدا کی تعریف کیا ہے۔؟“

اور اسے جواب دینا پڑتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کیوں۔؟ فرض کیجئے! میں کہتا ہوں!

”یہ ایک قلم ہے۔“

اور آپ کہتے ہیں:

”یہ ایک قلم نہیں ہے۔“

تو پھر ضروری ہے کہ آپ جانتے ہوں کہ قلم کہتے کسے ہیں۔ آپ کو قلم کی تعریف معلوم ہونی

چاہئے۔

اگر عام حالات میں آپ کو قلم کی تعریف معلوم نہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ”یہ قلم نہیں ہے“ تو پھر ضروری ہے کہ آپ جانتے ہوں کہ قلم کہتے کسے ہیں؟ قلم کی تعریف کیا ہے۔؟

اسی طرح ایک دہریہ شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ”خدا نہیں ہے“ تو اسے یہ علم ہونا چاہئے کہ خدا کہتے کسے ہیں؟، لفظ ”خدا“ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ اور جب میں اس دہریے سے یہ سوال کرتا ہوں تو وہ مجھے جواب دیتا ہے۔

”ان لوگوں کو دیکھیں، یہ لوگ کس کو پوج رہے ہیں؟ ایک ایسی ہستی کو جو انسانی خصائص رکھتی ہے۔ میں ایسے خدا پر یقین نہیں رکھتا۔“

کچھ لوگ خدا کا غلط تصور رکھتے ہیں۔ ایک دہریہ اس تصور کو رد کرتا ہے لیکن میں بحیثیت مسلمان بھی اس تصور کی تائید نہیں کرتا۔ میں بھی اس غلط تصور خدا کو رد کرتا ہوں۔ یہ ”لا الہ“ کا مرحلہ ہے۔ لیکن جس وقت میں یہاں تک اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس وقت میرا فرض بنتا ہے کہ میں خدا کا صحیح اور درست تصور بھی اس کے سامنے پیش کروں۔ اللہ کے حقیقی تصور اسے آگاہ کروں۔

اتنا تو میں بھی مانتا ہوں کہ آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ لہذا آئیے ہم سائنسی علوم کی روشنی میں قرآن مجید کا جائزہ لیتے ہیں۔ دہریے یہی کہتے ہیں کہ ہم صرف اسی دعوے کو درست مانتے ہیں جو سائنس کی روشنی میں درست ثابت ہو۔ بصورت دیگر ہم خدا کو نہیں مانتے۔

میں ان تمام تعلیمیافتہ حضرات سے ایک سوال کرنا چاہوں گا جو خدا پر یقین نہیں رکھتے لیکن سائنس پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے سامنے ایک مشین آئے جس کے

بارے میں آپ نے کچھ سنا ہو، نہ پڑھا ہو اور نہ اسے کبھی دیکھا ہو تو آپ کے خیال میں وہ پہلا شخص کون ہوگا جو آپ کو اس مشین کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کر سکے۔ یہ مشین ایک دہریے کے سامنے ہو جو صرف سائنس پر یقین رکھتا ہے تو اس کے خیال میں کون ہوگا جو اس مشین کے نظام عمل کے بارے میں علم رکھتا ہو؟

میں نے یہ سوال سینکڑوں دہریوں سے، مذہب کے منکر لوگوں سے کیا ہے، تھوڑے سے غور و فکر کے بعد ان کا جواب عموماً یہی ہوتا ہے:

”شاید اس مشین کا بنانے والا ہی یہ معلومات دے سکتا ہے۔“

کچھ کہتے ہیں موجود، کچھ خالق کا لفظ استعمال کریں گے، کچھ تیار کنندہ کا، سینکڑوں لوگوں سے سوال کرنے کے بعد بھی مجھے ملتے جلتے جواب ہی ملے ہیں۔ بہر حال جواب کچھ بھی ہو میں تسلیم کر لیتا ہوں۔ دوسرا شخص کون ہوگا؟ یہ وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جسے خالق نے بتایا ہو اور کوئی ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو اپنی تحقیق سے درست نتائج تک پہنچ گیا ہو لیکن پہلا بہر صورت وہی ہوگا جو اس مشین کا خالق ہے، موجد ہے، تیار کنندہ ہے، بنانے والا ہے۔

1: اب میں اس دہریے سے، منکر خدا سے، جو صرف سائنس پر یقین رکھتا ہے ایک اور سوال کرتا ہوں کہ بتاؤ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی؟

وہ جواب دیتا ہے کہ دراصل پہلے صرف مادے کا ایک مجموعہ تھا جسے پرائمیری نیبولا (Primary Nebula) کہتے ہیں۔ پوری کائنات یہی تھی۔ پھر ایک بہت بڑا دھماکہ (Big Bang) ہوا۔ جس کے نتیجے میں ثانوی تقسیم ہوئی اور کہکشائیں وجود میں آئیں۔ ستارے اور سیارے بنے اور یہ زمین بھی وجود میں آئی جس پر ہم رہ رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ جنوں پر یوں کی کہانیاں تو نے کہاں سے سنی ہیں؟ وہ کہتا ہے ”نہیں یہ جنوں پر یوں کی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ تو سائنسی حقائق ہیں جو کل ہی ہمارے علم میں آئے ہیں۔ سائنس کی دنیا میں ”کل“ بے مراد نصف صدی یا ایک صدی کا عرصہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ 1973ء کا واقعہ ہے کہ دو سائنسدانوں کو ”عظیم دھماکہ کا نظریہ“ ”Big Bang Theory“ دریافت کرنے پر نوبل انعام سے نوازا گیا۔

میں کہتا ہوں بالکل ٹھیک۔ تمہاری ہر بات سے مجھے اتفاق ہے لیکن اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ یہ بات قرآن مجید میں آج سے 1400 سال پہلے ہی بیان فرمادی گئی تھی۔ سورۃ انبیاء میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان السموات والارض كانتا رتقا ففتقنهما وجعلنا من

الماء كل شىء حى افلا يؤمنون O“

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)

”یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انھیں جدا کیا اور پانی

سے ہر زندہ چیز پیدا کی، کیا وہ (ہماری خلاق کو) نہیں مانتے۔؟“

قرآن مجید آج سے چودہ صدیاں پیش تر نازل ہوا تھا۔ اس بات کے کافی ثبوت موجود ہیں کہ یہ بھی کتاب ہے جو 1400 سال پہلے موجود تھی تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ اس میں عظیم دھماکے کے نظریے کی طرف اشارہ موجود ہے۔؟

اس آیت میں انتہائی اختصار کے ساتھ ”Big Bang Theory“ موجود ہے۔ تم کہتے ہو یہ نظریہ سو پچاس سال پہلے سامنے آیا ہے تو پھر قرآن مجید میں اس کا ذکر کہاں سے آگیا۔؟ لاف مہب اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ”شاید کسی نے اندازہ لگایا ہوگا۔“ میں بحث نہیں کرتا۔ ان کی بات مان لیتا ہوں اور آگے بڑھتا ہوں۔

2: میں پوچھتا ہوں کہ یہ زمین جس پر ہم رہ رہے ہیں، اس کی شکل کیسی ہے؟ جواب ملتا ہے کہ پہلے تو لوگ یہی سمجھتے تھے کہ زمین چمٹی ہے اور اسی لئے وہ طویل سفر سے گھبراتے بھی تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زمین کے کنارے پر پہنچ کر نیچے گر پڑیں لیکن آج ہمارے پاس اس بات کے کافی سائنسی ثبوت موجود ہیں کہ زمین چمٹی نہیں ہے۔ زمین دراصل گول یعنی گزے (بیض نما) کی شکل میں ہے۔ میں پوچھتا ہوں یہ بات آپ کو کب معلوم ہوئی۔؟ جواب ملتا ہے، ماضی قریب میں، سو سال پہلے، دو سو سال پہلے اور اگر جواب دینے والا صاحب علم ہو تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ بات ثابت کی تھی وہ سرفرانس ڈریک تھا۔ جس نے 1597ء میں یہ ثابت کیا کہ زمین کروہی ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ سورۃ لقمان کی اس آیت کا تجربہ کرو:

”الم تر ان الله يولج الليل فى النهار ويولج النهار فى الليل

وسخر الشمس والقمر كل يعرج الى اجل مسمى وان الله

”بما تعملون خیر“

(القرآن الکریم، سورۃ لقمان، آیت نمبر 29)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟

اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، سب ایک وقت مقررہ تک چلے جا رہے ہیں

اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

پروتے ہوئے لانے سے مراد ہے ایک سمت رو اور بتدریج تبدیلی۔ یعنی رات آہستہ آہستہ،

بتدریج دن میں تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے اور دن رات میں۔ یہ عمل اس طرح ہونا ممکن ہی نہیں اگر

زمین چھٹی ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ زمین کی شکل کرومی ہو۔ اسی طرح کا ایک پیغام ہمیں

قرآن مجید کی سورۃ الزمر میں بھی ملتا ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے:

”خلق السموات والارض بالحق یکور الیل علی النهار

ویکور النهار علی الیل وسخر الشمس والقمر کل یجری

لاجل مسمى الا هو العزیز الغفار“

(القرآن الکریم، سورۃ الزمر، آیت نمبر 5)

”اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو

پلیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک ایک وقت

مقررہ تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو! وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا

ہے۔“

دن کو رات پر لپیٹنے اور رات کو دن پر لپیٹنے کا یہ عمل بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ

زمین گول یعنی کرہ نما ہو۔ زمین کے چپے ہونے کی صورت میں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ مجھے

بتاتے ہیں کہ یہ بات 1597ء میں سامنے آئی تھی تو پھر قرآن عظیم میں یہ بات ایک ہزار چار سو

سال پہلے کس طرح موجود تھی؟

ہو سکتا ہے وہ کہیں کہ یہ بھی اتفاق تھا، محض ایک اتفاق، ایک اندازہ جو درست ثابت ہوا۔

میں یہاں بھی بحث نہیں کرتا اور آگے بڑھتا ہوں۔

3: میرا اگلا سوال یہ ہوگا کہ چاند سے جو روشنی ہم تک پہنچتی ہے یہ کس چیز کی روشنی ہوتی

ہے۔؟ پہلے لوگ ضرور یہی کہتے کہ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ چاند کی اپنی روشنی ہوتی ہے۔ لیکن آج

جب کہ سائنس ترقی کر چکی ہے، آج ہم جانتے ہیں کہ دراصل یہ سورج کی روشنی ہوتی ہے جو چاند سے منعکس ہو کر زمین تک آتی ہے۔ چاند خود سے روشن نہیں ہے۔ اس کے بعد میں اس سے ایک اور سوال کروں گا اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

”تبارک الذین جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا

وقمرا منیرا“ (القرآن الکریم، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 61)

”بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ

اور ایک قمر منیر روشن کیا۔“

عربی میں چاند کے لئے لفظ ”قمر“ استعمال ہوتا ہے اور اس کی روشنی کے لئے لفظ ”منیر“ استعمال ہوا ہے۔ جس سے مراد منعکس یا منعطف روشنی ہوتی ہے۔ ”نور“ کا لفظ ایسی ہی روشنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

آپ پوچھئے کہ یہ حقیقت تم نے آج دریافت کی ہے تو پھر بتاؤ کہ قرآن مجید میں یہ بات 1400 سال پہلے کس طرح موجود تھی۔؟ وہ فوری جواب نہیں دے سکے گا۔ اسے کچھ دیر سوچنا پڑے گا اور شاید بالآخر اس کا جواب یہی ہوگا کہ غالباً یہ بھی محض اتفاق ہے۔ اندازہ ہے یا ”ٹکا لگ گیا ہے۔“

میں اس سے پھر بھی بحث نہیں کروں گا۔ گفتگو آگے چلانے کے لئے میں بحث سے گریز کروں گا۔ میں کہوں گا کہ اگر تمہارا جواب یہی ہے تو میں تم سے بحث نہیں کرتا اور بات آگے بڑھاتا ہوں۔

4: میں اسے کہتا ہوں کہ میں نے 1986ء میں دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا تھا۔ اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ سورج ساکن ہے یعنی اپنے مرکز کے گرد تو مسلسل حرکت کر رہا ہے۔ گھوم رہا ہے لیکن اپنے مقام کے لحاظ سے ساکن ہے۔ ہو سکتا ہے پوچھا جائے کہ کیا قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے؟ میرا جواب ہوگا کہ نہیں۔ یہ بات تو ہمیں سکول میں بتائی گئی تھی۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ کیا واقعی اسی طرح ہے۔؟

وہ کہے گا کہ نہیں۔ آج سائنس ترقی کر چکی ہے۔ اب ہمیں پتہ چلا ہے کہ سورج اپنے مرکز کے گرد گھومنے کے علاوہ مداری حرکت بھی کر رہا ہے۔ سورج کی مرکز کے گرد حرکت کا آپ مشاہدہ

بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ضروری آلات موجود ہوں۔ سورج کی سطح پر سیاہ دھبے موجود ہیں اور ان دھبوں کی حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اپنے مرکز کے گرد ایک چکر تقریباً پچیس دن میں پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اس حرکت کے علاوہ سورج ایک مدار میں بھی حرکت کر رہا ہے۔

کیا قرآن کہتا ہے کہ سورج ساکن ہے؟ ہو سکتا ہے وہ دہریہ جس سے میں گفتگو کر رہا ہوں اس موقع پر ہنسنے لگے۔ لیکن پھر میں بتاتا ہوں کہ نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

”وہو الذی خلق الیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک

یسبحون○“

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 33)

”اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا

کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔“

قرآن مجید بتا رہا ہے کہ سب ایک فلک میں مدار میں حرکت کر رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات جدید سائنس نے حال ہی میں دریافت کی ہے تو پھر قرآن مجید میں یہ بات چودہ سو سال پہلے کس طرح بیان کر دی گئی تھی؟

وہ توڑی دیر تک خاموش ہی رہتا ہے اور کچھ دیر کے بعد کہتا ہے کہ عرب علم فلکیات کے ماہر تھے۔ لہذا ہو سکتا ہے عربوں میں سے کسی نے یہ بات تمہارے پیغمبر علیہ السلام سے کی ہو اور انھوں نے اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہو۔

میں مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں کہ عرب علم فلکیات میں انتہائی ترقی یافتہ تھے لیکن ساتھ ہی میں اسے یاد دلاتا ہوں کہ وہ تاریخ کو گنڈ مڈ کر رہا ہے۔ کیوں کہ عربوں کا فلکیات میں ترقی کرنا بہت بعد کی بات ہے اور قرآن مجید اس سے صدیوں پہلے نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ دراصل عربوں کے فلکیات میں ترقی کرنے کا سبب قرآن مجید ہی تھا۔ علم فلکیات عربوں سے قرآن مجید میں نہیں آیا، قرآن مجید سے عربوں نے سیکھا تھا۔ قرآن مجید بہت سے سائنسی حقائق کا ذکر کرتا ہے۔

5: جغرافیہ کے حوالے سے اور پھر ”آبی چکر“ (Water Cycle) کے حوالے

سے دیکھئے تو قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

”الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فسلکة ینابیع فی

الارض ثم يخرج به زرعاً مختلفاً الوانہ“

(القرآن الکریم، سورۃ الزمر، آیت نمبر 21)

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں اور

چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعہ سے

وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں۔“

قرآن مجید آبی چکر کا ذکر متعدد آیات میں کرتا ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ پانی سمندروں کی سطح سے بخارات بن کر اٹھتا ہے۔ بادلوں میں تبدیل ہوتا

ہے۔ بادل بالآخر کثیف ہو جاتے ہیں۔ ان میں بجلیاں چمکتی ہیں اور ان سے بارش ہوتی ہے۔

اس مظہر کا ذکر قرآن مجید کی متعدد آیات میں آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ مومنوں میں ارشاد ہوتا ہے

”وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنه فی الارض وانا علی

ذہاب بہ لقدر ون“

(القرآن الکریم، سورۃ المومنون، آیت نمبر 18)

”اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی

اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا، ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے

ہیں۔“

سورۃ روم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ الذی یرسل الریح فتشیر سحابا فیسطہ فی السماء

کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یمخرج من خللہ فاذا

اصاب بہ من یشاء من عبادہ اذا ہم یمستبشرون“

(القرآن الکریم، سورۃ الروم، آیت نمبر 48)

”اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو آسمان

میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انھیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے پھر تو دیکھتا

ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں، یہ بارش جب وہ اپنے

بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برساتا ہے تو وہ یکا یک خوش و خرم ہو جاتے

ہیں۔“

سورہ نور میں ارشاد ہوتا ہے:

”الم تر ان الله ينجي سحابا ثم يؤلف بينه ثم يجعله ركاما
فترى الودق يخرج من خلاله“

(القرآن الکریم، سورۃ النور، آیت نمبر 43)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم
جوڑتا ہے، پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول
میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں۔“
سورہ روم میں فرمایا گیا:

”ومن اياته يريكم البرق خوفا وطمعا وينزل من السماء ماء
فيحيى به الارض بعد موتها ان فى ذلك لآيات لقوم
يعقلون“

(القرآن الکریم، سورۃ الروم، آیت نمبر 24)

”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے، خوف کے
ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے
زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں،
ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“

یعنی قرآن مجید متعدد مقامات پر آبی چکر کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ جب کہ یہ آبی چکر
(Water Cycle) ایک سائنسدان نے جس کا نام "Bernard Palacy" تھا،
1580ء میں بیان کیا تھا۔ جو آبی چکر سائنس 1580ء میں دریافت کر رہی ہے وہ قرآن
مجید میں اس سے ہزار سال پہلے ہی موجود تھا۔ کیسے؟

6: اب ہم ”ارضیات“ کی جانب آتے ہیں۔ علم ارضیات میں ایک تصور بیان کیا جاتا
ہے جسے ”Folding“ کہتے ہیں۔ جس زمین پر ہم رہتے ہیں اس کی بیرونی پرت یا سطح خاصی
باریک ہے۔ اس سطح میں بل پڑنے کے سبب پہاڑی سلسلے وجود میں آتے ہیں جو سطح زمین کو
استحکام فراہم کرتے ہیں۔ اب میں اس دہریے کو بتاتا ہوں کہ قرآن مجید کی سورہ نباء میں بتایا گیا

ہے:

”الم نجعل الارض مهذا O والجبال اوتادا O“

(القرآن الکریم، سورۃ النبأ، آیت نمبر 6-7)

”کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا O اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔ O“

قرآن مجید کہتا ہے کہ پہاڑوں کو میخیں بنایا گیا ہے۔ ”اوتاد“ عربی میں اس میخ کو کہا جاتا ہے جو خیمہ کھڑا کرنے کے لئے گاڑی جاتی ہے اور جدید سائنس بھی پہاڑوں کا اسی طرح کا کردار بیان کرتی ہے، یعنی پہاڑوں کی مثال خیموں کی میخوں کی سی ہے۔ قرآن مجید مزید کہتا ہے:

”وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بهم وجعلنا فیها فججا سبلا لعلهم یهتدون O“

(القرآن الکریم، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 31)

”اور ہم نے زمین میں پہاڑ جمادیئے تاکہ وہ انھیں لے کر ڈھلک نہ جائے اور اس میں کشادہ راہیں بنادیں، تاکہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔ O“

گویا قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ زمین میں پہاڑ اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ زمین ڈھلکنے سے محفوظ رہے۔

7: مزید برآں میرے پوچھنے پر وہ دہریہ کہے گا کہ اس کے علم میں ہے کہ سمندر میں بیٹھا اور کھارا پانی بعض جگہوں پر الگ الگ رہتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک روک موجود ہوتی ہے۔ ایک آڑ موجود ہوتی ہے جو دونوں طرح کے پانی کو ملنے نہیں دیتی اور الگ الگ رکھتی ہے۔ کیا اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔؟ میں اُسے سورۃ الفرقان کی یہ آیت سناتا ہوں:

”وهو الذی مرج البحرین هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج وجعل بینہما برزخا وحجرا محجورا O“

(القرآن الکریم، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 53)

”اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملنا رکھا ہے، ایک لذیذ و شیریں، دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، ایک رکاوٹ ہے جو انھیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ O“

اسی طرح کی بات سورہ رحمان میں بھی کی گئی ہے:

”مرج البحرين یلقیان ○ بینہما برزخ لا یبغیان ○“

(القرآن الکریم، سورۃ الرحمن، آیت نمبر 19-20)

”دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں ○ ان کے درمیان ایک

پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے ○“

آج جدید سائنس بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ بعض مقامات پر سمندر میں میٹھا اور کھاری پانی

ایک دوسرے میں حل نہیں ہوتے، ان کے درمیان ایک روک موجود رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ

دہریہ جس سے میں گفتگو کر رہا ہوں وہ اس موقع پر کہے کہ ”شاید کسی عرب نے سمندر میں غوطہ لگا کر

اس روک کو دیکھ لیا ہوگا اور رسول اللہ کو بتا دیا ہوگا، یوں یہ بات قرآن مجید میں آگئی ہوگی۔“

لیکن بات یہ ہے کہ جس روک یا آڑ کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ نظر تو آتی ہی نہیں۔ یہ تو ایک

نادیدہ رکاوٹ ہے۔ اسی لئے قرآن مجید اس کے لئے ”برزخ“ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یہ مظہر

انتہائی واضح طور پر ”کیپ ٹاؤن“ کے قریب دیکھا جاسکتا ہے، یعنی افریقہ کے انتہائی جنوب

میں۔ مصر میں بھی جہاں دریائے نیل سمندر سے ملتا ہے تو یہی صورت حال ہوتی ہے۔ اسی طرح

خلیج عرب میں جہاں ہزاروں کلو میٹر تک دونوں طرح کا پانی موجود ہے لیکن الگ الگ رہتا ہے۔

8: قرآن مجید کی سورہ انبیاء میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا

ففتقنہما وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا یؤمنون ○“

(القرآن الکریم، سورہ الانبیاء، آیت نمبر 30)

”کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ

یہ سب آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر

زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاق کو) نہیں مانتے ○؟“

آپ ذرا تصور کیجئے! کہ عرب کے صحراؤں میں جہاں پانی کی شدید قلت ہوتی ہے، وہاں یہ

بات کہی جا رہی ہے۔ وہاں کس کو یہ خیال آ سکتا تھا کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔؟ اگر انہیں

یہ اندازہ لگانا ہی ہوتا تو وہ ہر چیز کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ انہیں کسی بھی چیز کا خیال آ سکتا تھا۔ سوائے

پانی کے۔ آج جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ ہر زندہ چیز خلیوں سے بنی ہے۔ ان خلیات کا بنیادی

جزو سائٹوپلازم "Cytoplasm" ہوتا ہے جو کہ پچاس سے اسی فی صد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر زندہ چیز پچاس سے نوے فی صد پانی پر مشتمل ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج سے چودہ صدیاں پیشتر یہ بات قرآن حکیم میں کیوں کر بیان کر دی گئی تھی؟ اب وہ دہریہ بھی چپ ہو چکا ہوگا۔ وہ کوئی جواب دینے کے قابل نہیں ہوگا۔

شماریات کا نظریہ درست:

شماریات کا ایک نظریہ ہے جسے "Theory of Probability" کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کے دو ممکنہ جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک صحیح اور ایک غلط۔ اگر آپ محض اندازے سے جواب دیں تو پچاس فی صد امکان ہے کہ آپ کا جواب درست ہوگا۔ مثال کے طور پر جب آپ ٹاس کرتے ہیں تو دونوں طرف پچاس فی صد امکان ہوتا ہے، لیکن اگر آپ دو دفعہ ٹاس کریں تو اس بات کا کتنا امکان ہے کہ دونوں مرتبہ ہی آپ کا جواب درست ہوگا۔ پہلی مرتبہ پچاس فی صد یعنی دو میں سے ایک اور دوسری مرتبہ پچاس فی صد کا پچاس فی صد یعنی چار میں سے ایک امکان، یا یوں کہئے کہ پچیس فی صد امکان ہے کہ آپ دونوں مرتبہ درست جواب دیں گے۔

فرض کیجئے میں ایک پانسہ (Dice) پھینکتا ہوں جس کے چھ رخ ہیں۔ 1، 2، 3، 4، 5 اور 6۔ اب اگر میں اندازہ لگاؤں تو اس اندازے کے درست ہونے کا امکان چھ میں سے ایک ہوگا۔ اب اگر میں دو دفعہ ٹاس کروں اور ایک دفعہ پانسہ پھینکوں تو یہ امکان کتنا ہے کہ ہر دفعہ میں جواب درست ہوگا؟ یہ امکان $1/2$ ضرب $1/2$ ضرب $1/6$ یعنی $1/24$ یا دوسرے لفظوں میں چوبیس میں سے ایک امکان یہ ہے کہ میرا جواب ہر بار درست ہوگا۔

آئیے یہ نظریہ (Theory of Probability) قرآن مجید پر لاگو کر کے دیکھتے ہیں۔ محض گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھانے کے لئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ محض اندازے ہیں جو درست ثابت ہوئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان اندازوں کے درست ہونے کا امکان کتنا تھا؟

قرآن مجید کہتا ہے کہ زمین گول یعنی کرہ نما ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ زمین کی شکل کے بارے میں کیا اندازے لگائے جاسکتے ہیں؟ کسی شخص کے ذہن میں زمین کی کون سی ممکنہ شکلیں

آسکتی ہیں؟ کہا جاسکتا ہے کہ زمین چٹنی ہے یا ٹکون ہے، یا چوکور ہے یا شش پہلو ہے یا ہشت پہلو ہے، اسی طرح بہت سی ممکنہ شکلیں سوچی جاسکتی ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ صرف تیس ممکنہ شکلیں ہو سکتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص شخص اندازہ لگاتا ہے تو اس اندازے کے درست ثابت ہونے کا امکان 30 میں سے ایک ہوگا۔

چاند کی رشتی یا تو اس کی اپنی ہوگی یا منعکس ہوگی، لہذا دو ہی صورتیں ہیں اور یہاں اندازہ درست ثابت ہونے کا امکان دو میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ امکان کہ ایک شخص کے دونوں اندازے درست ثابت ہوں گے، ساٹھ میں ایک ہے۔

اچھا! اب یہ بتائیے کہ صحرائے عرب میں رہنے والا شخص کیا اندازہ لگائے گا کہ انسان بلکہ تمام جاندار کس شے سے بنے ہوئے ہیں؟ اور اندازہ بھی صحرا کے رہنے والے شخص نے ہی لگانا ہے تو اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے اس کا جواب ریت ہو، یا لکڑی یا لوہا یا کوئی اور دھات یا کوئی گیس یا تیل، وہ شخص دس ہزار اندازے لگا سکتا ہے اور اس کا آخری اندازہ پانی ہوگا۔ قرآن کہتا ہے کہ ہر زندہ مخلوق پانی سے بنائی گئی ہے۔

اسی طرح سورت نور کی آیت نمبر 45 میں فرمایا گیا:

”اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔“

یہ بات اگر شخص اندازے سے کی جائے تو اندازہ درست ہونے کا امکان دس ہزار میں ایک ہوگا۔ اب یہ امکان کہ ایک شخص مذکورہ بالا تینوں معاملات میں اندازے سے جواب دے اور ہر بار اس کا اندازہ درست ثابت ہو، چھ لاکھ میں سے ایک ہے۔ یعنی 0.00017 فی صد۔ اب میں یہ آپ حاضرین پر چھوڑتا ہوں کہ اس کے بعد آپ "Theory of Probability" کا اطلاق قرآن مجید پر کرنا چاہیں گے یا نہیں؟

قرآن مجید ایسے سینکڑوں حقائق کا ذکر کرتا ہے جو اس وقت یعنی نزول قرآن کے زمانے میں لوگوں کے علم میں نہیں تھے۔ اگر ان تمام بیانات کو اندازے یا فرض کیا جائے تو ان اندازوں کے بیک وقت درست ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے اور Probability کے نظریے کی رو سے تو یہ امکان صفر ہی رہ جاتا ہے۔

یہاں کچھ لوگ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ”دیدات صاحب! کیا آپ قرآن مجید کو سائنس کی مدد سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟“ لہذا میں یہ یاد دہانی ضروری سمجھتا ہوں کہ ”قرآن

مجید سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ یہ سائنز کی کتاب ہے۔ یعنی:

Quran is not a book of Science

It is a Book of SIGNS

یہ نشانیوں کی، آیات کی کتاب ہے، اس کتاب میں چھ ہزار سے زائد آیات موجود ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار سے زائد آیات ایسی ہیں جن کا تعلق سائنسی علوم سے ہے۔ میں سائنس کو قرآن مجید کے اثبات کے لئے استعمال نہیں کر رہا کیوں کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے آپ کو کسی پیمانے کی، کسی معیار کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے آخری پیمانہ اور حتمی معیار خود قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید ہی ہمارے لئے فرقان یعنی حق و باطل کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اسی پیمانے پر ہم مسلمان صحیح اور غلط بیان کا فیصلہ کرتے ہیں۔

لیکن ایک دہریے کے لئے، ایک پڑھے لکھے شخص کے لئے جو خدا پر ایمان ہی نہیں رکھتا، اس کے لئے معیار کیا ہے؟ اس کے لئے تو آخری پیمانہ سائنس ہی ہے۔ لہذا میں اپنی بات اس کے سامنے اسی کے پیمانے سے درست ثابت کر رہا ہوں۔ البتہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سائنسی نظریات بسا اوقات تبدیل بھی ہو جایا کرتے ہیں، لہذا ہم نے صرف ثابت شدہ سائنسی حقائق ہی کو سامنے رکھا ہے۔ میں نے محض نظریات اور مفروضوں کی بنیاد پر بات نہیں کی۔ یعنی ایسے نظریات کو دلیل نہیں بنایا جن کی بنیاد مفروضوں پر ہے۔ میں نے اس دہریے کو یہ بتایا ہے کہ جو چیز تمہارے معیار اور پیمانے نے آج سے سو یا پچاس سال پہلے ثابت کی ہے، قرآن مجید اسے چودہ سو سال پہلے ہی بیان کر رہا تھا۔ لہذا بالآخر ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قرآن مجید ہی برتر ہے۔ سائنس اور قرآن مجید میں سے برتری قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔

دیگر سائنسی حقائق اور قرآن مجید:

1: قرآن مجید متعدد سائنسی حقائق ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ طہ میں

ارشاد ہوتا ہے:

”الذی جعل لکم الارض مہداً و سلك لکم فیہا سبلاً و لنزل

من السماء ماء فاخرجنا به ازواجاً من نبات شتى“

(القرآن الکریم، سورہ طہ، آیت نمبر 53)

”وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے نباتات کے جوڑے نکالے۔“

آپ یہ بات ماضی قریب میں دریافت کر رہے ہیں کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔
2: سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے:

”وما من دابة فى الارض ولا طير يطير بجناحيه الا امم امثالكم ما فرطنا فى الكتاب من شىء ثم الى ربهم يحشرون“

(القرآن الکریم، سورۃ الانعام، آیت نمبر 38)

”زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں، ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔“
سائنس اس بات کا اثبات کچھ ہی عرصہ قبل کر رہی ہے۔

3: قرآن مجید کی سورۃ نحل میں بتایا گیا ہے کہ شہد کی مکھی شہد بنانے کے لیے رس جمع کرتی ہے۔ یہاں اس کے لئے مونث کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ کام نہ مکھی نہیں کرتی بلکہ مادہ مکھی کرتی ہے۔ سائنس نے یہ حقیقت بھی حال ہی میں دریافت کی ہے، ورنہ پہلے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ یہ کام نہ مکھی کرتی ہے۔ یہ مکھیاں صرف نو دریافت شدہ پودوں اور پھولوں کی اطلاع دیگر مکھیوں کو دیتی ہیں۔

4: سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

”وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون“

(القرآن الکریم، سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 41)

”اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر، مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔“

یہاں بات محض مکڑی کے گھر یعنی جالے کی ظاہری کمزوری کے حوالے سے نہیں کی جارہی۔ یہ آیت مکڑی کی گھریلو زندگی کی خصوصیت بھی بیان کر رہی ہے کہ تعلقات کے لحاظ سے بھی سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہی ہوتا ہے۔ کیوں کہ بسا اوقات مکڑی اپنے نر کو ہلاک کر دیتی ہے۔

5: اسی طرح سورہ نمل کی آیت نمبر 17 اور 18 میں چیونٹیوں کی باتیں کرنے کا ذکر ہے۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ تو جنوں پر یوں کی کہانیوں والی بات ہے۔ کیا چیونٹیاں بھی آپس میں بات کر سکتی ہیں؟ لیکن آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ حیوانات میں سے چیونٹیوں کا طرز زندگی انسانی طرز زندگی کے قریب ترین ہے۔ یعنی انسانی طرز حیات سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں میں مردہ چیونٹیوں کو دفنانے کی عادت بھی موجود ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے درمیان رابطے کا ایک مکمل نظام موجود ہوتا ہے۔ ان کے درمیان پیغامات کی ترسیل کا ایک باقاعدہ نظام پایا جاتا ہے۔

6: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يُخْرِجُ مِنْ بَطْنِهَا شَرَابًا مُخْتَلَفَ الْوَانِ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ“
(القرآن الکریم، سورۃ النحل، آیت نمبر 69)

”اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے، جس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے۔“

اس آیت قرآنی میں فرمایا گیا کہ شہد میں انسانوں کے لئے شفا رکھی گئی ہے اور آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ شہد میں جراثیم کش خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روسی فوجی دوران جنگ اپنے زخموں پر شہد لگاتے رہے اور نہ صرف ان کے زخم مندمل ہو جاتے تھے بلکہ زخم کا نشان بھی بہت کم باقی رہتا تھا۔ بعض اقسام کی الرجی کے علاج کے لئے شہد آج بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔

7: اسی طرح قرآن مجید دوران خون اور دودھ کی افزائش کے حوالے سے بھی بات کرتا ہے۔ سورہ نحل کی آیت نمبر 66 اور سورہ مومنون کی آیت نمبر 21 میں اس کا ذکر موجود ہے۔ نزول قرآن کے چھ سو سال بعد ابن نفیس نے دوران خون کا عمل دریافت کیا۔ مغربی دنیا کے حوالے سے دیکھا جائے تو نزول قرآن کے ایک ہزار سال بعد ”Harvey“ نامی سائنس دان نے یہ نظریہ عام کیا۔

8: قرآن مجید علم الجینین کے بارے میں بھی بات کرتا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات، سورہ علق کی درج ذیل آیات دیکھیے:

”اقرا باسم ربك الذي خلق ○ خلق الانسان من علق ○“

(القرآن الکریم، سورۃ العلق، آیت نمبر 1-2)

”اے نبی! پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔“ چپکنے والی چیز سے انسان کی تخلیق کی۔“

”علقہ“ کا ترجمہ خون کا لوتھڑا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس لفظ کا مطلب ”چپکنے والی چیز“ اور ”جو تک نما چیز“ بھی ہوتا ہے۔ یہ آیت اور قرآن مجید میں موجود علم الجین کے حوالے سے موجود دیگر بیانات ”پروفیسر کیتھ مور“ کو دکھائے گئے تھے۔ پروفیسر صاحب کا تعلق ”ٹورنٹو، کینیڈا“ سے ہے اور وہ اس شعبے کے اعلیٰ ترین ماہرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔

کچھ عرب حضرات نے اس قرآنی ہدایات پر عمل کیا کہ ”اگر تم نہیں جانتے تو ان سے پوچھ لو جو جانتے ہیں“ اور وہ ”پروفیسر کیتھ مور“ کے پاس چلے گئے۔ یہ سارا لوازمہ ان کے سامنے رکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ تمام باتیں ٹھیک ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ قرآنی بیانات میں سے بیش تر تو جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں سو فیصد درست ہیں، لیکن بعض بیانات ایسے ہیں جن کے بارے میں وہ کوئی رائے نہیں دے سکتے کیوں کہ انھیں خود اس بارے میں مکمل علم حاصل نہیں ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت وہ تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”ہم نے انسان کو ایک جو تک نمائش سے تخلیق کیا ہے۔“ ڈاکٹر صاحب اپنی تجربہ گاہ میں گئے۔ انھوں نے جو تک کی تصاویر کا مقابل جنین کے بالکل ابتدائی مراحل کے ساتھ کیا۔ طاقتور خوردبین سے تفصیلی جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بالکل ابتدائی مراحل کے جنین اور جو تک میں واقعی مشابہت پائی جاتی ہے۔

لہذا انھوں نے یہ بیان دیا کہ جو کچھ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔ یہی نہیں، پروفیسر مور نے آیات قرآنی سے اخذ کردہ یہ معلومات اپنی کتاب ”The Developing Human“ کے تیسرے ایڈیشن میں شامل کیں۔ اس کتاب کو اس سال کسی ایک مصنف کی لکھی ہوئی بہترین طبی کتاب کا ایوارڈ بھی ملا۔ ڈاکٹر مور نے یہ بھی تسلیم کیا کہ علم الجین کے حوالے سے قرآن مجید جو معلومات فراہم کرتا ہے جدید سائنس نے وہ باتیں حال ہی میں دریافت کی ہیں۔ کیوں کہ علم الجین تو علم طب کی جدید ترین شاخوں میں سے ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ باتیں کسی انسان کے علم میں آج سے چودہ سو برس پہلے موجود ہوں۔ لہذا قرآن مجید لازماً ایک الہامی کتاب ہے۔

9: قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

”فلینظر الانسان مم خلق ○ خلق من ماء دافق ○ ینخرج من
بین الصلب والترائب ○“

(القرآن الکریم، سورۃ الطارق، آیت نمبر 4-5)

”پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ○ وہ ایک اچھلنے
والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ ○ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا
ہے۔ ○“

اس آیت کی تصدیق کرتے ہوئے آج جدید علم الجنین ہمیں بتاتا ہے کہ ابتدائی مراحل میں
جنسی اعضاء یعنی فوطے اور رحم وغیرہ اس مقام سے بنتے ہیں جہاں گردے ہوتے ہیں یعنی ریڑھ
کی ہڈی اور گیارہویں بارہویں پسلی کے درمیان۔
10: سورۃ نجم میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وانه خلق الزوجین الذکر والانثی ○ من نطفۃ اذا تمنی ○“
(القرآن الکریم، سورۃ النجم، آیت نمبر 45-46)

”اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ○ ایک بوند سے، جب وہ ٹپکائی جاتی
ہے۔ ○“

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

”الم ینک نطفۃ من منی یمنی ○ ثم کان علقۃ فخلق فسوی ○
فجعل منه الزوجین الذکر والانثی ○“
(القرآن الکریم، سورۃ القیامۃ، آیت نمبر 38-39)

”کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ ○ پھر وہ ایک
لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء درست کئے ○ پھر اس سے مرد
اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ ○“

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی جنس کا تعین نطفہ کرتا ہے، یعنی مرد بچے کی
جنس کا ذمہ دار ہوتا۔ جدید سائنس نے یہ حقیقت بھی حال ہی میں دریافت کی ہیں۔

11: قرآن مجید یہ بھی بتاتا ہے کہ جنین تین اندھیروں یا تین تہوں کے اندر ہوتا ہے اور

جدید تحقیقات بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں۔

12: جنین کے ارتقاء کے مختلف مراحل کا ذکر بھی قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ

موجود ہے:

”وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً
فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا
آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝“

(القرآن الکریم، سورۃ المؤمنین، آیت نمبر 12-13-14)

”ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ ۝ پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند
میں تبدیل کیا۔ ۝ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی
کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر
کھڑا کر دیا، پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاری گروں سے اچھا کاری گر۔ ۝“
سورۃ حج میں بھی یہ مراحل بیان فرمائے گئے ہیں:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن
تَرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عَلَقٍ ثُمَّ مِّن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ
مُخَلَّقَةٍ لِّنَبِّئَنَّكُمْ وَنَقْرُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نَخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِّتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّن يَتُوفَىٰ
وَمِنْكُمْ مَّن يَرُدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا“

(القرآن الکریم، سورۃ الحج، آیت نمبر 5)

”لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی ملنے کے بارے میں کچھ شک ہے تو
تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے
سے پھر گوشت کی بوٹی سے، جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ (یہ ہم اس
لئے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں، ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک
وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال
لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے

کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔“

13: سورۃ السجدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

”ثم سويہ و نفخ فيه من روحه و جعل لكم السمع و الابصار
(القرآن الکریم، سورۃ السجدہ، آیت نمبر 8)

”پھر اس کو خوب درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں۔“

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوتا ہے:

”فجعلنه سميعام بصيرا“

(القرآن الکریم، سورۃ الدھر، آیت نمبر 2)

”ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔“

مذکورہ بالا دونوں آیات قرآنی میں سننے کی صلاحیت کا ذکر ”دیکھنے کی صلاحیت“ یعنی بصارت سے پہلے آیا ہے۔ آج کا جدید علم طب بھی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سماعت کی قوت پہلے آتی ہے اور بصارت کی بعد میں۔ سماعت کا نظام پانچویں مہینے میں بن چکا ہوتا ہے جبکہ بصارت ساتویں ماہ میں مکمل ہوتی ہے۔

14: لوگوں نے سوال کیا کہ مرنے کے بعد تو انسان کی ہڈیاں بھی مٹی میں مل کر مٹی ہو چکی ہوں گی تو پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا؟
جواب میں فرمایا گیا:

”ايحسب الانسان الن نجم عظامه“ بلی قدرین علی ان
نسوی بنانه“

(القرآن الکریم، سورۃ القیامۃ، آیت نمبر 3-4)

”کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟“ کیوں نہیں؟
ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنادینے پر قادر ہیں۔“

مندرجہ بالا آیت میں ہڈیوں کے ساتھ انگلیوں کی پوروں کا ذکر کیوں فرمایا گیا ہے؟ قرآن مجید کا بیان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انگلیوں کی پوریں بھی ٹھیک ٹھیک بنادینے پر قادر ہے۔

یہ ذکر کیوں کیا جا رہا ہے؟

1880ء میں انگلیوں کے نشانات "Finger Prints" کی مدد سے لوگوں کی شناخت کا طریقہ دریافت ہوا۔ یہ طریقہ آج بھی لوگوں کی شناخت کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ لاکھوں کروڑوں لوگوں میں کوئی دو انسان بھی ایسے نہیں ہوتے جن کی انگلیوں کے نشانات یکساں ہوں۔ قرآن مجید آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس طرف اشارہ دے رہا ہے۔

15: میں صرف ایک مثال مزید پیش کرنا چاہوں گا۔ تھائی لینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک سائنس دان تھے۔ جس کا نام تھا "Prof-Thagada Shaun" انھوں نے درد اور درد محسوس کرنے والے اعضاء کے حوالے سے کافی تحقیقات کی ہیں۔ قبل ازیں خیال یہی تھا کہ درد محسوس کرنے کا عمل ایک دماغی عمل ہے، یعنی دماغ اعصاب کی مدد سے درد محسوس کرتا ہے لیکن حال ہی میں دریافت ہوا ہے کہ درد محسوس کرنے کے عمل میں جلد بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔ جلد میں "Pain Receptors" ہوتے ہیں جن کی مدد سے انسان درد محسوس کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ نساء میں فرمایا گیا:

"ان الذین کفرو بایتنا سوف نصلیہم نارا کلما نصبت

جلودہم بدلنہم جلودا غیرہا لیزو فوا العذاب"

(القرآن الکریم، سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انھیں بالیقین ہم آگ

میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری

کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔"

قرآن مجید کی یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ جلد کا درد محسوس کرنے کے عمل سے براہ راست تعلق ہے۔ یعنی یہاں "Pain Receptors" کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

ڈاکٹر "تھاگا ڈا" کو جب معلوم ہوا کہ یہ کتاب آج سے 1400 سال قبل ہی یہ معلومات فراہم کر رہی تھی تو انھوں نے صرف اس ایک دلیل کی بنیاد پر قاہرہ میں ایک طبی کانفرنس کے دوران اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور برسر عام کہہ دیا:

"لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"

"اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

اب اگر ایک دہریے سے پوچھا جائے کہ یہ تمام معلومات قرآن مجید میں کہاں سے آگئی ہیں تو اس کا جواب کیا ہونا چاہئے؟ اس کے پاس ایک ہی جواب ہوگا۔ وہی جواب جو ہمارے پہلے سوال کا تھا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ ایک نامعلوم مشین کے بارے میں معلومات کس سے مل سکتی ہیں؟ جواب تھا:

”بنانے والے سے خالق سے۔“

قرآن مجید میں یہ سارے حقائق بیان کرنے والا بھی اس کائنات کا خالق، اس کا بنانے والا اور اس کا ایجاد کرنے والا ہی ہے۔ جس کے لئے انگریزی میں ”GOD“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور عربی میں ”اللہ“ کا لفظ مستعمل ہے۔

”Francis Beacon“ نے بجا طور کہا تھا:

”سائنس کا نامکمل علم آپ کو ملھ بنا دیتا ہے لیکن سائنس کا وسیع اور عمیق مطالعہ آپ کو خدا پر ایمان رکھنے والا بنا دیتا ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ آج کا سائنسدان جھوٹے خداؤں کو تو رد کر چکا ہے۔ یعنی ”لا الہ“ کے مقام پر تو پہنچ چکا ہے لیکن ”الا اللہ“ کی منزل تک نہیں پہنچ پایا۔

میں اپنی گفتگو کا اختتام قرآن مجید کی ان آیات پر کرنا چاہوں گا:

”سنریہم ایتنا فی الافاق وفى انفسهم حتى يتبين لهم انه

الحق اولم يكف بربك انه على كل شىء شهيد“

(القرآن الکریم، سورۃ حم السجدة، آیت نمبر 53)

”عنقریب ہم انکو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے

نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے، کیا

یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔“

”قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر، سورۃ، آیت نمبر)

”فرمادیجئے! کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔“

قرآن مجید کا امتحان

کیا قرآن مجید کو کسی طرح سائنسی لحاظ سے پرکھا جاسکتا ہے کہ ہر عام و خاص مسلم و غیر مسلم یہ جان لے کہ واقعی یہ کلام اللہ ہے۔؟

ہاں واقعی قرآن مجید کا امتحان لیا جاسکتا ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سائنس کی دنیا کا ایک اپنا طریقہ کار ہے۔ کسی نئے نظریے کے بارے میں ان کا رویہ یہ ہوگا کہ اگر اس کا کوئی تردیدی امتحان نہیں ہو سکتا تو وہ اس نظریے پر توجہ ہی نہیں دیں گے۔

مختصراً سمجھ لیجئے کہ وہ امتحان نظریہ تردیدیت "Flasification" کہلاتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر آپ نئے نظریے کا "Filisification test" نہیں کر سکتے تو پھر ہمارا وقت ضائع نہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی میں جب "آئن سٹائن" نے ایک نیا نظریہ پیش کیا تو ساتھ ہی اس نے تین "Filisification test" بھی پیش کر دیئے کہ اگر میرا نظریہ درست نہیں ہے تو ان تین طریقوں سے ان نظریے کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ یعنی یہ تین امتحان ایسے ہیں جن سے نظریے کے درست یا غلط ہونے کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ سائنسدانوں نے چھ برس تک غور و فکر کرنے کے بعد تسلیم کیا کہ ہاں "البرٹ آئن سٹائن" کا نظریہ درست ہے۔ اس طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کوئی عظیم شخصیت ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ نظریہ قابل غور و قابل توجہ ہے۔

قرآن مجید کے معاملے میں ایسے متعدد "تردیدی امتحان" "Filisification test" موجود ہیں۔ اگر آئندہ آپ کی کسی سے مذہب کے بارے میں گفتگو ہو تو ایک سوال ضرور کریں کہ "کیا اُس کے پاس کوئی ایسا امتحان ہے جس کی مدد سے اس کے مذہب کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہو۔؟"

یقین کیجئے میں نے متعدد لوگوں سے یہ سوال کیا ہے اور آج تک کسی نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہاں میرے پاس اپنے مذہب کو غلط ثابت کرنے کے لئے کوئی امتحان موجود ہے۔

لیکن قرآن مجید کا معاملہ مختلف ہے۔ قرآن مجید ایسے متعدد پیمانے، ایسے تردیدی امتحان پیش کرتا ہے کہ ان میں سے کچھ تو صرف ماضی کے لئے تھے جب کہ کچھ ہر دور اور ہر زمانے کے

لئے ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا کا نام ابولہب تھا۔ اس کا شمار پیغمبر اسلام علیہ السلام کے شدید ترین مخالفین میں ہوتا تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتا اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اجنبی سے بات کرتے دیکھتا تو ان کے جانے کے بعد فوراً اس سے پوچھتا کہ ”محمد بن عبد اللہ نے تم سے کیا بات کی ہے؟“ پھر اس کے الٹ باتیں کرتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہوتا کہ دن ہے تو یہ کہتا کہ رات ہے، یعنی ہر بات کی مخالفت کرتا۔

قرآن مجید میں ”الہب“ نام کی ایک پوری سورۃ موجود ہے۔ اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے کہ ابولہب اور اس کی بیوی کو ان کے اعمال کے سبب جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ گویا بالواسطہ طور پر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوگا، کافر ہی رہے گا۔

یہ سورت ابولہب کی موت سے کوئی دس برس پہلے نازل ہوئی تھی یعنی اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد دس سال تک ابولہب زندہ رہا۔ اس عرصے میں ابولہب کے دوستوں میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، جو اس کی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے مخالف تھے۔

چوں کہ ابولہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کی مخالفت کرتا تھا اور ہر بات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لہذا اسے صرف اتنا ہی کرنا تھا کہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیتا۔ اسے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کی ضرورت نہ تھی، مسلمانوں والی عادت اپنانا لازم نہ تھا۔ وہ صرف قبول اسلام کا اعلان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط ثابت کر سکتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا کہ میں مسلمان ہوں تو اس طرح وہ قرآن مجید کو غلط قرار دے سکتا تھا۔ یہ کام اس کے لئے انتہائی آسان تھا۔ وہ پہلے بھی کذب بیانی سے کام لیتا تھا۔ ایک اضافی جھوٹ ہی تو بولنا تھا۔

یہ ایسا ہی تھا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود دعوت دے رہے ہوں کہ تم میرے دشمن ہو، مجھے غلط ثابت کرنا چاہتے ہو تو آؤ! اسلام قبول کرنے کا اعلان کرو اور مجھے غلط ثابت کر دو! یہ کام انتہائی آسان تھا لیکن وہ نہیں کر پایا۔ یہ بات واضح ہے کہ کوئی انسان اپنی کتاب میں ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ یقیناً کلام خداوندی ہی ہے۔

2: اسی طرح ایک اور مثال سورۃ بقرہ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

ارشاد کا ارشاد عالی شان ہے:

”قل ان كانت لكم الدار الآخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان كنتم صدقين ○ ولن يتمنوه ابدا بما قدمت ايديهم والله عليم بالظالمين ○“

(القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 90 تا 94)

”اے نبی! ان سے کہئے کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہے، تب تو تمہیں چاہئے کہ موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ ○ اور یہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے، اپنے اعمال کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ○“

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک گفتگو کے درمیان میں یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ آخرت کا گھر یعنی جنت صرف انہی کے لئے ہے، کسی اور کے لئے نہیں، اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اگر واقعی جنت صرف یہودیوں کے لئے مخصوص ہے اور وہی جنت میں جائیں گے تو پھر انہیں چاہئے کہ موت کی تمنا کریں، مرنے کی خواہش کریں۔ اس موقع پر قرآن مجید کو غلط قرار دینے کے لیے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ یہودیوں میں سے ایک شخص سامنے آتا اور کہتا کہ ہاں میں مرنے کی تمنا رکھتا ہوں۔ صرف دعویٰ ہی تو کرنا تھا، صرف زبانی کہنا تھا کہ میں مرنا چاہتا ہوں، لیکن کوئی یہودی آگے نہیں بڑھا، کسی نے یہ بیان نہیں دیا کہ ہاں میں موت کی تمنا رکھتا ہوں۔

یہ بڑا واضح تردیدی امتحان ”Filisification test“ تھا جو قرآن مجید نے پیش کیا۔ لیکن ہو سکتا ہے آپ مجھ سے کہیں کہ یہ تمام باتیں ماضی کی ہیں، یہ امتحان لینا تو ماضی میں ہی ممکن تھا۔ کیا آج کے لئے بھی کوئی ایسا امتحان موجود ہے۔ جس کی مدد سے قرآن مجید کو غلط ثابت کیا جاسکے؟

تو میں کہوں گا کہ یقیناً ایسے ”Filisification test“ بھی موجود ہیں جو ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ہیں اور جو آج سے 1400 سال پہلے کے لئے بھی تھے۔ آج کے لئے بھی کارآمد ہیں اور آنے والے زمانوں میں بھی رہیں گے۔

3: مثال کے طور پر بہت سے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کلام خداوندی نہیں ہے۔ قرآن مجید ایسے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے:

”قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً“

(القرآن الکریم، سورۃ نبی اسرائیل (الاسراء)، آیت نمبر 88)

”اے نبی! فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب کے سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“

اس آیت کریمہ میں ایک چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر پوری بنی نوع انسان اور سارے جنات مل کر قرآن مجید جیسی ایک کتاب بنانا چاہیں تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔ قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید روئے زمین پر عربی زبان و ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

یہ زبان و بیان کا اعلیٰ ترین اسلوب ہے جو اس کو وحی خداوندی ثابت کرتا ہے۔ قرآن مجید کی ہر آیت بیک وقت ایک عام آدمی پر بھی اثر کرتی ہے اور ایک پڑھے لکھے عالم فاضل آدمی کو بھی متاثر کرتی ہے۔ حالانکہ قرآن شاعری بھی نہیں۔ یہ وزن، قافیہ اور ردیف سے بھی کام نہیں لیتا۔ یہ حقیقی معنوں میں ایک معجزاتی کتاب ہے۔ یہی چیلنج قرآن مجید میں دوبارہ ان الفاظ میں کیا گیا:

”ام یقولون تقوله بل لا یؤمنون ۝ فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین ۝“

(القرآن الکریم، سورۃ الطور، آیت نمبر 33-34)

”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے، اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔“

اس آیت کریمہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس امتحان کو لوگوں کے لئے مزید آسان بنا دیا گیا ہے۔ بلکہ سورۃ ہود میں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ام یقولون افترا به قل فاتو بعشر سور مثله مفتریت وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین ۝“

(القرآن الکریم، سورۃ ہود، آیت نمبر 13)

”کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑی ہے؟ کہوا چھایہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو تمہارے ساتھی ہیں جن کو مدد کے لئے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم سچے ہو۔“

لیکن ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی یہ چیلنج پورا نہ کر سکا اور قرآن مجید جیسی دس سورتیں بنا کر پیش نہیں کر سکا۔ سورہ یونس میں یہ امتحان مزید آسان بنا کر پیش کیا گیا۔ وہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ام یقولون افتراه قل فاتو بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صدقین“

(القرآن الکریم، سورہ یونس، آیت نمبر 38)

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خود اسے تصنیف کر لیا ہے؟ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورہ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لئے بلا لو۔“

لیکن یہ لوگ اتنا بھی نہیں کر پائے، کوئی ایک سورہ بنا کر نہیں لا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ”Falsification Test“ کو آسان ترین صورت میں بھی پیش کر دیا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

”وان كنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صدقین“ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكفرین“

(القرآن الکریم، سورہ البقرہ، آیت نمبر 23-24)

”اگر تمہیں شک ہے اس میں جو کتاب ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس جیسی کوئی ایک ہی سورہ بنا لاؤ اور بلا لو اپنے ساتھیوں کو اللہ کے علاوہ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

قرآن مجید نے چیلنج دیا کہ اس جیسی کتاب بنا کر دکھاؤ، پھر آسان کر دیا کہ چلو دس سورتیں

ایسی بنا کر لے آؤ، پھر اس چیلنج کو آسان تر بنا کر فرمایا کہ ایک سورۃ بنا کر دکھا دو۔ یہاں آسان ترین معاملہ کر دیا گیا ہے کہ چلو اس سے ملتی جلتی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔ اس جیسی نہیں تو اس کی مانند ہی ایک سورۃ لے آؤ۔ دیگر جگہوں پر لفظ (مشلہ) استعمال ہوا تھا۔ یہاں فرمایا گیا ”من مشلہ“ یعنی ایسی کوئی ایک سورت لے آؤ جو اس قرآن کے ساتھ تھوڑی بہت مثلثت ہی رکھتی ہو، لیکن پھر بھی کفار عرب بری طرح ناکام ہوئے۔

عربی زبان و ادب، اپنی فصاحت و بلاغت اور ادبیت کے لحاظ سے نزول قرآن کے زمانے میں اپنے عروج پر تھے۔ متعدد کفار عرب نے کوشش کی اور بری طرح ناکام رہے۔ اس قسم کی بعض کوششیں تاریخ کی کتابوں میں محفوظ رہ گئیں اور آج بھی لوگ انھیں پڑھ پڑھ کر ہنستے ہیں۔ یہ چیلنج آج سے 1400 سال پہلے دیا گیا تھا اور آج بھی موجود ہے۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ قبطی عیسائی موجود ہیں۔ یہ لوگ نسلاً عرب ہیں۔ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ یہ چیلنج ان کے سامنے بھی موجود ہے۔

اگر وہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کو غلط ثابت کر دیں تو انھیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ قرآن مجید جیسی ایک سورۃ بنا کر دکھا دیں اور اگر آپ غور کریں تو صورت حال یہ ہے کہ قرآن کی بعض سورتیں انتہائی مختصر ہیں اور چند الفاظ پر مشتمل ہیں۔ لیکن نہ تو آج تک کوئی یہ چیلنج قبول کر سکتا ہے اور نہ کبھی آئندہ قبول کر پائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کوئی یہ کہے کہ عربی میری مادری زبان ہے۔ میں یہ زبان جانتا ہی نہیں۔ میں یہ امتحان کیسے دے سکتا ہوں؟

قرآن غیر عربوں کے لئے بھی ایک معیار پیش کر دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی شخص خواہ وہ عربی نہ جانتا ہو۔ اس طرح قرآن کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

”افلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه

اختلافاً كثيراً“

(القرآن الکریم، سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا

تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔“

گو یا ارشاد قرآنی یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہو تو صرف اتنا کرو کہ قرآن مجید میں تضاد یا اختلاف بیانی کی کوئی ایک ہی مثال پیش کر دو۔ قرآن مجید کی کوئی ایک غلطی، تضاد یا اختلاف دکھا دو تو تم یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے کہ قرآن کلام خداوندی نہیں ہے۔ انتہائی سیدھی سی بات ہے۔!

میں جانتا ہوں کہ سینکڑوں لوگ یہ کوشش کر چکے ہیں اور قرآن میں غلطیوں اور تضادات کی بزم خویش نشان دہی کر چکے ہیں لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ سو فی صد غلط بیانی کی گئی ہے، سیاق و سباق سے ہٹ کر بات کی گئی ہے، غلط ترجمہ کیا گیا ہے یا دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ آج تک کوئی بھی شخص قرآن مجید میں ایک غلطی یا تضاد بھی ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

فرض کیجئے ایک مولانا صاحب ہیں، جو تاریخ اسلام کے بارے میں اچھا علم رکھتے ہیں لیکن جدید سائنس کے بارے میں علم نہیں رکھتے۔ میں بہت سے ایسے علماء کو جانتا ہوں جو دینی علوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں اور سائنس میں بھی لیکن میں ایک ایسے عالم کی مثال دے رہا ہوں جو دینی علوم کا تو ماہر ہے لیکن سائنسی علوم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر ایسے کسی عالم کے سامنے یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ قرآن میں فلاں فلاں سائنسی اغلاط موجود ہیں اور یہ عالم جواب نہ دے پائے، وضاحت نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن مجید میں واقعی یہ غلطیاں موجود ہیں اور یہ کہ قرآن (نعوذ باللہ) کلام خداوندی نہیں ہے۔

کیوں کہ قرآن تو کہتا ہے:

”فاسئل بہ خبیراً“

(القرآن الکریم، سورۃ الفرقان، آیت نمبر 59)

”جاننے والے سے پوچھو۔“

اگر آپ قرآن مجید کے کسی سائنسی بیان کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی ایسے شخص سے پوچھنا پڑے گا جو سائنس کے بارے میں جانتا ہو۔ اسی صورت میں آپ کو پتہ چل سکے گا کہ قرآن مجید کیا کہہ رہا ہے۔

آج تک کوئی شخص قرآن مجید میں کوئی غلطی ثابت نہیں کر سکا اور نہ ہی آئندہ کوئی ثابت کر پائے گا۔ مندرجہ بالا گفتگو کے بعد کوئی ایسا شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن مجید

کلام خداوندی نہیں ہے۔ منزل من اللہ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں وہ مذکورہ بالا دلائل دیکھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مجید خداوندی کلام نہیں ہے۔

قرآن مجید کا امتیاز

یہودیت:

اس وقت ہمارے سامنے بائبل انجیل اور وید کے کچھ نسخے ہیں جن کو آسمانی کتب کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے زبور، تورات اور انجیل کو آسمانی کتب مانا ہے اور بائبل عہد عتیق میں سنتا لیس کتابیں ہیں جن کی بابت ان کے ماننے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ کتب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو ملی تھیں۔ عہد جدید کی ستائیس کتب میں جو عہد عیسیٰ علیہ السلام میں الہام ہوئی ہیں، یہ وہ کتب ہیں جن کا اکثر حصہ پہلے بھی عیسائی علماء میں مشکوک رہا ہے، لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مقام نائس کا تہج اور فلارنس میں بیٹھ کر عیسائی علماء نے مشورہ کیا اور مشکوک کتب کو مقبول بنا دیا۔

(صحف ساموی، صفحہ نمبر 14)

یہ سب اس وجہ سے نامعتبر ہیں کہ ان کے لانے والوں اور ان کے ناقلوں کا ہم کو کہیں پتہ نہیں ملتا کہ آیا وہ سچے تھے یا جھوٹے، گمراہ تھے یا نیک راہ، قوی حافظہ والے تھے یا سہو و نسیان کے پتلے، پھر جو پہنچایا وہ بعینہ پہنچایا یا ملا جا کر پہنچایا، جس واقعہ سے اس قدر ابہام ہو جب وہ واقعہ سچا نہیں مانا جاسکتا ہے تو کون اپنے عقائد، اپنے اعمال بلکہ خود اپنے آپ کو ان بے سند کتابوں کے حوالہ کر سکتا ہے؟

عیسائیت:

عیسائیت کا دار و مدار انجیل مقدس پر ہے پھر انجیل کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ آپ یقین جانیں کہ اب انا جیل بھی غیر مستند ہیں۔ متی کی اصلی انجیل دنیا سے ناپید ہے، اس کا بس ترجمہ ہے اور وہ بھی بلا عبارت اور بس۔ لوقا اور مرقس سے جو انا جیل منسوب ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی نہ تھے، چنانچہ تیسری صدی میں ہی

صداقت اناجیل کے بارے میں اختلاف شروع ہو گیا تھا اور عیسائی علماء کی ایک بڑی جماعت کو ماننا پڑا تھا کہ یہ انتساب غلطی سے ہے۔ پھر موجودہ اناجیل کی تعلیم شرک اور کفر سے لبریز ہے جو آسمانی تعلیمات کے برعکس ہیں۔ نیز بہت سی باتیں فحش ہیں اور بہت سی ناقابل عمل۔ اس لیے یہ اصلی انجیل نہیں ہو سکتی۔ ابھی ابھی امریکہ میں ایک کمیٹی بیٹھی جس نے فیصلہ کیا کہ ہر سال انجیلوں کے جو تازہ ایڈیشن نکلتے چلے آ رہے ہیں ان سے صداقت انجیل اور بھی مشتبہ ہوتی جا رہی ہے، لہذا اب مزید کسی رد و قدح کی ضرورت نہیں ہے اور اب نئے ایڈیشن نہ نکالے جائیں۔

ایک انجیل جو برناباس حواری کی طرف منسوب ہے بابائے روم کتب خانہ سے نکلی ہے وہ چونکہ عیسائی علماء کے متعدد آپریشنوں سے کسی قدر بچی رہی اس لیے اس کے مضامین زیادہ تر قرآن مجید سے ملتے جلتے ہیں لیکن بہر حال اصلی وہ بھی نہیں ہے۔ انجیلوں کے موجودہ عقائد کو بیان کیا جائے تو انسانیت کو شرم آتی ہے۔

سناتن دھرم:

سناتن دھرم یعنی ہندو ازم۔ ان کی کتب ”وید“ کے حصے بھی آسمانی کتب نہیں ہیں کیونکہ ان کو خود آسمانی کتب ہونے کا دعویٰ نہیں ہے، نیز ان کی تاریخ کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ بعض ہندو علماء کہتے ہیں کہ یہ بیاس جی کی مرتب کردہ ہیں جو زرتشت کے زمانہ میں تھے اور بلخ جا کر ان کے شاگرد ہو گئے تھے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ کسی برہمن کی بنائی ہوئی ہیں۔ پروفیسر پنڈت کرشن کمار بھٹا چاریہ (کلکتہ کالج انڈیا میں سنسکرت کے پروفیسر تھے) نے لکھا ہے:

”رگ وید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کئے ہیں اور وہ مختلف زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ پھر اونچ نیچ، ذات پات، خداؤں کی کثرت، بہتات، یہ وہ باتیں ہیں جو عقل و انسانیت دونوں کے دامن پر بدنمادار ہیں اور کبھی بھی یہ خدائے واحد رب العالمین کی تعلیم نہیں ہو سکتیں۔ نیز اس میں بعض ایسی بے حیائی کی باتیں بلکہ تعلیمات ملتی ہیں جن کو قلم ظاہر نہیں کر سکتا۔ ان وجوہات سے ماننا پڑے گا کہ یہ بھی ہرگز آسمانی کتاب نہیں ہے۔ مہابھارت میں ویدوں کے احکام ایک دوسرے سے متضاد ہیں، اسی طرح سمرتی کے احکام بھی ہیں، کوئی رشی ایسا نہیں جس کی تعلیمات دوسرے رشی کے مخالف نہ ہوں۔“

مختلف زمانوں میں مختلف شاعروں نے اپنے ماحول، معاشرہ، بود و باش، رسوم و روایات اور قصص و حکایات کے متعلق جو کچھ نظم کیا وہ آریاؤں کی خانہ بدوشی کی زندگی اور بعد میں کاشتکاری کے زمانہ میں زبان زد خلأق تھا۔ بعد میں ویاس جی نے ان میں اپنے مسلک و خیالات کا اضافہ کیا اور تصنیف کی ممکن ہے کہ ویدوں میں کہیں کہیں الہامی تعلیمات ہوں، کیونکہ ان میں شرکیہ تعلیمات کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں الہامی تعلیمات کی جھلک بھی دکھائی دے جاتی ہے جتا پراں بحوالہ ہندو ازم صفحہ 90 پر لکھا ہے:

”ایک وید میں متعدد بار تحریف ہوئی ہے، رشیوں کی نسلوں نے اس میں نگاہ کی خرابی اور دل کی لغزش کی وجہ سے بہت سی اختلافی چیزیں داخل کر دی ہیں۔ منتروں، برہمنوں اور کلپ سوتوں کے نسق میں بہت سی تبدیلیاں ہو گئیں اور رگ، یجر اور سام وید بار بار مدون ہوئے۔ پہلے یجر وید ایک ہی تھا، پھر اس کے دو حصے ہو گئے، اسی طرح دوا پر ازمانہ میں تینوں ویدوں میں خلفشار واقع ہو گیا۔“

فرانسیسی عالم ڈاکٹر لبیان لکھتا ہے:

”ان ہزار ہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں، ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ کے کسی واقعہ کو معین کرنے کے لیے ہمیں بالکل بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان تاریخی کتابوں میں یہ عجیب و غریب خاصیت یعنی ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنے کی نہایت بین طور پر پائی جاتی ہے اور انسان کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے۔ قدیم ہندوؤں کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے اور نہ عمارات اور یادگاروں سے اس کی تلافی ہوتی ہے۔ ہندوستان کا تاریخی زمانہ فی الواقع مسلمانوں کی فوج کشی کے بعد شروع ہوا اور ہندوستان کے پہلے مؤرخ مسلمان ہیں۔“

ہندوؤں کی متبرک کتابیں وید ہیں، جن کی تعداد چار ہے۔ رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید۔ وید کو سمرتی بھی کہتے ہیں جس کا مطلب ہے سنی سنائی باتیں۔ اس میں دو ہزار برس پر محیط لٹریچر ہے، سب سے پرانا رگ وید ہے۔ اس میں سے بقیہ وید بنائے گئے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب رگ وید ضائع ہو چکی تھی۔ یہ وید برہمنوں کے سینہ بسینہ روایات کی شکل میں منتقل

ہوتا رہتا تھا۔

(تمدن ہند، صفحہ 144 تا 147)

اگرچہ ہندو ازم کے متعلق بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر جب ہم اس مذہب کی تعلیمات اور ہندوؤں کی روزانہ کی عبادات پر نظر ڈالتے ہیں تو توحید کی جگہ ہمیں کفر و شرک، اصنام پرستی اور مظاہر پرستی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ بقول ہندوؤں کے ان کے دیوتاؤں کی کل تعداد تیس کروڑ ہے۔ ہندوؤں نے زمین کے ہر جاندار کو بے جان کا ایک ایک دیوتا بنایا ہوا ہے۔ اگر کائنات کے ہر سیارے اور ستارے کا بھی دیوتا مقرر کریں تو تیس کروڑ کیا بلکہ لاکھوں دیوتا بنانے پڑیں گے۔

ویدوں کی جملہ تعلیمات یہ ہیں:

- 1: ویدوں کی تعلیمات انسانوں پر ظلم و زیادتی کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ انسانیت کی تذلیل اور کمزوروں اور نیچی ذات والوں کے استحصال کا درس دیتی ہیں۔
- 2: ویدیں نفرت کا پرچار کرتی ہیں، لوٹ مار اور غارت گری کو اونچی ذات والوں کے لیے جائز قرار دیتی ہیں اور اونچ نیچ پیدا کر کے غیر مساوی سلوک کا حکم دیتی ہیں۔
- 3: وید عبادات کے ضمن میں بت پرستی، کفر اور شرک کی تعلیم دیتی ہیں، جو کہ خطرناک ترین گناہ ہے۔
- 4: ویدوں کی تعلیمات انسانی ذہن کی اختراع ہیں جن کا جزوی طور پر بھی ننانونے فیصد حصہ الہامی تعلیمات سے ذرا برابر بھی تعلق نہیں رکھتا۔
- 5: ویدوں میں برہمن کو غیر منصفانہ حد تک حقوق دیئے گئے ہیں۔ جو کام دوسروں کے لیے گناہ ہیں برہمن کے لیے جائز کئے گئے ہیں۔ ویدوں میں غیر برہمن کے حقوق کو بری طرح سے پامال کیا گیا ہے اور ان کی حق تلفیاں کی گئی ہیں۔
- 6: وید خود ساختہ دیوتاؤں، اجرام فلکی، آگ، پانی، ہوا اور مٹی کی پرستش کی اجازت دیتی ہیں۔

7: ویدوں میں انسانوں کو خدائی درجہ دیا گیا ہے۔

8: ویدوں میں اندارا، وشنو اور برہما دیوتاؤں (خود ساختہ خداؤں) کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کی حرام کاریاں اور شہوت پرستیاں بھی مذکور ہیں، جو ان کو عام نیک انسان سے بھی پست

درجہ پر ظاہر کرتی ہیں۔ ایسی صورت میں بری طرح سے ان کی بے حرمتی کی گئی ہے۔
 9: ویدوں میں عضو تناسل (شرمگاہ) کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے، جس کی مثال قدیم بت پرست قوموں میں بھی نہیں ملتی۔

10: وہ خدا ہی کیا جو تخلیق ہو جائے؟ اللہ تعالیٰ تو تمام عیوب سے پاک ہے مگر ویدوں میں نہ صرف تخلیق کائنات کے حوالے سے غیر منطقی تعلیمات دی گئی ہیں بلکہ دیوتاؤں کی تخلیق کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

11: اسی پر بس نہیں کہ دیوتاؤں کو مخلوق کی طرح تصور کر کے ان کی بیویاں بھی بتائی گئی ہیں جن کا نام سری دیوی، کالی کلکتہ والی اور لکشمی دیوی ہے۔

12: ویدوں میں عورتوں کی بری طرح سے تذلیل کی گئی ہے۔ ان کو جائز حقوق نہیں دیئے گئے۔

13: ویدوں میں برہمنوں کے حلولی دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے جسے www.onlyfor3.com، کرشن لیللا، ہنومان جی وغیرہ۔ www.onlyoneorthree.com

14: آخرت کا تصور بھی غیر حقیقی ناقابل یقین ہے۔
 15: ویدوں کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کے ماننے والوں میں شادی کا رواج مفقود تھا۔ یہ لوگ مادر پدر آزاد تھے یہ۔ لوگ جنسی تسکین کے لیے فواحشات کا سہارا لیتے تھے۔ یہ لوگ جنسی تسکین کے لیے اپنی ماں، بہن، بیٹی سے بھی منہ کالا کر لیتے تھے۔ ویدوں کی تعلیمات نے ان میں آج تک وہ اثرات باقی رکھے ہیں۔ مشہور ہے کہ راجہ داہرنے اپنی سگی بہن سے شادی کر لی تھی۔ مذہب کے نام پر آج بھی یہ لوگ جنسی بے راہ روی کا شکار ہیں۔

16: ویدوں کو ماننے والے لوگ مندروں میں ہم بستری کرنے کو بڑی عبادت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پانچ ہزار برس قبل بابل و نینوا کی تہذیب میں بھی مندروں کا یہی عالم تھا اور سرشام نو جوان مندروں کا رخ کر لیتے تھے اس دور میں دیوداسیوں (جوان عورتوں) کو یہ ذہن نشین کروا دیا جاتا تھا کہ مردوں کے ساتھ شب ب سری اور ہم بستری بہت بڑی عبادت اور ثواب کا کام ہے یہ روایت مندروں میں آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس دور میں فحاشی کی تمام صورتیں موجود تھیں۔

پس ثابت ہوا کہ آج سوائے قرآن کے کوئی بھی مذہبی کتاب ایسی نہیں جو منزل من اللہ ہو اور اپنی اصلی حالت پر سلامت ہو۔ قرآن مجید کا ایک ایک حرف، ایک ایک نقطہ اور شوشہ محفوظ ہے

کہ جس کی تعلیمات نے ایک مردہ عالم کو زندگی کی جنت الفردوس بخشی تھی اور جو آج بھی زندہ ہے، کروڑوں سینوں میں محفوظ ہے اور جس کی تعلیمات کی طرف چارونا چار یورپ، امریکہ اور دنیا کی تمام قومیں آہستہ آہستہ کھنچی چلی آرہی ہیں۔

پس مضبوط اور ناقابل انکار شہادتوں سے ثابت ہے کہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال سے پہلے سارا عالم واقعی جہالت، شک، تحریف، لامذہبی، بے دینی اور بے رہنمائی کی خطرناک دلدلوں میں پھنسا ہوا تھا۔ دنیا ایک ایسے ہدایت نامے کی منتظر تھی جو لاریب فیہ ہو اور ایک ایسے رہنما کے لیے بے چین تھی جو لیکون للعالمین نذیرا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا پر رحم فرمایا اور ان میں اپنے نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ان کو اپنا کلام قرآن مجید عطا فرمایا، جس سے ساری دنیا کی جہالت دور ہو گئی۔

اعجازِ قرآن اور غیر مسلم فضلاء

یہ چند اقوال ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے نزدیک کوئی بات اس وقت تک معتبر نہیں ہوتی جب تک یورپ اور امریکہ کے فضلاء سے معتبر و مستند قرار نہ دے دیں۔ یہ سارے اقوال ”ذکری مصر“ جلد اول، صفحہ 327 تا 333 سے اخذ کئے گئے ہیں۔

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا:

چیمبرس انسائیکلو پیڈیا کہتے ہیں:

”قرآن نے ظلم، جھوٹ، غرور، انتقام، غیبت، طمع فضولی خرچی، حرام کاری، خیانت اور بدگمانی کی بہت سخت برائی بیان کی ہے اور یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔“

ڈاکٹر گستاوی بان فرانسیسی:

ڈاکٹر گستاوی بان فرانسیسی کہتے ہیں:

”قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پر زور ایمانی جوش پیدا کر دیتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔“

سرولیم میور:

سرولیم میور کہتے ہیں:

”قرآن نے فطرت اور کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کیا ہے اور انسانوں کو خدا کی اطاعت اور شکر گزاری پر جھکا دیا۔“

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم اے:

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم اے کہتے ہیں:

”میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا ہوں اور اس کے مفہوم و معانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو جاتی ہے، لیکن ژند اوستا (جو کہ پروفیسر صاحب کی مذہبی کتاب ہے) کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ علم الا زمان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم دیگر غراض کے لیے پڑھا جائے تو طبیعت میں ٹکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔“

مسٹر عمانوئل ڈی انش:

مسٹر عمانوئل ڈی انش کہتے ہیں:

”قرآن کی روشنی اس وقت یورپ میں نمودار ہوئی جب تاریکی محیط ہو رہی تھی اور اسی سے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندگی مل گئی۔“

ڈاکٹر جانسن:

ڈاکٹر جانسن کہتے ہیں:

”قرآن مجید کے مطالب ایسے مناسب اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے پر افسوس ہمارا تصور ہے کہ ہم کو دیکھ دیکھ کر دنیا اس سے نفرت کرتی ہے۔“

پروفیسر ریمیلڈ اے نکلسن:

پروفیسر ریمیلڈ اے نکلسن کہتے ہیں:

”قرآن کے اثر سے عربی زبان تمام اسلامی دنیا کی متبرک زبان بن گئی اور قرآن نے دختر کشی (بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے) کا خاتمہ کر دیا۔“

مسٹر ایچ ایس لیڈر:

مسٹر ایچ ایس لیڈر کہتے ہیں:

”تعلیم قرآن سے فلسفہ و حکمت کا ظہور ہوا اور ایسی ترقی کی کہ اپنے عہد کی بڑی سے بڑی یورپین سلطنت کی تعلیم حکمت سے بڑھ گیا۔“

مسٹر ای ڈی ماریل:

مسٹر ای ڈی ماریل کہتے ہیں:

”اسلام کی قوت و طاقت قرآن میں ہے۔ قرآن اساسی قانون ہے اور حقوق کی دستاویز ہے۔“

جان جاک ریسک، جرمنی فلاسفر:

جان جاک ریسک، جرمنی فلاسفر کہتے ہیں:

”جب پیغمبر ﷺ کی زبان سے منکر قرآن سنتے تو بیتاب ہو کر سجدے میں گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔“

تھیوڈور نولد کی:

تھیوڈور نولد کی کہتے ہیں:

”قرآن لوگوں کی ترغیب و تربیت کے ذریعہ معبودان باطل سے پھیر کر ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن میں موجودہ دور اور آئندہ کے علوم و فنون کا ذکر موجود ہے۔“

مسٹر سٹینلی لین پول:

مسٹر سٹینلی لین پول کہتے ہیں:

”قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہئے اور جو ایک بزرگ انسان (محمد) میں موجود تھا۔“

مسٹر جے ٹی بیٹانی:

مسٹر جے ٹی بیٹانی کہتے ہیں:

”قرآن نے بے حد و بیشمار انسانوں کے اعتقاد اور چال چلن پر نمایاں اثر ڈالا اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کر دیا۔“

ایچ جی ویلز:

ایچ جی ویلز کہتے ہیں:

”قرآن نے مسلمانوں کو ایسی مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل اور زبانوں کے فرق کی پابند نہیں ہے۔“

پادری والرشن ڈی ڈی:

پادری والرشن ڈی ڈی کہتے ہیں:

”قرآن کا مذہب امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔“

مسٹر بوسورتھ اسمتھ:

مسٹر بوسورتھ اسمتھ کہتے ہیں:

”محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ قرآن ان کا مستقل اور دائمی معجزہ ہے اور میں مانتا ہوں کہ واقعی یہ ایک معجزہ ہے۔“

گاڈ فری ہنکیس:

گاڈ فری ہنکیس کہتے ہیں:

”قرآن غریب آدمی کا دوست و غمخوار ہے اور چھوٹے بڑے سب آدمیوں کی نا انصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔“

مسٹر چرچ ڈسن:

مسٹر چرچ ڈسن کہتے ہیں:

”غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر (ہندوؤں کا

لٹریچر) قرآن سے بدل دیا جائے۔ (ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مثلاً ویدوں کی جگہ قرآن مجید کی تعلیم دی جائے تو غلامی ختم کی جاسکتی ہے)۔“

ڈین ٹینلی:

ڈین ٹینلی کہتے ہیں:

”قرآن کا قانون بے شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔“

میجر لیونارڈ:

میجر لیونارڈ کہتے ہیں:

”قرآن کی تعلیم بہترین ہے اور انسانی دماغوں پر نقش ہو جاتی ہے۔“

اخبار نیو ایسٹ:

اخبار نیو ایسٹ میں لکھا ہے

”اگر ہم قرآن کی عظمت و فضیلت اور حسن و خوبی سے انکار کریں تو ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہوں جائیں گے۔“

سراڈورڈ دینی سن راس سی آئی اے:

سراڈورڈ دینی سن راس سی آئی اے کہتے ہیں:

”قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پڑھا جائے۔“

ڈاکٹر چارٹن:

ڈاکٹر چارٹن کہتے ہیں:

”قرآن کا طرز تحریر دل آویز ہے، رواں ہے، مختصر اور جامع ہے۔ قرآن خدا کا ذکر شاندار طریقہ سے کرتا ہے۔“

مسٹر ارنلڈ و ہائٹ:

مسٹر ارنلڈ و ہائٹ کہتے ہیں:

”قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی و خیرات و فیاضی بھی

قرآن نے وہ اصول فطرت پیش کیے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔“

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ڈاکٹر مورلیس فرانسیسی:

ڈاکٹر مورلیس فرانسیسی کہتے ہیں:

”قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔“

مسٹر لڈلف کرمل:

مسٹر لڈلف کرمل کہتے ہیں:

”قرآن میں عقائد و اخلاق کا مکمل ضابطہ و قانون موجود ہے، وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، انصاف و عدالت، فوجی تنظیم، تربیت، مالیات اور غرباء کی حمایت و ترقی کے اعلیٰ آئین موجود ہیں اور ان سب باتوں کی بنیاد ذات باری تعالیٰ کے اعتقاد پر رکھی گئی ہے۔“

جارج سیل:

جارج سیل کہتے ہیں:

”قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔“

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

ریورنڈ جی ایم راڈویل:

ریورنڈ جی ایم راڈویل کہتے ہیں:

”قرآن کی تعلیم نے بت پرستی مٹائی، جنات اور مادیات کا شرک مٹایا، اللہ کی اور عبادت قائم کی بچوں کے قتل کی رسم نیست و نابود کر دی۔“

آریورٹھ میکسویل کنگ:

آریورٹھ میکسویل کنگ کہتے ہیں:

”قرآن الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اسلام کے اصول و قوانین اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ کے کاروبار کی نسبت ہدایات موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کے مذہبی تعلیم و قانون علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔“

موسیو داجین کلافل فرانسیسی:

موسیو داجین کلافل فرانسیسی کہتے ہیں:

”قرآن مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعی احکام بھی ہیں جو انسان کی زندگی کے لیے ہر حالت میں مفید ہیں۔“

ڈیون پورٹ:

ڈیون پورٹ کہتے ہیں:

”قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی اور تعزیری سب ہی معاملات اس میں ہیں، باوجود اس کے کہ یہ ایک مذہبی کتاب ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ موضوع بنایا۔“

پروفیسر کارلائل:

پروفیسر کارلائل کہتے ہیں:

”میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے پیدا ہو سکتی ہے۔“

کونٹ ہنری وی کاسٹری:

کونٹ ہنری وی کاسٹری کہتے ہیں:

”قرآن کو دیکھ کر عقل حیرت میں ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔“

ڈاکٹر گین:

ڈاکٹر گین کہتے ہیں:

”قرآن وحدانیت کا بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی۔“

الکس لو ازول فرانسیسی فلاسفر:

الکس لو ازول فرانسیسی فلاسفر کہتے ہیں:

”قرآن روشن اور پر حکمت کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوا جو سچائی تھا اور خدا نے اس کو بھیجا تھا۔ جدید علمی انکشافات میں یا ان مسائل میں جن کو ہم نے علم کے زور سے حل کیا ہے یا ہنوز زیر تحقیق و نظر ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تحقیقات قرآنی کے مخالف ہو۔ ہم نصرانیوں (عیسائیوں) نے نصرانیت کو علم و سائنس کے ہم آہنگ و ہم نشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں یہ سب کچھ پہلے ہی سے موجود ہے اور پوری طرح سے موجود ہے۔“

موسیو سیڈ فرانسیسی:

موسیو سیڈ فرانسیسی کہتے ہیں:

”اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی معیوب عادتوں کی کاپیا پلٹ گئی۔“

موسیو کاسٹن کار:

موسیو کاسٹن کار کہتے ہیں:

”روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہے تو دنیا کا امن و امان کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔“

ایکیم دی بولف جرمن:

ایکیم دی بولف جرمن کہتے ہیں:

”قرآن نے صفائی، طہات اور پاکبازی کی ایسی تعلیم دی کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بیماروں کے کیڑے سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔“

مسٹر روڈول:

مسٹر روڈول کہتے ہیں:

”جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، لیکن فوراً ہی ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عقیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جابجا اس کے مضامین سخن غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا زور اثر دکھاتی رہے گی۔“

گوئے:

گوئے کہتے ہیں:

”جس قدر ہم اس کتاب (قرآن مجید) کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ اسی قدر اس کی تعلیمات ہمیں کھینچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے، پھر متعجب کرتی، فرحت آمیز تحیر دیتی اور آخر کار اپنا احترام کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔“

پاپولر انسائیکلو پیڈیا:

پاپولر انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے:

”قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اسکی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بیشل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے احکام اس قدر مطابق عقل

وحکمت و فطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔“

اڈمنڈ برک:

اڈمنڈ برک کہتے ہیں:

”اسلامی قانون (قرآن مجید) ایک تاجدار سے لیکر ادنیٰ ترین افراد و رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو ایک معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔“

بابائنا تک:

بابائنا تک کہتے ہیں:

”تورات، زبور، انجیل اور وید وغیرہ سب کو پڑھ کر دیکھ لیا، قرآن ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی۔ اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی تلاوت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے وہ قرآن شریف ہی ہے۔“

بابا بھوپندر ناتھ باسو:

بابا بھوپندر ناتھ باسو کہتے ہیں:

”تیرہ سو برس کے بعد (یہ بات بابا بھوپندر نے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے لکھی تھی) بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔“

بابو پن چندر بال:

بابو پن چندر بال کہتے ہیں:

”قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔“

مسز سروجی ٹائیڈو:

مسز سروجی ٹائیڈو کہتے ہیں:

”قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ دنیا اس کی پیروی سے خوش حال ہو سکتی ہے۔“

مہاتما گاندھی:

مہاتما گاندھی کہتے ہیں:

”مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر بھی تاثر نہیں۔“

☆☆☆

الجزء الرابع:

www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com

پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر بانیان مذاہب کا تقابل

انبیاء کرام علیہم السلام اور نبی کریم ﷺ:

جن انبیاء کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے ان کو اگرچہ ہم یقینی طور پر نبی مانتے اور جانتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی تعلیم اور سیرت بھی ہم تک کسی قابل اعتماد اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچتی کہ ہم اس کی پیروی کر سکیں۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت الیاس، حضرت خضر، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت یوشع، حضرت ذوالکفل، حضرت ادریس، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بلاشبہ نبی تھے اور ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، مگر ان پر نازل ہونے والی کوئی کتاب آج محفوظ شکل میں موجود نہیں ہے کہ اس سے ہم ہدایت حاصل کر سکیں اور ان میں سے کسی کی زندگی کے حالات بھی ایسے محفوظ اور معتبر طریقے سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کو اپنا رہنما بنا سکیں۔ اگر ان سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور سیرت پر کوئی شخص کچھ لکھنا چاہے تو چند صفحات سے زیادہ نہیں لکھ سکتا اور وہ بھی صرف قرآن و احادیث کی مدد سے کیونکہ قرآن و احادیث کے سوا ان کے بارے میں کوئی مستند مواد موجود نہیں ہے جیسا کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ہر گوشہ محفوظ ہے اور احادیث، سیر و تاریخ میں درج ہے۔

حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام:

حضرت موسیٰ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء اور ان کی تعلیمات کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ بائبل کے عہد عتیق (Old Testament) میں ہیں، لیکن تاریخی اعتبار سے ذرا بائبل کا جائزہ لے کر دیکھئے۔ اصل تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی چھٹی صدی قبل

مسح میں بیت المقدس کی تباہی کے وقت ضائع ہو چکی تھی اور اسی کے ساتھ دوسرے انبیاء کے صحیفے بھی ضائع ہو گئے تھے جو اس زمانے سے پہلے ہو گزرے تھے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل اسیری سے رہا ہو کر فلسطین پہنچے تو حضرت عزیر (Ezra) نے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کی اور اسی میں تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دیں جو انہیں اور ان کے مددگاروں کو دستیاب ہو سکیں۔ اس کے بعد چوتھی صدی عیسوی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی قبل مسیح تک مختلف لوگوں نے (جو نہ معلوم کون تھے) ان انبیاء کے صحیفے (نہ معلوم کن ذرائع سے) تصنیف کر لئے جو ان سے کئی صدی قبل گزر چکے تھے۔ مثلاً: ۳۰۰ قبل مسیح میں حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے ایک کتاب کسی شخص نے لکھ کر بائبل میں درج کر دی، حالانکہ وہ آٹھویں صدی قبل مسیح کے نبی تھے۔ زبور (Psalms) حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے پانچ سو برس بعد لکھی گئی اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے علاوہ تقریباً ایک سو دوسرے شاعروں کی نظمیں بھی شامل کر دی گئیں جو معلوم نہیں کن ذرائع سے زبور مرتب کرنے والوں کو پہنچی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ۹۳۳ قبل مسیح میں ہوئی اور امثال سلیمان (Riolverhs) ۲۵۰ قبل مسیح میں لکھی گئی اور اس میں دوسرے بہت سے حکماء کے اقوال بھی شامل کر دیئے گئے۔

غرض بائبل کی کسی کتاب کی سند بھی ان انبیاء تک نہیں پہنچی جن کی طرف وہ منسوب ہے۔ اس میں مزید یہ کہ عبرانی بائبل کی یہ کتابیں بھی ۷۰ء میں بیت المقدس کی دور تباہی کے وقت ضائع ہو گئیں اور ان کا صرف یونانی ترجمہ باقی رہ گیا جو ۲۵۸ قبل مسیح سے پہلی صدی قبل مسیح تک کیا گیا تھا۔ عبرانی بائبل کو دوسری صدی عیسوی میں یہودی علماء نے ان مسودات کی مدد سے مرتب کیا جو بچے رہ گئے تھے۔ ان کا قدیم ترین نسخہ اب موجود نہیں۔ بحیرہ مردار (Dead Sea) کے قریب غار قمران میں جو عبرانی خریطے (Scrolls) ملے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح کے لکھے ہوئے ہیں اور ان میں بائبل کے صرف چند منتشر اجزاء ہی پائے جاتے ہیں۔ بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا (جو سامریوں (Samritans) کے ہاں رائج ہیں) قدیم ترین نسخہ گیارہویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ یونانی ترجمہ جو تیسری صدی عیسوی میں ہوا۔ حضرت موسیٰ اور بعد کے انبیاء بنی اسرائیل کے حالات اور تعلیمات کے بارے میں اس مواد کو آخر کس معیار کے لحاظ سے مستند کہا جاسکتا ہے؟

اس کے علاوہ یہودیوں میں کچھ سینہ بہ سینہ روایات بھی پائی جاتی تھیں جنہیں زبانی قانون (Oral Law) کہا جاتا تھا۔ یہ تیرہ چودہ سو برس تک غیر مکتوب رہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر اور تیسری صدی کے آغاز میں ربی یہودابن شمعون نے ان کو مثناء (Mishnan) کے نام سے تحریری شکل دی۔ فلسطینی علمائے یہود نے ان کی شرحیں حلقہ (Melakh) کے نام سے اور بابلی علماء نے گمارا کے نام سے تیسری اور پانچویں صدی میں لکھیں۔ انہیں تین کتابوں کا مجموعہ تالمود کہلاتا ہے۔ ان کی کسی روایت کی کوئی سند نہیں ہے جن سے معلوم ہو سکے کہ یہ کن لوگوں تک پہنچیں۔

اس کے برعکس آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بلحاظ سند موجود ہے۔ تاریخ عالم کے جاننے والے جانتے ہیں کہ جیسے طرز و طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث کو محفوظ کیا اور کسی عظیم سے عظیم ہستی کے اقوال و احوال کو اس طرح سند سے جمع نہیں کیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر پہلو اور گفتگو کی ہر جز موجود ہی نہیں بلکہ محفوظ بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور تعلیمات بھی محفوظ نہ رہی سکی۔ اصل انجیل جو خدا کی طرف سے وحی کے ذریعہ ان پر نازل ہوئی تھی اسے انہوں نے زبانی ہی لوگوں کو سنایا اور ان کے شاگردوں نے بھی زبانی ہی اسے دوسروں تک اس طرح پہنچایا کہ آنجناب کے حالات اور انجیل کی آیات سب کو خلط ملط کر دیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی حضرت مسیح کے زمانے میں یا ان کے بعد لکھی ہی نہیں گئی۔ لکھنے کا کام ان عیسائیوں نے کیا جن کی زبان یونانی تھی، حالانکہ حضرت عیسیٰ کی علیہ السلام کی زبان سریانی (Syric) یا آرامی (Aramaic) تھی اور ان کے شاگرد بھی یہی زبان بولتے تھے۔

یونانی زبان بولنے والے بہت سے مصنفین نے ان روایات کو آرامی زبان میں سنا اور یونانی میں لکھا۔ ان مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے کوئی بھی ۷۰ء سے پہلے کی نہیں ہے اور ان میں سے کسی نے بھی کسی واقعہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول کی سند بیان نہیں کی، جس سے معلوم ہو کہ انہوں نے کون سی بات کس سے سنی تھی۔

پھر ان کی لکھی ہوئی کتابیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ بائبل کے نئے عہد نامے (New Testament) کے ہزاروں یونانی نسخے جمع کئے گئے، مگر ان میں سے کوئی بھی چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے بلکہ زیادہ تر گیارہویں سے چودھویں صدی تک کے ہیں۔ مصر میں یا پیرس میں لکھے ہوئے جو منتشر اجزاء ملے ہیں ان میں سے بھی کوئی تیسری صدی سے قدیم تر نہیں ہے۔

یونانی سے لاطینی زبان میں انجیل کا ترجمہ کس نے کب اور کہاں کیا؟ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ چوتھی صدی میں پوپ کے حکم سے اس پر نظر ثانی کا کام کیا گیا اور پھر سولہویں صدی میں اسے چھوڑ کر یونانی سے لاطینی میں ایک نیا ترجمہ کر دیا گیا۔ یونانی سے سریانی زبان میں چاروں انجیلوں کا ترجمہ غالباً ۲۰۰ء میں ہوا تھا، مگر اس کا بھی قدیم ترین نسخہ جواب پایا جاتا ہے چوتھی صدی کا لکھا ہوا ہے اور پانچویں صدی کا جو قلمی نسخہ ملا ہے وہ اس سے کافی مختلف ہے۔

سریانی سے جو عربی ترجمے کئے گئے ان میں سے بھی کوئی ترجمہ آٹھویں صدی سے پہلے کا نہیں ہے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ستر کے قریب انجیلیں لکھی گئی تھیں، مگر ان میں سے صرف چار کو پیشوایان دین مسیح نے قبول کیا اور باقی سب کو رد کر دیا۔ کچھ نہیں معلوم کہ قبول کیا تو کیوں؟ اور رد کیا تو کیوں؟ کیا اس مواد کی بناء پر حضرت عیسیٰ کی سیرت اور ان کی تعلیمات کو کسی درجے میں بھی مستند مانا جاسکتا ہے؟

زرتشت کی سیرت:

دوسرے پیشوایان مذاہب کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ مثلاً: زرتشت (Zoroasib) کو لیجئے جس کا صحیح زمانہ پیدائش بھی اب تک ٹھیک معلوم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سکندر کی فتح ایران سے ڈھائی سو سال پہلے اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے، یعنی مسیح سے ساڑھے پانچ سو سال قبل۔ اس کی کتاب اوشا اپنی اصل زبان میں اب ناپید ہے اور وہ زبان بھی مردہ ہو چکی ہے جس میں وہ لکھی یا زبانی بیان کی گئی تھی۔ نویں صدی عیسوی میں اس کے بعض اجزاء کا ترجمہ 9 جلدوں میں تشریح کے ساتھ کیا گیا تھا مگر ان میں سے پہلی دو جلدیں ضائع ہو گئیں اور اب اس کا جو قدیم ترین نسخہ پایا جاتا ہے وہ تیرہویں صدی کے وسط کا لکھا ہوا ہے۔

یہ تو ہے زرتشت کی پیش کردہ کتاب کا حال۔ رہا خود اس کی سیرت کا معاملہ تو اس کے متعلق ہماری معلومات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں کہ ۴۰ سال کی عمر میں اس نے تبلیغ شروع کی۔ دو سال بعد شاہ گشتا سب نے اس کی پیروی اختیار کر لی اور اس کا ہم مذہب بن گیا۔ ۷۷ سال وہ زندہ رہا اور اس کی موت پر جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کی زندگی عجیب و غریب افسانوں کا مجموعہ بنتی چلی گئی، جن میں سے کسی کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

مہاتما بدھ مت:

دنیا کی مشہور ترین مذہبی شخصیتوں میں سے ایک بدھ مت تھا۔ مگر اس نے سرے سے کوئی کتاب ہی پیش نہیں کی، نہ اس کے پیروؤں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ کوئی کتاب لایا تھا۔ اس کی وفات کے سو سال بعد اس کے اقوال اور حالات کو جمع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا اور صدیوں تک چلتا رہا، مگر اس طرح کی جتنی بدھ مذہب کی اصل کتابیں سمجھی جاتی ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی کوئی سند درج نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ کس ذریعہ سے ان احوال و اقوال اور تعلیمات کے مرتب کرنے والوں کو بدھ مت کے حالات اور اس کے اقوال پہنچے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کی حفاظت:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہم دوسرے انبیاء اور مذہبی پیشواؤں کی طرف رجوع کریں تو بھی ان کے بارے میں کوئی مستند ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے ہم ان کی تعلیمات اور ان کی زندگیوں سے اطمینان اور یقین کے ساتھ رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس طرح ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم کسی ایسے نبی کی طرف رجوع کریں گے جس نے کوئی قابل اعتماد اور تحریف و آمیزش سے پاک کتاب چھوڑی ہو اور جس کے مفصل حالات و اقوال و اعمال معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچے ہوں، تاکہ ہم ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ ایسی شخصیت پوری دنیا کی تاریخ میں صرف ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو اس صریح دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی بھی قول اس میں شامل نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔ بائبل کی

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات، عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الہی کے ساتھ خلط ملط نہیں کر دیا گیا۔ یہ خالص کلام اللہ (Word of God) ہے۔ اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے۔ اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے۔

یہ کتاب جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونی شروع ہوئی تھی اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جب کوئی وحی آتی اسی وقت آپ اپنے کسی کاتب کو بلا تے اور اسے لکھوا دیتے تھے۔ لکھنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ایک محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے۔ ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جائے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان میں بہت زیادہ تعداد ایسے اصحاب کی تھی جنہوں نے کم و بیش اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لئے تھے۔ الغرض:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کاتبین وحی سے قرآن مجید از اول تا آخر لکھوایا۔

2: بہت سے صحابہ نے پورا کا پورا قرآن لفظ بہ لفظ یاد کر لیا۔

3: صحابہ کرام میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے قرآن مجید کا کوئی نہ کوئی حصہ، تھوڑا یا زیادہ یاد نہ کر لیا ہو، کیونکہ اسے نماز میں پڑھنا ضروری تھا اور صحابہ کی تعداد کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری حج میں ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ شریک تھے۔

4: پڑھے لکھے صحابہ کی ایک اچھی تعداد نے اپنے طور پر قرآن مجید کو لکھ بھی لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر اس کی صحت کا اطمینان بھی کر لیا تھا۔

پس یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن مجید ہمارے پاس موجود ہے یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نوشتوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوا لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں۔ ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک استنبول میں اور دوسری تاشقند میں۔ جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملا لے، کوئی فرق وہ نہ پائے گا اور فرق وہ کیسے سکتا ہے کہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت (Ganeration) میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے۔ ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔

چھٹی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے میں لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ 42 ہزار نسخے جمع کئے تھے۔ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کئے گئے تھے۔ افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہ ہوئے۔

قرآن مجید کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ عراق سے مراکو تک تقریباً 12 کروڑ انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی لاکھوں آدمی اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے 14 سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں۔ آج ہر عربی دان اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح 14 سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کیلئے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تغیر و تبدل موجود ہے۔

محفوظ ترین سیرت:

اب دوسری خصوصیت کو دیکھئے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور پیشوا یا ان مذاہب میں یکتا ہیں، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی محفوظ ہے جس سے ہم زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک جتنے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا حکم دیتے سنایا کسی چیز سے منع کرتے سنا ان کی ایک عظیم تعداد نے سب کچھ یاد رکھا اور بعد کی نسل تک اسے پہنچایا۔ بعض محققین کے نزدیک ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس تک پہنچتی ہے جنہوں نے آنکھوں دیکھے اور کانوں سے ہوئے واقعات بعد کی نسل تک منتقل کئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام خود لکھوا کر بھی بعض لوگوں کو دیئے یا بھیجے تھے جو بعد کے لوگوں کو ملے۔ صحابہ میں سے کم از کم چھ اصحاب ایسے تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادی تھیں تاکہ ان میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ یہ تحریریں بھی بعد میں آنے والوں کو ملیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کم از کم پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، واقعات اور اقوال تحریری صورت میں جمع کئے اور یہ ذخیرہ علم بھی ان لوگوں تک پہنچا جنہوں نے بعد میں احادیث جمع اور مرتب کرنے کی خدمت انجام دی۔

پھر جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیرت کی معلومات زبانی روایت کیں ان کی تعداد بعض محققین کے نزدیک ایک لاکھ تک پہنچتی ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ کیونکہ آخری حج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اس میں ایک لاکھ چالیس ہزار آدمی موجود تھے۔ اتنے آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کا طریقہ سیکھا۔ وہ تقریریں سنیں جو اس حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اتنے لوگ جب ایسے اہم موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے کے بعد اپنے علاقوں میں واپس پہنچے ہوں گے تو وہاں ان کے عزیزوں، دوستوں اور ہم وطنوں نے ان سے اس سفر کے حالات نہ پوچھے ہوں اور حج کے احکام دریافت نہ کئے ہوں۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے اس دنیا سے گزر

جانے کے بعد لوگ کس اشتیاق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال اور احکام و ہدایات ان لوگوں سے پوچھتے ہوں گے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو روایات بعد کی نسلوں تک پہنچی تھیں ان کے بارے میں ابتدا ہی سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہتا اس کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس نے وہ بات کس سے سنی ہے اور اوپر سلسلہ بہ سلسلہ کون کس سے وہ بات سنتا اور آگے بیان کرتا رہا ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک روایت کی پوری کڑیاں دیکھی جاتی تھیں تاکہ یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ صحیح طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئی ہے۔ اگر روایت کی پوری کڑیاں نہ ملتی تو اس کی صحت مشتبہ ہو جاتی تھی۔ اگر کڑیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتیں لیکن بیچ میں کوئی راوی ناقابل اعتماد ہوتا تو ایسی روایت بھی قبول نہ کی جاتی تھی۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے انسان کے حالات اس طرح سے مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی بات بھی سند کے بغیر نہیں کہی گئی۔

سند میں بھی صرف یہی نہیں دیکھا گیا کہ ایک حدیث کا سلسلہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس سلسلے کے تمام راوی بھروسے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اس غرض کے لئے راویوں کے حالات کی بھی پوری جانچ پڑتال کی گئی اور اس پر مفصل کتابیں لکھ دی گئیں، جن سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون قابل اعتماد تھا اور کون نہ تھا۔ کس کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا۔ کس کا حافظہ ٹھیک تھا اور کس کا ٹھیک نہ تھا۔ کون اس شخص سے ملا تھا جس سے اس نے روایت نقل کی ہے اور کون اس سے ملاقات کے بغیر ہی اس کا نام لے کر روایت بیان کر رہا ہے۔ اس طرح اتنے بڑے پیمانے پر راویوں کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں کہ آج بھی ہم ایک ایک حدیث کے متعلق یہ جانچ سکتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ذرائع سے آئی ہے یا ناقابل اعتماد ذرائع سے۔ انسانی تاریخ میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں پایا جاتا جس کے حالات زندگی اس قدر مستند طریقے سے منقول ہوئے ہوں۔

علاوہ ازیں آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادیان مذاہب میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات کی وجہ سے منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

بانیان مذاہب میں رسول اللہ ﷺ کی امتیازی خصوصیات

عالمگیریت:

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام خاص قوموں کے لئے مختلف ادوار میں تشریف لائے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ کرۂ ارض کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ ساری دنیا کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے اس کا اعلان خود بھی بحکم الہی کیا:

”یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً“

”اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔“

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۱۵۸)

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ کے لئے خاص ہے۔ آپ سے قبل جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”مجھ سے پہلے ہر نبی مخصوص قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

آپ کے اس ارشاد کی سچائی پر اب پورا عالم اسلام شاہد ہے۔ دنیا کا کونسا خطہ، ملک یا براعظم ہے جہاں غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔ اسی طرح شعیب، نوح اور ہود علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے آئے تھے، لہذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخری بین الاقوامی رسول ہیں جو ہر انسان، کالے اور گورے کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ لہذا رسالت محمدی عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ کسی خاص قوم، نسل، ملک اور طبقے میں محدود نہیں ہے۔

دوامی تعلیمات:

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا امتیاز اس کی تعلیمات کا دوام ہے۔ یہ وصف پہلے امتیاز کا لازمی نتیجہ تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ اب نبی ایسا بھیجا جائے جو سب

کے لئے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الانسانی اور دائمی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ملک اور ہر قسم کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً“

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۳)

دین اسلام کے مکمل ہو جانے کی طرف اشارہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اسلام نے زندگی کے بنیادی اصول متعین کر دیئے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کا حالات کے تحت قوانین مدون کئے جاسکتے ہیں۔ حکیمانہ نظام کی بناء پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی ہے۔

محفوظ ترین کتاب:

علاوہ ازیں انبیاء میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس کی پیش کردہ تعلیم یا کتاب آج اپنی درست شکل میں موجود ہو۔ یہ امتیاز تنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور ہر قسم کی تحریف و ترمیم سے پاک ہے، بلکہ قرآن مجید کے علاوہ آپ کی احادیث مبارکہ اور سنت پاک بھی آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔

جامعیت:

رسالت محمدی کا ایک اور وصف ”جامعیت“ ہے۔ دوسرے مذاہب پوری انسانی زندگی کا احاطہ نہیں کرتے۔ ان کے مقابلے میں رسالت محمدی زندگی کا نہایت جامع اور منظم ضابطہ پیش کرتی ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی

ہو یا روحانی اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں۔

اس طرح ریاست محمدی دین و دنیا کی وحدت، علم و عمل کی یک رنگی اور زندگی میں توازن و اعتدال سکھاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے۔ مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کیلئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کیلئے جن ماڈلوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ کی حیات مبارکہ میں ہیں۔ قرآن کریم کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہر ایک مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة“
 ”تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔“

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر: ۲۱)

غرضیکہ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انسانی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وانک لعلى خلق عظیم
 ”بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔“

اب ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو اس کی زندگی کے لئے جامع نمونہ اور سیرت کی اصلاح کا سامان رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

ختم نبوت:

رسالت محمدی کا ایک وصف ختم نبوت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کی طرف تشریف لائے۔ ان کی نبوت وقتی اور مخصوص قوم کے لئے تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پوری نوع انسانی کے لئے ہے اور دائمی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ ہی کسی نئے نبی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”ماکان محمد اباحد من رجالکم ولكن رسول اللہ و خاتم

النبین و کان اللہ بکل شیء علیما“

”لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم

الانبیاء ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۴)

”خاتم النبیین“ کے معنی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے کے ہیں۔ عربی زبان میں ”ختم“

کے معنی: ”مہر لگانے اور بند کرنے“ کے ہیں۔ ”ختم الکتاب“ کے معنی ہیں: ”خط بند کر کے اس پر

مہر لگا دی“ تاکہ خط محفوظ ہو جائے۔ اس کے معنی ڈاک خانے کی مہر کے نہیں جسے لگا کر خطوط جاری

کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر

سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر آئے۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ختم نبوت کے مذکورہ مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ چند

احادیث درج کی جاتی ہیں:

www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری اور مجھ سے قبل کے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک نہایت

خوبصورت عمارت بنائی مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے

دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے ہیں، عمارت کی بہت تعریف کرتے ہیں مگر

کہتے ہیں کہ اس خالی جگہ پر اینٹ کیوں نہ لگائی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں کیونکہ میں

”خاتم النبیین“ ہوں۔“

(صحیح بخاری و مسلم)

2: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وصال کر جاتا تو دوسرا

نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے۔“

(صحیح البخاری)

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے

اوپر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔“

(اصحح المسلم وترمذی)

4: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری امت میں تمیں کذاب (جھوٹے نبی) ہوں گے، جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا، حالانکہ میں ”خاتم النبیین“ ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

(سنن ابی داؤد)

5: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے۔ میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔“

(سنن ترمذی)

7: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے۔“

(صحیح مسلم)

8: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔“

(صحیح بخاری)

9: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں فاتح اور خاتم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

(کنز العمال)

10: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت آدم ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے کہ میرے کے لئے نبوت واجب ہو چکی تھی۔“

نبوت کا افتتاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہیں اور نبوت اختتام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔“

(سنن ترمذی)

مذکورہ احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر مختلف طریقوں سے مختلف انداز میں بار بار تاکید الفاظ میں صراحت فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرے وہ کذاب، دجال اور جھوٹا ہے۔

ختم نبوت بنیادی مسئلہ ہے، جس پر ایمان اور کفر کا انحصار ہے۔ جس طرح ایک سچے اور برحق نبی کو نہ ماننا کفر ہے، اسی طرح ایک جھوٹے نبی کو مان لینا بھی کفر ہے اور ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پس قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق اب نہ کوئی رسول آئے گا، نہ کسی قسم کا نبی، نہ تشریحی اور نہ غیر تشریحی، ظلی اور نہ بزوری۔

قرآن و حدیث کی ان تصریحات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تاریخی روایات شاہد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد متعدد لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان سب مدعیان نبوت کے خلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالائتفاق جہاد کیا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچایا۔

اس ضمن میں مسلمہ کذاب کی مثال خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکاری نہ تھا بلکہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود اسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کافر اور خارج از ملت قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور مسلمہ کذاب اور اس کے پیروں کے خلاف جنگ لڑی۔ لہذا پوری امت میں یہ مسئلہ متفق رہا ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد ہر نبوت کا داعی جھوٹا اور کذاب ہے اور اسلام سے خارج ہے۔

انجیل متی کے باب نمبر ۷ میں ہے:

”جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو! جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آئے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ ان کے پہلوؤں سے تم انہیں پہچان لو گئے۔“

نبی کی ضرورت کب ہوتی ہے:

نبوت کوئی ایسا وصف نہیں جو ہر اس شخص میں پیدا ہو جاتا ہے جس نے عبادت اور عمل صالح میں ترقی کر لی ہو، بلکہ یہ خدائی عطیہ ہے جو ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کسی شخص کو عطا کرتا ہے۔ وہ ضرورت جب متقاضی ہوتی ہے تو ایک نبی اس کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق صرف چار حالتیں ایسی ہیں جب انبیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔

1: اول یہ کہ کسی خاص قوم میں نبی بھیجنے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ قبل ازیں اس میں کوئی نبی نہ آیا ہو اور نہ ہی کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام اس تک پہنچا ہو۔ یہ ضرورت اب باقی نہیں رہی کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور سب قوموں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

”وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیر و نذیر“

”اور اے نبی! ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔“

(سورۃ السہا: آیت نمبر ۲۸)

سورۃ اعراف، آیت نمبر ۱۵۸ میں فرمایا:

”قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً“

”اے نبی! کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا کی جدید تمدنی تاریخ بتا رہی ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت ہی ایسے حالات موجود رہے ہیں کہ آپ کا پیغام سب اقوام کو پہنچ سکتا تھا اور جدید دور میں تو یہ بالکل آسان معاملہ ہو گیا ہے۔

2: دوم یہ کہ سابقہ انبیاء کی تعلیم بھلا دی گئی ہو یا اس میں تحریف ہو گئی اور اس کے نقش قدم کا اتباع ممکن نہ ہو، لیکن رسالت محمدی کے ضمن میں یہ ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ قرآن نزول کے ساتھ ہی ہر طرح سے محفوظ کر لیا گیا اور اس کے ساتھ حدیث و سیرت کا پورا ذخیرہ اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے۔ اس میں تنسیخ و تحریف یا کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے دی۔ اس کے تمام آثار آج بھی ہمیں اس طرح مل جاتے ہیں گویا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں۔ لہذا دوسری ضرورت بھی باقی نہ رہی۔

3: سوم یہ کہ سابقہ انبیاء کے ذریعہ سے کامل ہدایت و تعلیم لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیل دین کے لئے نئے نبی کی ضرورت ہو، لیکن قرآن مجید اس ضرورت کی بھی نفی کرتا ہے۔ اس کا اعلان ہے:

”آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔“

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۳)

4: آخری ضرورت یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی امداد کے لئے ایک اور نبی کی حاجت ہو، لیکن اگر اس کے لئے کوئی نبی درکار ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی آپ کے ساتھ مقرر کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ مقرر نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ختم ہو گئی۔

مذکورہ بالا چار وجوہات کے علاوہ پانچویں کوئی وجہ نہیں جس کے لئے نبی کی ضرورت ہوتی

ہے۔ لہذا عقلی لحاظ سے بھی اب کسی قسم کے نئے نبی کی حاجت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تاقیامت پوری انسانیت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔
الغرض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرام اور دیگر ہادیان مذاہب میں منفرد مقام اور امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔



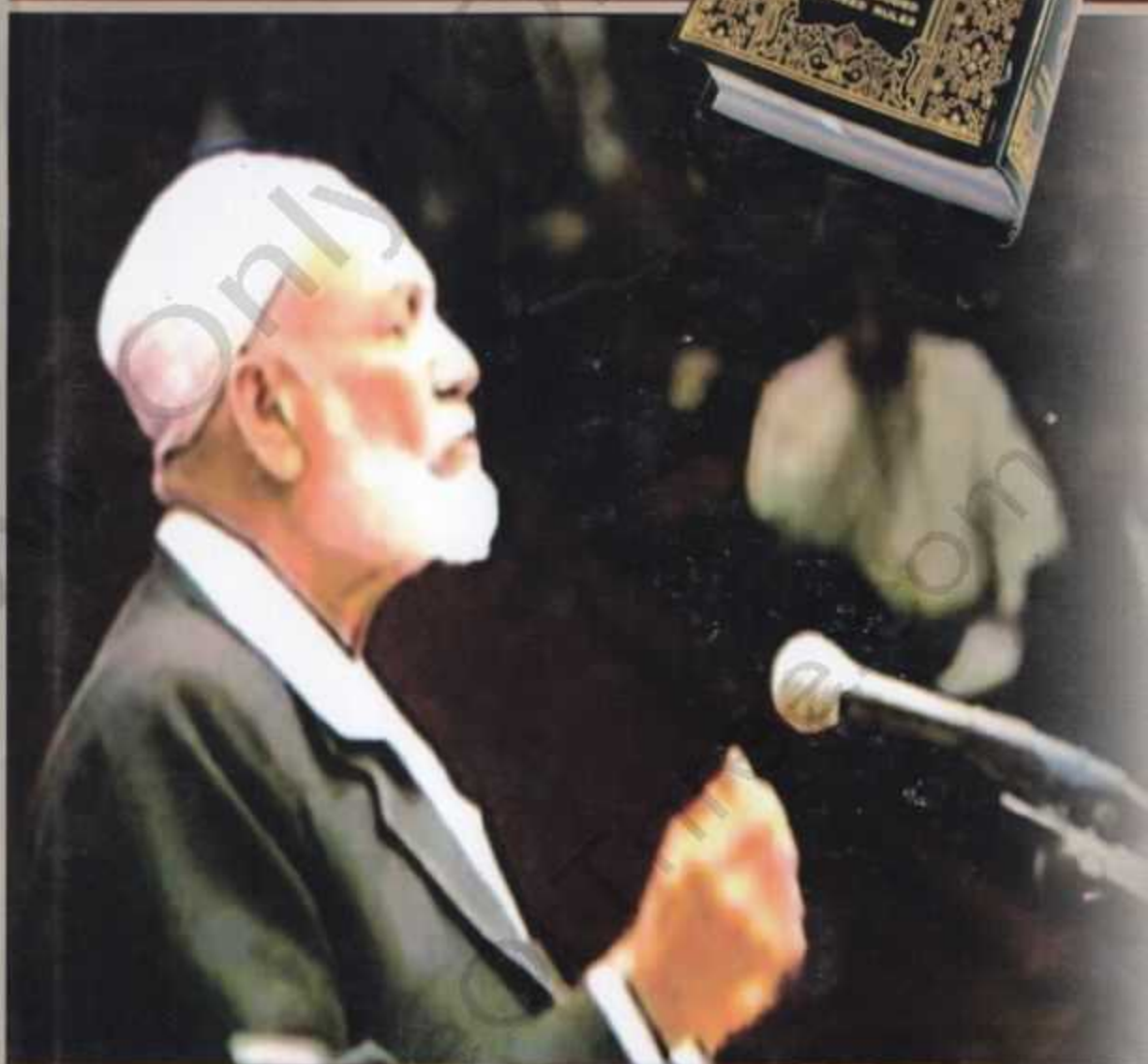
www.only1or3.com

www.onlyoneorthree.com

مفتی محمد وسیم اکرم القادری / مصباح اکرم
کی ہمارے ادارے کی دیگر تصانیف

- ☆ جنت کے حسین مناظر
- ☆ عشق مجازی کا عبرت ناک انجام
- ☆ فتنہ و جال اور آخری عظیم جنگ
- ☆ حالت حاضرہ اور مسیحی و جال
- ☆ طارق بن زیاد تاریخ کے آئینے میں

THIS IS TRUTH



اشاعت:
مشقبات ککارتنا
الحسنہ مارکت، الدو بازار، لاہور



یونیٹ پیس اور اسلام
www.only1or3.com
www.onlyonorth3.com

شیخ احمد دیدات
www.only1or3.com
www.onlyonorth3.com

عبداللہ ککارتنا